ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

ستمبر ۱۹۸۵ء

خاص نمبر

عید کا تحفہ

اس شمارے کے ساتھ ایک مفید
کتاب بھی بلا قیمت حاصل کریں

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

ہمدرد نونہال

خاص نمبر

ٹیلے فون:
۶۱۶۰۰۱ تا ۶۱۶۰۰۵ (۵ لائنیں)

ذی الحجہ ○ ۱۴۰۵ ہجری
ستمبر ○ ۱۹۸۵ عیسوی
جلد ○ ۳۳
شمارہ ——— ۹
فی شمارہ ——— ۴ روپے
قیمت خاص شمارہ ۰۰/ ۸ روپے
سالانہ ——— ۰۰/ ۴۵ روپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۰۰/ ۸۱ روپے

پتا: ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد — کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا۔

اس رسالے میں کیا ہے؟

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جاگو جگاؤ

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ (اللہ تعالیٰ کے دوست) تھے۔ امّتِ مسلمہ کے باپ تھے۔ آپ نے اللہ کا حکم ماننے، اس کی رضا کے آگے سر جھکا دینے اور قربانی دینے کی جو مثال قائم کی ہے وہ دنیا کی تاریخ میں سب سے روشن مثال ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی توحید (ایک ماننے) میں بلند ہمتی اور حق پر قائم رہنے کا اعلا ترین معیار قائم کیا۔ قوم نے حضرت ابراہیمؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بادشاہِ وقت نے آپ کو زندہ جلا دینے کے لیے آگ جلائی، آپ اس میں نڈر ہو کر کود پڑے، لیکن اللہ کے فضل سے صحیح سلامت نکلے۔ آپ نے اپنے چہیتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حکمِ الٰہی کے مطابق قربان کرنے میں تامل نہیں کیا۔ عید قرباں (عید الاضحیٰ) کا دن اسی "ذبحِ عظیم" کی یاد میں ہر سال منایا جاتا ہے۔ جانوروں کی قربانی دی جاتی ہے۔ یہ جانوروں کی قربانی اصل میں ایک علامت ہے، ایک مشق ہے۔ ظاہر میں تو ہم کسی جانور کو قربان کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ ہماری خواہشوں اور تمناؤں کی قربانی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکم کے آگے اپنی مرضی اور اپنے ارادے کو قربان کر دینے کا نام ہی اسلام ہے۔

جانوروں کی قربانی تو یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں اور اس کی راہ میں ہمارا مال، ہماری جان، ہماری اولاد سب کچھ قربان کر سکتے ہیں۔ یہی حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ اور نمونہ ہے۔ حضور اکرم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپؐ کے ساتھیوں نے جب ایک بار قربانی کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ "یہ تمھارے باپ ابراہیمؑ کی سنّت (طریقہ) ہے۔" اگر ہم جانوروں کو تو قربان کرتے رہیں، لیکن ہمارے دل میں اللہ کی مرضی کے آگے اپنی خواہشوں، اپنے ارادوں، اپنے مال اور اپنی جان قربان کرنے کا جذبہ نہ ہو تو یہ قربانی سچی قربانی نہیں ہو گی۔ بے روح قربانی ہو گی۔

پاکستان اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ ہم نے جان اور مال کی قربانیاں دے کر اس کو حاصل کیا ہے۔ اس کو قائم رکھنا، اس کو دشمنوں سے بچانا بھی اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ عید قرباں کے مبارک دن ہمیں اپنے دین اور اپنے وطن کے لیے ہر قربانی کا عہد تازہ کرنا چاہیے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

خاص نمبر پیش ہے۔

اس بار تو خاص نمبر اس لیے بھی خاص ہے کہ اس نے ہم سے
اندازے سے بھی بہت زیادہ اور تھکا دینے والی محنت، لیکن شوق اور پھر آپ کی طرف سے داد
وصول کرنے کے خیال نے محنت کروائی ہے۔ پھر بھی یہ تحفہ پیش کرتے ہوئے دل دھڑک رہا ہے
کہ کوئی کمی کسر نہ رہ گئی ہو۔ یوں تو ہر انسانی کام میں کچھ نہ کچھ خامی ہوتی ہے، لیکن ہم نے اپنی
سی کوشش کی ہے کہ اس کو ایک یادگار خاص نمبر بنائیں۔ ہماری کوشش یہ تھی کہ اس میں دل چسپ
اور تفریح کے سب سامان ہوں اور معلومات اور ذہنی ترقی کے لیے بہت اچھا مواد بھی ہو۔ چار چ
کہانیوں مزاحیہ تحریروں، لطیفوں اور نظموں کے ساتھ ساتھ دینی، تاریخی، سائنسی معلومات، اخلاقی
قصّے اور حکایات، سائنسی کہانی، بچّوں کے لیے کام کی باتیں، دو طویل کہانیاں، صحت کی باتیں، کھیل
کی باتیں، ذہنی ورزش سب ہی کچھ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے علاوہ آسانی سے عربی سکھانے
والی ایک چھوٹی سی مگر پوری کتاب بھی شامل کی ہے۔ یہ اس کتاب کے علاوہ ہے جو خاص نمبر
کے ساتھ آپ کو تحفے کے طور پر پیش کی جا رہی ہے۔ گویا یہ نمبر اپنے ساتھ دو کتابیں لا رہا ہے۔
ہمارے محترم صدر جناب حکیم محمد سعید نے اپنے بچپن کی یادیں لکھ کر ہمیں ممنون کیا۔ حکیم صاحب
نے تو اپنی مصروفیت کے باوجود ہماری رہنمائی کے لیے جتنا وقت دیا ہے اس کا ظاہر کرنا مشکل ہے
اس بار ایک کے بجائے دو بڑے انعامی سلسلے رکھے ہیں۔ محنت کرنے والے یقیناً انعام پائیں
گے۔ ہم اُن سب بزرگوں اور دوستوں کے شکر گزار ہیں جن کی تحریروں سے یہ گل دستہ سجا بنا
ہے۔ اگر آپ کو خاص نمبر پسند آئے تو اس کا سہرا ان سب کے سر ہے۔ اگر کوئی کمی یا خامی رہ گئی ہے
تو اس کے ذمّے دار ہم ہیں۔ آپ لوگوں میں سے جن کی تحریریں یا نام شامل نہیں ہو سکے، اس کا ملال
نہ کیجیے، بلکہ خاص نمبر کی خوب صورت تحریروں سے لطف اٹھائیے۔ بس اب ورق پلٹیے۔

خیال کے پھول

* حضور اکرمؐ

حکمت (دانائی کی بات) مومن کی گم شدہ چیز ہے،
یہ مومن کو جہاں بھی ملے اُس کا اس پر سب سے
زیادہ حق ہے۔

مرسلہ: سید محمد رضا شاہ، رحیم یار خان

* حضرت ابو بکر صدیقؓ

پرانے گناہوں کو نئی نیکیوں سے مٹاؤ۔

* حضرت عمر فاروقؓ

دنیا کی عزت مال سے اور آخرت کی عزت اعمال
سے ہے۔

مرسلہ: محمد ساجد، ترہا بالا

* حضرت عثمان غنیؓ

راست بازی اور حق گوئی اسلام کی روح ہے۔

مرسلہ: سیدہ سحریہ، میر پور خاص

* حضرت علیؓ

مستقل مزاجی کانٹوں کو پھولوں سے بدل دیتی ہے۔

مرسلہ: سید محمد عترت کاظمی، لاہور

* غوث الاعظمؒ

تمام خوبیوں کا مجموعہ علم سیکھنا، عمل کرنا اور دوسروں
کو سکھانا ہے۔

مرسلہ: عبید اللہ آزاد، کراچی

* طارق بن زیاد

شکست سے موت بہتر ہے۔

مرسلہ: عفان لیاقت علی، سکھر

* قائداعظمؒ

جب قومیں سوتی ہیں تو لیڈر جاگتے ہیں۔

مرسلہ: فقراج بی، کراچی اور روبینہ میر، راول پنڈی

* علامہ اقبالؒ

دل ایک ایسی چیز ہے جو ہر امیر کے پہلو میں نہیں
ہوتا۔

مرسلہ: ندیم محمد خان، کراچی

* ملٹن

قوموں کے لیڈر ہمیشہ متوسط طبقے سے پیدا ہوتے ہیں۔

مرسلہ: روبینہ عظمت، کراچی

* ایمرسن

سکھ اور مسرت ایسے عطر ہیں جنھیں جتنا زیادہ آپ
دوسروں پر چھڑکیں گے اتنی ہی زیادہ خوش بو آپ کے
اندر آئے گی۔

مرسلہ: رضوانہ اقبال داؤد، کراچی

* مسعود احمد برکاتی

مسرت کا دوسرا نام محنت ہے۔

مرسلہ: مجیب ظفر، کراچی

عید قربانی

فیض لودھیانوی

پھر آئی عید قربانی مبارک
مُسلمانو! مُسلمانی مبارک

نشاں تک بھی نہیں باقی اَلَم کا
مسرّت کی فراوانی مبارک

سَلونی نعمتیں خوش ہو کے کھاؤ
پلاؤ اور بریانی مبارک

خلیلؑ اللہ کی سنّت کا دن ہے
ہوئی رحمت کی ارزانی مبارک

اچانک دیکھ کر غیبی کرشمہ
خِرَدْ مندوں کو حیرانی مبارک

ذبیحؑ اللہ کی طاعت کے صدقے
دِلوں کو جوشِ ایمانی مبارک

ہمارا دین آساں ہو گیا ہے
عَمل میں اب یہ آسانی مبارک

سفر کے بعد لاکھوں حاجیوں کو
خدا کے گھر کی مہمانی مبارک

بُجھائی پیاس زمزم کے کنارے
مبارک چاہ کا پانی مبارک

جُھکے جو فیضِ حق کے آستاں پر
مُجاہد کو وہ پیشانی مبارک

ہم نونہال

قمر ہاشمی
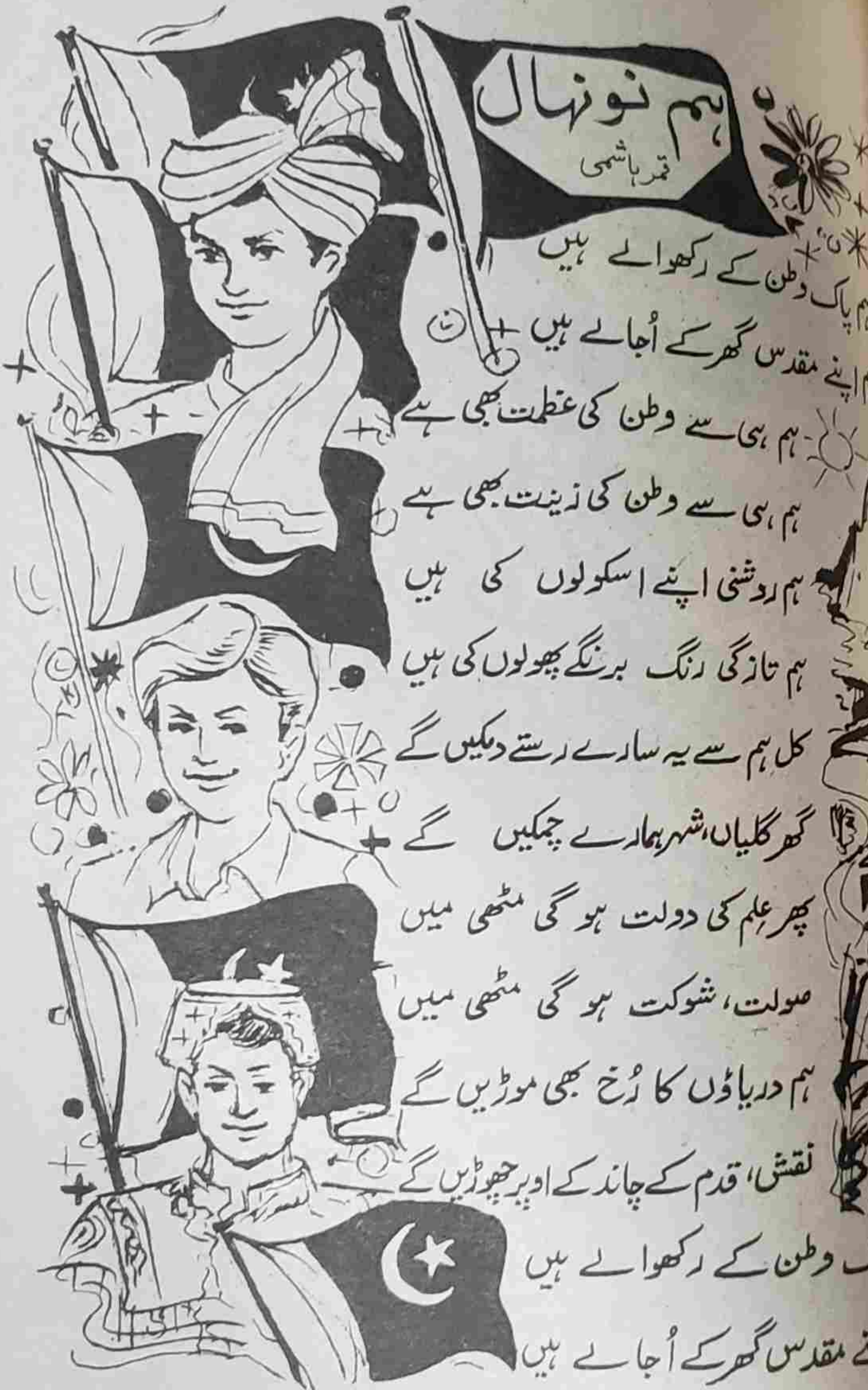
ہم پاک وطن کے رکھوالے ہیں
ہم اپنے مقدس گھر کے اُجالے ہیں
ہم ہی سے وطن کی عظمت بھی ہے
ہم ہی سے وطن کی زینت بھی ہے
ہم روشنی اپنے اسکولوں کی ہیں
ہم تازگی رنگ برنگے پھولوں کی ہیں
کل ہم سے یہ سارے رستے دمکیں گے
گھر گلیاں، شہر ہمارے چمکیں گے
پھر علم کی دولت ہو گی مٹھی میں
صولت، شوکت ہو گی مٹھی میں
ہم دریاؤں کا رُخ بھی موڑیں گے
نقش، قدم کے چاند کے اوپر چھوڑیں گے
ہم پاک وطن کے رکھوالے ہیں
ہم اپنے مقدس گھر کے اُجالے ہیں

قرآنی قصّہ

حضرت یُوسف علیہ السّلام

الیاس احمد مجیبی

کبھی تم نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصّہ بھی پڑھا یا سُنا ہے جو ہم مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید کی زبان میں "احسن القصص" میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس میں بڑی اچھی اچھی باتیں ہیں۔ ہمارے سب کے سیکھنے سمجھنے اور دنیا میں ہر ایک کے کام آنے والی ہیں۔ اچھا تو آج ہم آپ کو یہ اچھی کہانی سُنا دیں اور اس میں جو کُر اور پتے کی باتیں ہیں وہ بھی تمھیں سمجھاتے جائیں۔

حضرت عیسٰی مسیحؑ سے کوئی دو ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ ہمارے سرکار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں خدا کے ایک اور نبی یا پیغمبر گزرے ہیں حضرت یعقوب علیہ السلام۔ انھیں کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

حضرت یعقوبؑ، کنعان نامی ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ کنعان اس علاقے میں ہے جو فلسطین کہلاتا ہے۔ اوروں کی طرح ان کے گھرانے کی بھی بس دیہات کی سی زندگی تھی۔ وہ سب مویشی چَراتے تھے۔ گوشت اور دودھ ان کا کھانا پینا اور اون ان کا اوڑھنا بچھونا۔

یہاں سے تھوڑی ہی دُور مصر کا فرعونی راج تھا جہاں بڑے بڑے عالم و فاضل تھے۔ اور جہاں لوگ بہت ہی شان و شوکت سے رہتے تھے۔ وہ اپنے آگے کسی کو دھیان میں نہ لاتے خاص کر کنعانیوں کی تو ان کے آگے کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ مصر والے انھیں چرواہا کہہ کر پُکارتے اور اپنے برابر کیا انھیں اپنی محفلوں میں بھی گھسنے نہ دیتے، یہاں تک کہ مصری دیہاتیوں کو بھی اپنی آبادیوں میں ان کا رہنا بسنا نہ بھاتا۔

حضرت یعقوبؑ کی کئی بیویاں تھیں اور ان کے بارہ بیٹے تھے۔ سب سے زیادہ حضرت یوسفؑ کو چاہتے تھے۔ خدا کو تو آگے چل کر حضرت یوسفؑ کو بھی اپنا نبی بنانا تھا۔ اسی لیے حضرت یعقوبؑ کے دل میں ان کی محبت اوروں سے زیادہ تھی، مگر ان کے دوسرے بیٹوں کو اپنی نادانی سے یہ بات کھلتی تھی اور وہ آپ سے خواہ مخواہ جلا کرتے تھے، جسے حضرت یعقوبؑ خوب سمجھتے تھے۔

حضرت یوسفؑ ابھی سترہ برس ہی کے تھے کہ انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے
ہیں اور چاند اور سورج، جو سب انھیں سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ نے جب یہ خواب
سُنا تو آپ سے فرمایا، "دیکھو بیٹا! کہیں یہ خواب تم اپنے سوتیلے بھائیوں سے نہ کہہ دینا۔ تم
جانو شیطان تو ہر آدمی کا کھلا دشمن ہے، کہیں وہ تمھارے خلاف منصوبے نہ باندھیں۔"

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا کینہ دن بہ دن بڑھتا ہی گیا۔ ایک دفعہ تو انھوں نے
پکّا ارادہ کر لیا کہ ان کا کام ہی تمام کر دیا جائے (توبہ توبہ) یہ بات ٹھان، حضرت یعقوبؑ
سے کہنے لگے کہ ابّا جان! بھلا آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار کیوں نہیں کرتے۔ ہمارے
ساتھ اُسے بھی جنگل میں جانے دیجیے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ کھیلے کُودے اور کھائے پئے۔ ہم
اس کی دیکھ بھال کریں گے۔

حضرت یعقوبؑ نے ڈرتے ڈرتے حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں کے ساتھ کر دیا۔
پَر ان نادانوں نے وہی کیا جس کا ڈر تھا۔ سب نے صلاح کر کے آپ کو ایک کنویں میں ڈال
دیا۔ شام کو جب گھر گئے تو روتے پیٹتے باپ سے بیان کیا کہ یوسف کو تو بھیڑیا لے گیا۔ یقین
دلانے کو حضرت یوسفؑ کے کُرتے میں جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے، جسے دیکھ کر حضرت
یعقوبؑ نے فرمایا، "یہ تمھاری باتیں ہی باتیں ہیں، پَر میرے لیے اب صبر ہی کرنا ٹھیک ہے۔
جو کچھ تم کہتے ہو اس پر میں بس اللہ ہی سے مدد چاہتا ہوں۔"

اولاد کا داغ خدا دشمن کو بھی نہ دے۔ دُنیا میں اس سے بڑھ کر دُکھ اور صدمے کی اور
کوئی بات نہیں۔ ایسے موقع پر اُدبدا کے آدمی کے منھ سے تُک بے تُک باتیں نکل جاتی ہیں،
جن سے خدا کی شکایت پائی جاتی ہے۔ پَر دیکھو حضرت یعقوبؑ نے بس صبر سے کام لیا اور
کیا مجال کہ زبان سے کچھ ایسی ویسی باتیں نکلی ہوں۔

خدا کا کرنا وہ کنواں اندھا تھا، جس کے پاس کچھ مسافر آکر ٹھیرے۔ سقّے نے جو پانی
بھرنے کو ڈول کنویں میں ڈالا تو اس میں حضرت یوسفؑ بیٹھ گئے۔ سمجھے بھائیوں نے مجھ پر
ترس کھایا اور میرے نکالنے کی تدبیر کی ہے۔ اب سقّا کیا دیکھتا ہے کہ ڈول میں پانی کی
جگہ ایک نہایت خوب صورت لڑکا بیٹھا ہے۔ سقّا مارے خوشی کے اچھل ہی تو پڑا اور قافلے
والوں نے چُپ چاپ انھیں چھپا لیا اور مصر جا کر معمولی سے داموں پر مصر کے بادشاہ عزیز کے

ہاتھ بیچ ڈالا۔

خدا کی شان خدا کا نبی اب غلام بن کر رہنے لگا۔ زبان پر شکایت کا ایک بول نہ آیا بلکہ
اس طرح اپنے آقا کی خدمت میں لگ گئے کہ عزیز اور اس کا گھر بھر دل سے چاہنے لگا۔
خاص کر اس کی بیوی زلیخا تو ایسی ریجھی کہ اس نے آپ کو بہکانے کے سب سب جتن کیے۔
پر آپ آگے اور پیچھے ہمیشہ اپنے آقا کے وفادار رہے اور شیطان کی چالوں سے بچے رہے۔ آپ
نے فرمایا، "تیرا شوہر تو میرا آقا ہے۔"

اب اس بات سے جل کر زلیخا نے ایسی ایسی مکّاری اور فریب کی باتیں اور ترکیبیں کیں کہ
عزیز نے حضرت یوسفؑ کو قید خانے میں ڈال دیا۔ مگر تم جانو اچھوں کے ساتھ کوئی کیسی ہی
بُرائی کرے پَر ان کی نیکی اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہتی۔ اب جو حضرت یوسفؑ قید خانے گئے تو
وہاں کا داروغہ آپ پر ایسا مہربان ہوا کہ اس نے سارا انتظام آپ کے ہاتھ میں دے دیا۔

انھی دِنوں شاہی مجرموں میں دو آدمی وہاں اور تھے۔ دونوں نے ایک ایک خواب دیکھا۔
سمجھ میں نہ آیا تو پریشان ہو کر حضرت یوسفؑ سے تعبیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا، "تم میں سے ایک
قید خانے سے چھوٹ کر پھر اپنے آقا کے پاس پہنچ جائے گا اور دوسرا سولی پر چڑھا دیا جائے
گا۔" خواب کی یہ تعبیریں پوری اتریں۔

خدا کا کرنا کوئی سات برس بعد خود بادشاہ نے ایک نرالا خواب دیکھا اور سب درباریوں
کو اکٹھا کر کے بیان کیا، "میں نے دیکھا ہے کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی۔ انھیں سات دُبلی
پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات سوکھی۔ بتاؤ اس کا مطلب
کیا ہے۔" دربار کے بڑے بڑے عالم کسی طرح خواب کی تعبیر نہ بتا سکے اور جھوٹ مُوٹ کی
باتیں بنا کر رہ گئے۔ مگر وہ آدمی جو قید سے چھوٹ کر آیا تھا بادشاہ کی پریشانی اور خواب کا
ماجرا سُن کر بول اٹھا کہ میں اس کی تعبیر بتاؤں گا۔ مجھے ایک جگہ جانے دو۔ اُسے ایک دم آپ
کا خیال آگیا اور سیدھے قید خانے پہنچ کر حضرت یوسفؑ سے کہنے لگا، "اے سچائی کے دیوتا! بتا تو
سہی اس خواب کا مطلب کیا ہے۔ کیا عجب کہ اور لوگ تجھے پہچان جائیں۔"

حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ سات برس تک تمھارے کھیتوں میں خوب پیداوار ہو گی،
مگر جو کچھ کاٹو اُسے بالوں ہی میں رہنے دو کہ اناج سڑے گلے نہیں۔ بس اتنا الگ کر لیا کرو جو

تمہارے کھانے کو بس کرے۔ پھر سات برس خشکی اور مصیبت کے آئیں گے اُن میں تمہارا بچا ہوا کام دے سکتا ہے۔

اب جو بادشاہ نے یہ تعبیر سُنی اور معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ نے بتائی ہے تو بولا، "یوسفؑ کو میرے پاس لے آؤ۔" اب لوگ آپ کو قید سے چھڑانے آئے پر آپ نے فرمایا، "پہلے میرا معاملہ صاف ہونا چاہیے۔ اگر میں سچ مچ مجرم ہوں، تو مجھے قید خانے میں ہی رکھنا چاہیے۔"

اب پھر سے آپ کے معاملے کی تحقیقات ہوئی تو خود زلیخا اور دوسری عورتوں نے بھرے دربار میں صاف صاف اقرار کیا کہ سارا قصور ہمارا تھا، وہ تو بالکل ہی بے قصور اور سچا ہے۔ اس کی خبر آپ کو دی گئی تو آپ راضی ہوئے۔ بادشاہ نے بڑی آؤ بھگت سے لیا اور کہنے لگا، "میں تمہیں حکومت دیتا ہوں تم ہی آنے والی مصیبت کا علاج کر سکتے ہو۔"

آخر سرکاری خزانوں کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں آگئیں اور اب یہ دیہاتی نوجوان جو غلام بن کر بکا تھا اور بدنام ہو کر قید میں بھی پڑ چکا تھا مصر کا بادشاہ ہو گیا۔ اس چرواہے نے ملک کا وہ انتظام کیا جو شہریوں سے بھی نہ بن پڑا۔ سچ ہے کہ نیکی کا بیج کبھی مارا نہیں جاتا، ضرور پھل لاتا ہے۔

جب کال پڑا تو دُنیا چیخ اٹھی اور لوگ بھوکوں مرنے لگے، لیکن حضرت یوسفؑ نے پہلے ہی سے سب ٹھیک کر رکھا تھا کہ اپنے دیس والوں کے سوا دُور دُور کے لوگ آتے اور یوسفی دربار سے خوش خوش جاتے۔ ایک دفعہ خود آپ کے بھائی آئے۔ آپ نے انھیں پہچان بھی لیا اور ان کے ساتھ بڑا سلوک کیا۔

آخر ہوتے ہوتے کچھ ایسے سامان پیدا ہو گئے کہ برسوں کے بچھڑوں کا ملاپ ہو گیا۔ بھائیوں نے بھی آپ کو پہچان لیا۔ اپنی نادانی اور کرتوت پر پچھتائے اور معافی چاہی۔ آپ نے سب کو کھلے دل سے معاف کر دیا۔ حضرت یوسفؑ نے اب اپنے ماں باپ کو بھی اپنے پاس بلا لیا اور انھیں بڑی عزت سے رکھا۔ اب یہ سارا کنبہ مصر کا مالک و مختار بن گیا۔ کوئی بیس برس پیچھے حضرت یعقوبؑ کا صبر بھی کام آ کے رہا اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔

یہ سب آدمی کی نیک اور پاکیزہ عادتوں اور اچھے کاموں کا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔ دنیا

کی ساری رکاوٹیں ایسے آدمیوں کی راہ سے ہٹ کر رہتی ہیں۔ آدمی خود اپنی جگہ پاک اور صاف رہے اور سادہ ہو، پھر دیکھو دوسرے بھی اس سے صاف ہو جاتے ہیں۔ چاہے کوئی کیسی ہی دشمنی رکھے اور مکاری، دغابازی کرے پر ایک دن کھرا اور کھوٹا نظر آ کے رہتا ہے۔ دیر سویر میں بھی خدا کی حکمت چھپی ہوتی ہے۔ سچے لوگ ضرور کام یاب ہو کے رہتے ہیں اور ہمیشہ عزت پاتے ہیں۔

مرغی کو راستہ بتائیے

جشنِ عید

تنویر پھول

گیت سہانے مل کر گائیں — سیر کریں اور دل بہلائیں
کھیلیں، کودیں، موج اُڑائیں — جھومیں، ناچیں، دھوم مچائیں
مل کر جشنِ عید منائیں

عمدہ عمدہ چیزیں کھا کر — سب لوگوں سے عیدی پا کر
جلدی جلدی قدم بڑھا کر — رب کے آگے سَر کو جھکائیں
مل کر جشنِ عید منائیں

مدد کریں ہم ناداروں کی — مسکینوں اور لاچاروں کی
کریں عیادت بیماروں کی — ہم لیں اُن کی تا کہ دعائیں
مل کر جشنِ عید منائیں

تیتریاں بھی جھوم رہی ہیں — باغیچے میں گھوم رہی ہیں
پھولوں کا منھ چوم رہی ہیں — جیسے چمن میں رقّاصائیں
مل کر جشنِ عید منائیں

دل میں شکوے ہیں نہ گلے ہیں — بھائی بھائی گلے ملے ہیں
رنگ برنگے پھول کھلے ہیں — خوش بُو سے مہکی ہیں فضائیں
مل کر جشنِ عید منائیں

رسول پاکؐ کی گھر والوں سے محبّت

عبدالواحد سندھی

اکثر آدمی باہر لوگوں سے بہت اچھی طرح ملتے جُلتے ہیں، مگر گھر میں اپنے بال بچّوں اور نوکروں سے جن سے انھیں رات دن کا واسطہ پڑتا ہے اچھی طرح پیش نہیں آتے اور ذرا ذرا سی بات پر نوکروں کو ڈانٹتے رہتے ہیں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں کو کھا جائیں گے۔ اس لیے آدمی کی ساری اچھی بُری باتیں گھر میں کُھل جاتی ہیں۔

ہم رسولِ پاکؐ کی گھر کی زندگی دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ رسولِ پاکؐ نوکروں کے لیے سب سے اچھے آقا تھے۔ اپنی بیویوں کے لیے ہمدرد خاوند تھے۔ اور بچّوں کے لیے محبّت اور رحم والے باپ تھے۔ آپؐ کا گھر کی زندگی کے بارے میں یہ حکم تھا کہ تم میں اچھے وہی ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے ہوں۔

آپؐ کے ایک خادم تھے جن کا نام حضرت انسؓ تھا، فرماتے ہیں کہ جب میں آٹھ برس کا تھا رسولِ پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دس برس تک برابر آپؐ کی خدمت میں رہا، مگر اس تمام مدت میں آپؐ نے ایک دفعہ بھی نہیں جھڑکا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ آپؐ کبھی کسی کو اپنی زبان سے سخت بات نہ کہتے تھے، جس سے کسی کو تکلیف پہنچے اور نہ کبھی کسی پر لعنت کرتے تھے، نہ کسی کو بُرا بھلا کہتے نہ کسی کو بد دعا دیتے تھے۔

رسولِ پاکؐ ہمیشہ گھر والوں کی بھلائی کا خیال رکھتے تھے۔ بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے۔ آپؐ کی بیوی حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آپؐ کی طبیعت میں کسی قسم کی سختی اور بد مزاجی نہ تھی۔ نہ آپؐ کبھی چلّاتے نہ بدی کے عوض بدی کرتے بلکہ ہمیشہ درگزر کر دیتے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں، آپؐ بڑی ہمّت والے، سچّے، نرم مزاج اور ہنس مُکھ تھے۔ آپؐ کی عادت تھی کہ جب آپؐ کے گھر والے یا ساتھی آپؐ کو پکارتے تو آپؐ ہمیشہ لبّیک (میں حاضر ہوں) کہا کرتے تھے۔

آپؐ اپنے بچّوں کو گود میں لیتے، انھیں پیار کرتے اور ان سے کھیلتے۔ اپنی نواسی امامہ بنتِ زینب کو گود میں لے کر کاندھے پر بٹھا کر نماز پڑھتے تھے۔ جب رکوع میں جاتے تو ایک طرف بٹھا دیتے۔ یہ تم پہلے کبھی سیرت کی کتاب میں پڑھ چکے ہو گے کہ عرب کے [illegible] والے معصوم لڑکیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ آپؐ لوگوں کے سامنے یہ نمونہ قائم کرنا چاہتے تھے کہ لڑکیوں کی عزّت کی جائے اور انھیں بھی لڑکوں کے برابر سمجھا جائے۔ دوسری یہ بات کہ آپؐ کو اپنی اولاد سے بہت زیادہ محبّت تھی۔

رسولِ پاکؐ کو جو محبّت اپنے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ تھی اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ایک دن آپؐ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں آپؐ کے دونوں نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ملے۔ آپؐ نے ایک کو ایک کندھے پر اور دوسرے کو دوسرے کندھے پر بٹھایا۔ رسولِ پاکؐ کے ساتھیوں نے چاہا کہ دونوں بچّوں کو لے لیں مگر انھوں نے کہا، "ہمیں اپنے پیارے نانا کے کندھے پیارے لگتے ہیں۔"

ایک دن رسولِ پاکؐ سجدے میں تھے۔ حضرت حسینؓ آئے اور محبّت سے اپنے نانا سے لپٹ گئے۔ رسولِ پاکؐ نماز پڑھا کیے اور اپنے مُنّے سے نواسے کو گود میں لے لیا۔ ایک یہودی بھی وہاں بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھ کر کہا، "آپؐ بچّوں سے اتنی محبّت کرتے ہیں یہ ہمیں پسند نہیں ہے۔" رسولِ پاکؐ نے فرمایا، "اگر تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے تو تم بھی بچّوں کو اپنے لیے رحمت اور آرام کا سبب سمجھتے۔" ان باتوں سے تم اندازہ کرسکتے ہو کہ رسولِ پاکؐ اپنے رشتے داروں اور گھر والوں سے کتنی محبّت کرتے تھے۔ آپؐ کا حکم ہے کہ

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا

- میانہ روی اختیار کرنے والا کبھی محتاج نہیں ہوتا۔
- ایمان یہ ہے کہ سچ کو چاہے وہ تجھ کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچا رہا ہو جھوٹ پر ترجیح دے۔ چاہے اس جھوٹ سے فائدہ ہی پہنچ رہا ہو اور جو بات تو زبان سے کہے تیرا عمل اس سے مطابقت کر رہا ہو۔
- جہالت سے بڑھ کر کوئی محتاجی نہیں، خود پسندی سے بڑھ کر وحشت ناک تنہائی نہیں ہے اور حُسنِ اخلاق سے اچھا کوئی ہم نشین نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی پرہیزگار نہیں کہ شبہے کے مقامات پر رُک جائے اور تفکّر سے بڑھ کر کوئی علم نہیں۔
- حلم اور نرم مزاجی دونوں جوڑی دار ہیں۔ ان دونوں کا نتیجہ بلند ہمّتی ہے۔
- اپنے نفس کی اصلاح کے لیے یہی کافی ہے کہ جو باتیں دوسروں کے لیے ناپسند کرتے ہو ان سے بچو۔
- ایمان کے چار ستون ہیں۔ (۱) صبر (۲) یقین (۳) عدل (۴) جہاد۔
- لوگوں سے اس طرح میل جول رکھو کہ اگر مر جاؤ تو روئیں اور زندہ رہو تو سب تمھارے فریفتہ اور مشتاق رہیں۔
- عقل مند کا سینہ اس کے رازوں کا صندوق ہوتا ہے اور چہرے کی شگفتگی محبت کا جال ہے۔ برداشت عیوب کی قبر ہے۔
- جسے اپنی قدر و قیمت نہیں معلوم وہ تباہ ہو گیا۔
- انسان زبان کے پردے میں چھپا ہوا ہے۔
- کوتاہ فہمی کا نتیجہ شرمندگی اور دُور اندیشی کا پھل سلامتی ہے۔
- جسے شرم اپنا لباس پہنا دیتی ہے لوگ اس کے عیب نہیں دیکھ پاتے، یعنی وہ عیب سے گریز کرتا ہے۔
- اگر کسی کو تمھارے بارے میں اچھا خیال ہے تو اسے اچھا کر دکھاؤ۔

ضمیر کی آواز

میرزا ادیب

اس بار نغمہ کے گھر میں بڑی رونق تھی۔ ملتان سے اس کی بڑی باجی اپنے بچوں کے ساتھ آئی تھیں، پنڈی سے خالہ اور اسلام آباد سے پھوپھی تشریف لائی تھیں۔ شام کے بعد تو رونق میں اور اضافہ ہو گیا، کیوں کہ نغمہ کی باجی کی بڑی بیٹی کی سال گرہ کی تقریب بھی تھی۔ خوب ہنگامہ ہوا، موم بتیاں جلائی گئیں، کیک کاٹا گیا اور سب نے مل کر "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو" گایا۔ نو بجے کے قریب تقریب ختم ہوئی۔ وہ مہمان جو سال گرہ کے موقع پر آئے تھے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ نغمہ کے ابو جو ایک ہسپتال میں ڈاکٹر تھے رات کی ڈیوٹی کے لیے گاڑی میں بیٹھ کر گھر سے نکل گئے۔ گھر کے لوگ اُدھر اُدھر بکھرا ہوا سامان سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ دس ساڑھے دس بجے گھر کے اندر خاموشی چھا گئی، کیوں کہ تھکاوٹ کی وجہ سے سب لوگ جلد ہی سو گئے۔ نغمہ کی آنکھوں میں بھی نیند چھا رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں گئی اور لباس بدل کر لیٹنے کا ارادہ کر رہی تھی کہ اس کی نظر میز کے اوپر ایک لفافے پر پڑی۔ اس نے لفافہ اُٹھایا اور اسی لمحے اسے یاد آ گیا کہ یہ لفافہ اس کی ایک سہیلی نسرین کی طرف سے آیا تھا جس میں اس کی سہیلی نے اپنی ماں کی شدید بیماری کی اطلاع دے کر لکھا تھا کہ اپنے ابو سے کہہ دے کہ وہ چند منٹ کے لیے ہمارے گھر آ کر امی کو دیکھ لیں۔

نغمہ نے یہ خط پڑھ لیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ ابو کو نسرین کی امی کے ہاں جانے کو کہے اور اُسے یقین تھا کہ ابو اس کی بات ضرور مان جائیں گے اور اس کے ساتھ نسرین کے گھر روانہ ہو جائیں گے مگر ہوا یہ کہ جب وہ نسرین کا خط پڑھ کر ابو کو اطلاع دینے کے لیے اپنے کمرے سے باہر آئی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ ڈرائنگ روم میں اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ وہاں جانا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے نغمہ ابو کے دوستوں کے جانے کا

انتظار کرنے لگی۔ تقریب کی سرگرمیاں لمحہ بہ لمحہ بڑھتی جا رہی تھیں۔ نغمہ کی اپنی کتنی سہیلیاں بھی آ گئیں۔ وہ ان کا خیر مقدم کرنے اور باتیں کرنے میں اس درجہ مشغول ہو گئی کہ نسرین کے رقعے کا خیال ہی اس کے ذہن سے اُتر گیا۔

اس کے ابو کے دوست چائے پی کر چلے گئے۔ اس کی باتیں اپنے ابو سے بھی ہوئیں، مگر جو بات بھول چکی تھی وہ اسے یاد نہ آ سکی اور اب جو وہ نسرین کا رقعہ دوسری مرتبہ پڑھ رہی تھی تو اُسے سخت افسوس ہو رہا تھا کہ کیوں نہ وہ اپنے ابو سے اپنی سہیلی نسرین کی امی کی بیماری کا ذکر کر کے انھیں اپنے ساتھ نسرین کے گھر لے جا سکی۔

"معلوم نہیں نسرین کیا سوچے گی اور اس کی امی کی حالت کیسی ہو گی؟" اس کے دل میں یہ سوال آیا۔

"اللہ کرے بیماری بڑھ نہ گئی ہو۔ میں ابھی ابو کو فون کرتی ہوں۔"

اور وہ ابو کی خواب گاہ کی طرف جانے لگی۔ ٹیلے فون اسی کمرے میں رکھا تھا۔

"کیوں نغمہ، کیا بات ہے۔ پیاس لگی ہے بیٹی؟" اس کی امی جو کمرے کی طرف جا رہی

تھیں اس سے پوچھنے لگیں۔

"نہیں امی! مجھے ابو کو ٹیلے فون کرنا ہے۔"

"ٹیلے فون کیوں کرنا ہے؟"

نسرین کا رقعہ ابھی نغمہ کے ہاتھ ہی میں تھا وہ اس نے اپنی امی کی طرف بڑھا دیا۔

"تو بیٹا! یہ رقعہ تو دوپہر کے وقت تمھیں ملا تھا۔ ابو گھر میں تھے۔ نو بجے تک گھر میں رہے۔ کیوں نہیں بتایا انھیں۔ اب تو ان کے لیے مشکل ہوگا۔" نغمہ کی امی بولیں۔

"امی! مجھے یاد ہی نہ رہا۔" نغمہ نے بڑے افسوس اور ندامت سے کہا۔

"اچھا میں دیکھتی ہوں۔" یہ کہہ کر نغمہ کی امی نے ہسپتال میں ٹیلے فون کیا۔ وہاں سے خبر ملی کہ ڈاکٹر صاحب ایک مریض کی حالت بڑی خراب ہے وہاں ہیں۔ نہیں مل سکتے۔

"تو امی! اب کیا کیا جائے؟" نغمہ بڑی پریشان تھی۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔ کسی مریض کی حالت بڑی خراب ہے۔ وہ اسے چھوڑ کر کیسے ٹیلے فون سن سکتے ہیں۔ تم جاؤ اپنے کمرے میں۔ ایک گھنٹے کے بعد میں پھر کوشش کروں گی شاید اس وقت تک وہ اپنے کمرے میں آچکے ہوں گے۔"

نغمہ بھاری قدموں سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نسرین اس کی بہت ہی پیاری سہیلی تھی اور اس کی امی کو وہ خالہ کہا کرتی تھی۔ گھر میں کوئی بھی تقریب ہو یہ ماں بیٹی اس کے ہاں ضرور آتی تھیں۔ پچھلے برس جب وہ بیمار ہوئی تھی تو نسرین اور اس کی امی دو تین بار اس کے ہاں آئی تھیں اور دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی تھیں۔

"میں کتنی بری لڑکی ہوں۔ اپنی سب سے اچھی سہیلی کی ماں بیمار ہوئیں تو ان کی طرف سے بالکل بے پروا ہو گئی۔" مگر دوسرے ہی لمحے میں کہنے لگی، "میں بے پروا تو ہرگز نہیں ہوئی تھی۔ اتنی مصروفیت رہی کہ ان کا خیال ہی بھول گیا۔"

نغمہ کے ذہن میں طرح طرح کے خیال آ رہے تھے اور اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کی امی نے کہا تھا کہ ایک گھنٹے بعد ٹیلے فون کروں گی اور اس نے جب سامنے لگے ہوئے کلاک پر نظر ڈالی تو پونے گیارہ بجے تھے۔ یعنی اسے اپنے کمرے میں آئے صرف

آدھا گھنٹہ گزرا تھا۔

اس نے چاہا کہ کسی طرح باقی وقت بھی گزر جائے تو وہ دوبارہ امی کے پاس جائے مگر یہ وقت گزارنا اس کے لیے قریب قریب محال تھا۔ کسی نہ کسی طرح اس نے پندرہ منٹ گزار دیے اور امی کے کمرے میں پہنچ گئی۔

"نغمہ!"

"جی امی!"

"بیٹی، ابھی ابھی میں نے تمھارے ابو کو ٹیلے فون کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کے ایک ساتھی ڈاکٹر صاحب نے بتایا ہے کہ وہ نیچے ہیں اور جب تک مریض کی حالت ذرا ٹھیک نہیں ہو جاتی اوپر نہیں آئیں گے۔"

"تو امی!"

"بیٹی، میں کیا کر سکتی ہوں۔ وہ مریض کو نازک حالت میں چھوڑ کر کیسے اپنے کمرے میں آسکتے ہیں؟"

ماں کی یہ بات سن کر نغمہ مایوس ہو کر کرسی میں بیٹھ گئی۔ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا اور اس کی امی اسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

کئی منٹ گزر گئے۔

"امی!" نغمہ کو ایک تجویز سوجھی۔ "آپ اجازت دیں تو چچا جان کو....."

نغمہ کی امی سمجھ گئیں کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔ نغمہ کے ابو کے چھوٹے بھائی یعنی نغمہ کے چچا جان بھی ڈاکٹر تھے۔ ان کی ڈیوٹی دن کو ہوتی تھی۔ رات کو گھر پر رہتے تھے۔ نغمہ کی آرزو تھی کہ انھیں نسرین کے ہاں لے جائے۔ مگر اس کی امی کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ انھیں اپنی بیٹی کی یہ تجویز پسند نہیں آئی۔

"دیکھو بیٹی! تمھارے چچا جان کو ہم نے کبھی ایسی تکلیف نہیں دی۔ کیا پتا وہ برا مان جائیں۔"

"نہیں امی! وہ بڑے مہربان چچا جان ہیں۔"

"مہربان تو ہیں مگر یہ بھی تو دیکھو وہ کتنی دور رہتے ہیں۔ کم از کم ہمارے گھر سے بارہ میل

کے فاصلے پر۔" امی نے کہا۔

نغمہ نے اصرار کیا تو اس کی امی اس کے چچاجان کو ٹیلے فون کرنے پر رضامند ہو گئیں۔

اس وقت اُس کے چچاجان یعنی ڈاکٹر شمیم سو رہے تھے۔ جاگے تو کہنے لگے:

"صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

نغمہ نے یہ الفاظ سُن لیے۔ امی سے بولی، "امی، مجھے ریسیور دیں۔" اور اس نے ریسیور لے لیا اور بولی، "چچاجان! آپ بھول گئے ہیں کہ ڈاکٹر کا فرض انسانیت کی خدمت کرنا ہے اگر آپ یہ فرض ادا کرنا نہیں چاہتے تو میں کچھ بھی نہیں کہوں گی۔" اور یہ کہتے ہوئے اس نے ریسیور رکھ دیا۔ چچاجان کے جواب کا بھی انتظار نہ کیا۔

"نغمہ! تمھارا لہجہ گستاخانہ تھا۔"

"ٹھیک ہے ـــ لیکن امی! کیا میں نے بات درست نہیں کہی؟" نغمہ نے خود اعتمادی سے کہا۔

"خیر، اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ صبح دیکھا جائے گا۔ تمھارے ابو بھی آجائیں گے۔"

نغمہ اپنے کمرے میں واپس آگئی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کہاں؟ وہ پہلے سے بھی

زیادہ بے چین تھی۔ اسے اپنے چچاجان سے ایسی امید نہیں تھی۔ اس کے چچاجان نے خود بتایا تھا کہ ڈاکٹر کا حقیقی فرض انسانیت کی خدمت ہے۔ پھر وہ یہ فرض کیوں بھول گئے۔

وہ کرسی پر بیٹھی رہی ـــ بیٹھی رہی۔ کلاک نے بارہ بجائے اور اس کے ساتھ ہی کار کے ہارن کی آواز گونج اٹھی۔

نغمہ نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔

"یہ گاڑی تو چچاجان کی ہے۔۔۔" اس کے منھ سے بے اختیار نکلا اور وہ بھاگی بھاگی امی کے کمرے کی طرف گئی۔

"امی! چچاجان آگئے ہیں۔"

"ہاں میں نے ہارن سُن لیا ہے۔ شال لپیٹ کر جاؤ۔ باہر سردی ہو گی۔"

نغمہ تیزی سے سیڑھیوں سے اُتری۔ اس کے چچاجان کار سے باہر نکل کر اس کا انتظار کر رہے تھے۔

"گھر کا پتا ہے نغمہ بیٹی؟"

"پتا ہے چچاجان۔"

"بیٹھ جاؤ۔"

نسرین کا گھر زیادہ دُور نہیں تھا۔ بیس بائیس منٹ میں کار اس کے گھر کے سامنے رک گئی۔

نغمہ جب کار سے اُتری تو اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں سے نکل رہا تھا، "اللہ میاں خیر ہو۔"

گھر میں روشنی تھی۔ نغمہ نے دروازے پر دستک دی۔

دو تین منٹ کے بعد دروازہ کُھل گیا۔ نسرین آدھی رات کے وقت نغمہ کو اپنے دروازے کے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"نسرین باتیں بعد میں ہوں گی۔ یہ بتاؤ خالہ جان کیسی ہیں؟" نغمہ نے سوال کیا۔ نسرین نے زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

"نسرین بیٹی، ہمیں اندر لے چلو۔" نغمہ کے چچا جان بولے۔ انھوں نے مریضہ کو دیکھا، حالت بڑی خراب تھی۔

"فکر کی کوئی بات نہیں۔ نغمہ! ہم انھیں تمھارے ابّو کے ہسپتال میں لے جاتے ہیں۔" سب نے مل کر مریضہ کو گاڑی کے اندر لٹا دیا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔

ایک بجے کے قریب مریضہ ہسپتال میں تھی۔ نغمہ کے ابّو، چچا جان اور نرسیں مریضہ کے علاج میں مصروف ہو گئے۔ نغمہ ایک منٹ کے لیے بھی کمرے سے باہر نہ گئی۔ لگتا تھا اپنی سگی ماں کی تیمار داری کر رہی ہے۔

صبح دس بجے مریضہ خطرے سے نکل چکی تھی۔

"خدا کا شکر ہے نغمہ بیٹی! تمھاری سہیلی کی امی جلد ہی صحت یاب ہو جائیں گی۔" نغمہ کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔

"چچا جان! یہ آپ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ میں آپ کی بہت بہت ممنون ہوں چچا جان۔"

"نہیں بیٹی! اصل شکریے کی مستحق تم ہو۔ تم نے مجھے اپنے فرض سے آگاہ کیا۔ تم نے جب کہا ڈاکٹر کا حقیقی فرض انسانیت کی خدمت ہے ــــ تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا اور میں ایک منٹ بھی گھر میں نہ ٹھیر سکا۔"

نسرین کی امی اُٹھ کر بیٹھ گئی تھیں اور کہہ رہی تھیں:

"مبارک ہیں وہ ہستیاں جو ضمیر کی آواز سنتی ہیں اور اپنا فرض ادا کرتی ہیں۔"

طب کی روشنی میں

سوالات بھیجنے والوں کے لیے

کالم طب کی روشنی کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا اندازہ آنے والے بے شمار خطوط سے ہو رہا ہے۔ اکثر نونہال اس قسم کے سوالات بھیج رہے ہیں جن کے جواب رسالے میں شائع نہیں کیے جا سکتے۔ ایسے نونہالوں کو چاہیے کہ وہ اپنا مکمل پتا ضرور لکھیں تاکہ انھیں خط کے ذریعے سے ضروری مشورہ دیا جا سکے۔ مطب ہمدرد کے ماہر اطبا کسی معاوضے کے بغیر یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ جو نونہال اپنے سوالات کے جلد جوابات چاہتے ہیں وہ بھی اپنا پتا ضرور لکھیں۔ اگر آپ رسالے میں جواب چاہتے ہیں تب بھی اپنا پتا ضرور لکھیے۔

میرے شہید، میرے غازی

محمد منیر طاہر

میں پاکستان ہوں۔ ایک عالم مجھے جانتا ہے۔ میں ان پاک لوگوں کی سرزمین ہوں جن کے سامنے اپنے دین اور اپنے وطن کے علاوہ اور کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ وہ قوم ہے جو اسلام کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ اس قوم نے ہر آڑے وقت میں میرا ساتھ دیا ہے۔ مجھے جب بھی جنگ ستمبر کے عہد آفرین لمحات یاد آتے ہیں میں اپنے بیٹوں، اپنے مجاہدوں اور اس قوم کے ہر فرد کو دیکھ کر فخر محسوس کرتا ہوں۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب یہی قوم مجھے حاصل کرنے کے لیے قربانیاں دے رہی تھی اور تکلیفیں برداشت کر رہی تھی اور میری آنکھیں یہ منظر بھی دیکھ رہی ہیں جب یہ قوم اپنے گھروں کو چھوڑ کر لٹے ہوئے کارواں کی شکل میں میری گود میں پناہ لینے آ رہی تھی اور پھر میں نے اس لٹے ہوئے کارواں کے ہر مسافر کے لیے ایک شفیق ماں کی طرح اپنی گود وا کر دی۔

مجھے اپنے قیام کے فوراً بعد کی مشکلات اور تکالیف کا بھی خوب احساس ہے۔ میرے کانوں میں دشمنوں کے وہ الفاظ آج بھی گونج رہے ہیں جو انھوں نے میری آزادی کے وقت کہے تھے:

"پاکستان چھے ماہ سے زیادہ ہم سے الگ نہیں رہ سکتا، کیوں کہ اس کے پاس وسائل بہت کم ہیں اور بالآخر یہ ہم سے دوبارہ آن ملے گا۔"

لیکن مجھے یہ کہتے ہوئے انتہائی خوشی ہو رہی ہے کہ میرے عوام نے دشمنوں کے اندازوں اور پیشین گوئیوں کو خاک میں ملا دیا ہے اور خدا کے فضل سے میں آج بھی ۳۸ برس گزرنے کے بعد زندہ و جاوید حالت میں موجود ہوں۔ میری قوم نے جس خلوص اور محنت سے میری بنیادوں کو مضبوط کیا اور مجھے دنیا میں ایک ناقابلِ شکست قلعہ بنانے کی جو کوشش کی اس پر میں آج بھی فخر کرتا ہوں۔

میں ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی اُس صبح کو بھی دیکھ رہا ہوں جب دشمنانِ اسلام نے میرے وجود
کو ختم کرنے کے لیے اپنی ناپاک سازش کا آغاز کیا، لیکن مجھے ان بزدلوں کے اس حملے کا کوئی
ڈر نہ تھا، کیوں کہ میرے وجود میں اس قوم کا ٹھکانا ہے جو خدائے واحد کے علاوہ کسی اور
چیز سے خوف زدہ نہیں ہوتی۔ جو اپنے دین اور اپنے وطن کی حفاظت کے لیے ہر وقت تیار
رہتی ہے۔ اس قوم کے جیالے ہر وقت اپنے سامنے صرف ایک ہی مقصد رکھتے ہیں کہ

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

میں اپنے ان آٹھ شہیدوں کو کیسے بھول سکتا ہوں جو میری حفاظت کی خاطر اپنی جانوں
پر کھیل گئے، جنھوں نے میری آبرو کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز جانا، جنھوں نے میرے
دشمنوں کو بتلا دیا کہ وہ میری طرف ٹیڑھی نگاہوں سے دیکھنے والوں کی آنکھیں نکال دیا کرتے
ہیں۔ مجھے میرے شہید آج بھی یاد ہیں اور ہمیشہ یاد رہیں گے۔ مجھے سرور شہید، طفیل محمد شہید،
عزیز بھٹی شہید، محمد حسین شہید، شبیر شریف شہید، محمد اکرم شہید، راشد منہاس شہید، محمد محفوظ
شہید اور دوسرے سب شہید یاد ہیں اور میں اسلام کے اُن سیکڑوں سپاہیوں کو بھی نہیں
بھولا جو ان آٹھ شہیدوں کے شانہ بہ شانہ لڑے اور شہید یا غازی کہلائے۔

میرے سامنے لاہور کا محاذ بھی ہے۔ میں سیال کوٹ کے معرکے کو بھی دیکھ رہا ہوں
میری نگاہیں "چونڈہ" کے مقام پر لڑنے والے ان مجاہدوں کو بھی دیکھ رہی ہیں جو اپنے
سینوں پر ٹینک شکن بم باندھے دشمن کے ٹینکوں تلے اپنی جانوں کا نذرانہ دے رہے ہیں۔
میں سرگودھا کے ان شاہینوں کی پرواز کی گرج بھی سُن رہا ہوں، جنھوں نے مادرِ وطن کی
حفاظت کا ایسا حق ادا کیا کہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا اور دشمن کو ایسا
کاری زخم لگایا کہ وہ مدتوں تک اسے چاٹتا رہے گا۔ میرے کان اُن مجاہدوں کے نعروں کی
آوازیں بھی سُن رہے ہیں جنھوں نے راجستھان کے ریگ زاروں میں بھارتی فوج کو شکست
دے کر دو ہزار مربع میل علاقے پر قبضہ کر لیا تھا۔ میری نظریں اُن رضاکاروں پر بھی پڑ
رہی ہیں جو شہروں اور دیہاتوں کے نہتے عوام کی ہر طرح خدمت کر رہے ہیں۔ میں اپنے
عوام اور جوانوں کے اس جوش، جذبے اور امنگ کو بھی محسوس کر رہا ہوں جس کا مظاہرہ

انھوں نے جنگِ ستمبر میں پیش کیا تھا۔ میری نگاہیں بلڈ بینکوں کے باہر موجود اُن لوگوں کو بھی دیکھ رہی ہیں جن میں بچّے، بوڑھے، جوان، مرد اور عورتیں سب ہی شامل ہیں اور ان سب کی ایک ہی ضد ہے کہ ان کے خون کا آخری قطرہ تک اسلام کے مجاہدوں کو دیا جائے۔

۶۔ ستمبر کے دن کو آج بھی میری قوم نے فراموش نہیں کیا۔ آج بھی ہر سال یہ دن پورے جوش وخروش سے منایا جاتا ہے اور آج بھی میں اپنے عوام اور افواج میں وہی جذبہ محسوس کرتا ہوں، جس کا مظاہرہ انھوں نے ۶۔ ستمبر ۱۹۶۵ء کو کیا تھا۔ سترہ روز کی اس جنگ میں میرے وجود کے محافظوں نے جس طرح میری حفاظت کی اس کی یاد ہمیشہ میرے دل میں رہے گی۔ میں ان کے کارناموں پر آج بھی نازاں ہوں۔

مُسکراتی تحریریں

مشہور مزاح نگاروں کی تحریروں کے خوُب صورت ٹکڑے

رشید احمد صدیقی

میرا بچپن

بچے بڑے ہوں گے تو ان کو ایسے عقل مند ملیں گے جنھوں نے عقل مندوں سے بے وقوفی سیکھی ہوگی۔ خود میں نے ایسے ہی عقل مندوں سے بے وقوفی سیکھی ہے۔ شرارت کبھی نہ کی، اس لیے ماں باپ کے ہاتھ کبھی نہ پٹا، لیکن بے وقوفوں کے سلسلے میں مجھے بعض سزائیں ضرور بھگتنی پڑی ہیں۔ والد کی تاکید تھی کہ بڑے بھائی کا نام نہ لیا کرو۔ بڑے بھائی کا پیار کا نام "ضمنا" تھا۔ اکثر غصے میں ان کو ضمنا کہہ دیتا۔ اس کی شکایت ہوتی تو ماں باپ مجھ کو بُرا بھلا کہتے۔ چناں چہ معلوم نہیں کیوں اور کیسے میں یہ سمجھنے لگا کہ ضمنا نام نہیں بلکہ کوئی گالی یا بدتمیزی تھی۔ ایک دن بھائی صاحب کی شکایت کرنے ماں کے پاس پہنچا۔ بے وقوف ہونے کے علاوہ میں کم زور اور مریض بھی تھا۔ اس لیے ہر شکایت رو کر پیش کرتا، یہی نہیں بلکہ روتا زیادہ اور شکایت کم کرتا۔ روتے میں میرا کچھ بگڑتا نہ تھا اور ظاہر ہے اس طرح کے رونے سے میں کسی اور کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ اس لیے میرے رونے کی مدّت ہمیشہ بڑھتی گئی، لیکن جلد ہی مجھ پر یہ بھید کھُلا اور آنکھیں کھُلیں۔ میں آنکھ بند کر کے روتا تھا کہ اس طرح کے رونے میں اتنی دیر لگ جاتی ہے کہ شکایت کرنا ہی بھول جاتا۔ اس طرح نہ جانے میری کتنی معصوم شکایتوں کا خون ہوتا رہا اور مجھے کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

والدہ کے پاس شکایت لے کر پہنچنے کا قصہ یہ تھا کہ میں نے بھائی صاحب کی کتاب پھاڑ ڈالی۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے میری کتاب پھاڑ ڈالی ہو گی۔ یہ بات کسی اور کے سمجھ میں آتی ہو یا نہیں میری سمجھ میں تو خوب آتی ہے کہ کتاب پھاڑنے کا بدلا کتاب پھاڑنے ہی سے لیا جا سکتا ہے۔ میں اگر اپنے معصوم ذہن پر زور ڈالتا تو یہ بھی ممکن تھا بھائی کی کتاب نہ ملتی تو میں کسی اور کی کتاب پھاڑ ڈالتا۔

والدہ کو گالی سے بڑی نفرت تھی۔ اکثر کہا کرتی تھیں کہ گالی سے بہتر مار پیٹ ہے۔ والدہ کا یہ کہنا مجھے یاد تھا۔ ایک دفعہ میں نے اس پر عمل بھی کیا، لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا مار پیٹ یک طرفہ نہیں بلکہ دو طرفہ ہوتی ہے۔ جہاں اس طرح کا دو طرفہ کاروبار ہو رہا ہو، مجھ جیسا بے وقوف جس کا ذہن یک طرفہ ہوتا ہے ہمیشہ گھاٹے میں رہے گا۔

بھائی صاحب بُلائے گئے اور ان سے جواب طلب کیا گیا۔ الزام سُن کر وہ ہکا بکا رہ گئے۔ پھر بولے "ان سے پوچھیے میں نے کب کون سی گالی دی ہے؟" میں نے ایک نعرہ لگا کر کہا "انھوں نے مجھے بڑے زور سے ضمناً کہا ہے۔" لیکن میں یہ دیکھ کر خود ہکا بکا رہ گیا کہ سارے گھر والوں نے میرے نعرے سے کہیں بلند قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد بھائی صاحب نے میرے خلاف اپنی کتاب پھاڑ ڈالنے کا جو الزام لگایا اس پر مجھے سزا دی گئی۔ فضلو بُلایا گیا اور یہ ہدایت کی گئی کہ مجھے لے جا کر ٹوٹی ہوئی مسجد میں بند کر دیا جائے۔ جہاں مجھے سیار (گیدڑ) کھا جائے گا۔ وہ مجھے پیٹھ پر لاد کر مسجد لایا اور اندر دھکیل کر صدر دروازے کی کنڈی باہر سے چڑھا دی۔ میں دیر تک روتا، شور مچاتا اور دروازے کو دھکّے دیتا رہا۔ اس میں شک نہیں کہ آس پاس کی دیواریں گری ہوئی تھیں اور میں کسی طرف سے بھی باہر نکل سکتا تھا، لیکن میرے ذہن میں یہ بات کس طرح آ سکتی تھی اور آتی بھی تو میں اسے مان کیوں لیتا کہ جس دروازے سے مجھے مسجد میں داخل کیا گیا، نکلنے کے لیے میں اس کے بجائے کوئی اور دروازہ تلاش کرتا۔

مرسلہ: طارق حسین ہاشمی، غازی ہملٹ

پہلی اور آخری سواری

شفیق الرحمٰن

اگلے اتوار کو سب کہیں باہر جا رہے تھے۔ ہمیں حکم ملا کہ ہم دن بھر گھر کی رکھوالی کریں گے۔ چھوٹے ننّھے، ننّھے میاں، ٹیلے فون اور ملاقاتیوں کا خیال رکھیں گے۔ ماسٹر صاحب نے ہمیں گھوڑے پر "جوابِ مضمون" لکھنے کو کہا تھا۔ میں اور روفی کمرے میں کاپیاں لیے بیٹھے تھے۔ ایک کونے میں ننّھا کھیل رہا تھا۔ ننّھے میاں پڑوس کے بچّوں کے ساتھ تھے۔ رستم پوچھنے لگا "کیا لکھ رہے ہو؟" ہم نے بتایا "گھوڑے پر جوابِ مضمون۔" وہ بولا "یوں بھی کبھی مضمون لکھے گئے ہیں۔ سوال مضمون ہو یا جوابِ مضمون، جس چیز پر لکھنا ہو اُسے دیکھ کر لکھ لو۔

میں ابھی گھوڑا لاتا ہوں۔" وہ گھوڑا لے آیا۔ "اب اس پر سوار ہو کر لکھو۔ تمھیں گھوڑے پر جوابِ مضمون لکھنا ہے۔" وہ گھوڑا بہت اونچا تھا۔ ہم زینے پر کھڑے ہو گئے۔ رستم گھوڑے کو کھینچ کر دیوار کے ساتھ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بڑی مشکل سے گھوڑا نزدیک آیا۔ ابھی روفی نے اپنا پاؤں اس پر رکھا ہی تھا کہ وہ آگے چل دیا۔ کئی مرتبہ اسی طرح ہوا۔ آخر طے ہوا کہ گھوڑے پر سیڑھی لگا کر چڑھا جائے۔ رستم بولا "اگر تم دونوں نے اسی گھوڑے پر چڑھ کر مضمون لکھا تو دونوں کا مضمون ایک سا ہوگا۔ میں ایک اور گھوڑا لاتا ہوں۔" ہم نے کہا "نہیں یہی کافی ہے۔" بہ مشکل روفی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ وہ اس قدر ڈرے ہوئے تھے کہ رستم کو بھی ساتھ بیٹھنا پڑا۔ میں نے انکار کر دیا۔ دیکھتے دیکھتے گھوڑا بدک کر سرپٹ بھاگا۔ رستم نے چار یا پانچ نہایت اعلا درجے کی نفیس قلابازیاں کھائیں اور روفی نے کسی کہنہ مشق نٹ کی طرح تماشا دکھایا۔ کپڑے جھاڑتے ہوئے روفی رستم سے بولے "گھوڑے پر ان دونوں سواریوں کا شکریہ۔"

"دو سواریاں کیسی؟"

"میری پہلی اور آخری سواری۔"

مرسلہ: مونا درانی، رحیم یار خان

آزادی کی سخت کمی ہے

ابنِ انشا

چین میں چار ہفتے کے قیام کے بعد ہم نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہاں آزادی کی سخت کمی ہے۔ ہمارے ایک ساتھی جو اپنے ساتھ پان لے کر گئے تھے بار بار فرماتے تھے کہ یہ کیسا ملک ہے جہاں سڑکوں پر تھوک بھی نہیں سکتے۔ زیادہ دن یہاں رہنا پڑے تو زندگی حرام ہو جائے۔ ایک اور بزرگ نے فرمایا کہ یہاں کوئی دیوار ایسی نظر نہیں آئی جس پر لکھا ہو کہ "یہاں پیشاب کرنا منع ہے۔" جو اس امر کا بلیغ اشارہ ہوتا ہے کہ تشریف لایئے، آپ کی حوائج ضروریہ اور غیر ضروریہ کے لیے اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں۔ ایک صاحب شاکی تھے کہ یہاں خریداری کا لطف نہیں، دُکان دار بھاؤ تاؤ نہیں کرتے۔ ہر چیز کی قیمت لکھی ہے کم کرنے کو کہیے تو مسکرا کر سر ہلا دیتے ہیں۔ ہوٹل کے بیروں کو بخشش لیتے اور مسافروں کو

بخشش دینے کی آزادی نہیں۔ بسوں اور کاروں کے اختیارات بھی بے حد محدود ہیں۔ آپ اپنی بس کو فٹ پاتھ پر نہیں چڑھا سکتے۔ نہ کسی مسافر کے اوپر سے گزار سکتے ہیں اور تو اور بجلی کے کھمبے سے ٹکرانے تک کی آزادی نہیں۔ اور بھی کئی آزادیاں جو آزاد دنیا کا خاصّہ ہیں وہاں مفقود نظر آتیں۔ گداگری ممنوع، نائٹ کلب ممنوع، جوتے پر قدغن، کام نہ کرنا اور مفت کی روٹیاں توڑنا خارج از امکان، لڑائی دنگا، چاقو زنی، اغوا وغیرہ کی وارداتیں اور خبریں نہ ہونے کے باعث اخبارات سخت پھیکے سیٹھے۔ ملک کیا ہے، اچھا خاصا خوجہ جماعت خانہ ہے۔

ہمیں ذاتی طور پر ان آزادیوں کو برتنے کا شوق وہاں تو کیا ہوتا، یہاں بھی کبھی نہیں ہوا۔ بس ایک دو بے ضرر سی رعایتیں، معاشرے سے لے رکھی ہیں، جنھیں وقتاً فوقتاً استعمال کر لیتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھول جانے اور اپنی چیزیں کھو بیٹھنے یا چوری کرانے کی رعایت بھی ہے۔ عادت سے مجبور چین میں بھی ہم نے ان سے دریغ نہ کیا۔ پیکنگ سے چلتے وقت ہم اپنا ایک پاجامہ غسل خانے میں لٹکا چھوڑ آئے تھے۔ اس کی ہمیں ضرورت نہ تھی۔ ہمارے پاس اور پاجامے بھی تھے، لیکن بہرحال ہماری روایتی بھول سے ایسا ہوا۔ وہاں سے دوہان پہنچ کر ابھی ہم دَم بھی نہ لینے پائے تھے کہ ہوٹل والے نے ایک پیکٹ دیا، جس میں ہمارا پاجامہ دُھلا دھلایا، استری شدہ اور ایک چپل پالش اور مرمّت شدہ نفاست سے لپٹی ہوئی پائی گئی۔ پاجامہ ہمارا تھا اور چپل ہمارے دوست ڈاکٹر انعام الحق کی۔ وہ بولے "ارے اسے تو میں خود ہی وہاں چھوڑ آیا تھا کہ کون اسے مرمّت کراتا پھرے۔ دوہان میں ہم چند پرانے رسالے اور سن ہوا نیوز ایجنسی کے بلیٹن چھوڑ آئے تھے، اس لیے کہ ہمارے کام کے نہ تھے۔ ان کا پیکٹ بھی کینٹن میں آملا۔ کینٹن سے "ہانگ چو" ریل میں آتے میں۔ ہم نے ناخن کاٹنے کے لیے ایک پرانا بلیڈ استعمال کیا اور اسے وہیں میز پر پڑا چھوڑ آئے۔ دوسرے دن وہ ایک لفافے میں رکھا ہمیں ملا کہ ریلوے کا ایک ملازم دے گیا ہے۔ دیکھ لیجیے آپ ہی کا ہے۔

وفد کے لیڈر ابراہیم خان ایک روز ایک مڈل اسکول دیکھنے گئے۔ وہاں ان کے فونٹن پن کا کلپ یا گر گیا یا یہ خود پھینک آئے تھے۔ وہ بھی دوسرے دن ہوٹل کے مینیجر نے لا

تھمایا کہ ایک اسکول کے لڑکے آئے تھے اور یہ دے گئے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شنگھائی سے چلتے وقت ہم کچھ چیزیں پھینک کے آنا چاہتے تھے، جن میں ایک ہیر آئل کی خالی شیشی تھی۔ ان چیزوں کو ہم نے ردّی کی ٹوکری میں ڈالا اور ہوٹل کے بیرے کو بُلا کر وضاحت کی کہ یہ چیزیں ہم خود چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ مزید اطمینان کے لیے ہوٹل کے مینیجر کو سمجھانا پڑا کہ یہ سامان ہم نے بلاجبر و کراہ اور بہ رضا و رغبت پھینکا ہے۔ یہ احتیاط اس ڈر سے کی کہ کبھی ایسا نہ ہو یہ چیزیں دریافت ہوں اور ہوٹل والے ہوائی اڈّے کو فون کریں کہ ان لوگوں کا جہاز روک لیا جائے اور جب تک مسافر مذکور اپنی ہیئر آئل کی شیشی وصول نہ کر لیں جہاز کو پاکستان جانے کی اجازت نہ دی جائے۔

تعجب ہے ان پابندیوں میں چین کے لوگ کیسے زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم نے تو اس وقت اطمینان کا سانس لیا جب ڈھاکے کے ہوائی اڈّے پر ہمارا ہوائی سفر کا بیگ ہمارے دیکھتے دیکھتے ہماری نظروں سے غائب ہوا اور ہم سب نے مسافر خانے کی میزوں پر ایش ٹرے کے باوجود اپنے سگرٹ فرش پر پھینکے اور ہمارے دوست نے غسل خانے کی دیوار پر پان کی پچکاری ماری۔

مرسلہ: صبیحہ کنول، کراچی

پھول چڑھانے کی جگہ

ابن انشا

یہ بھارت ہے۔ گاندھی جی یہیں پیدا ہوئے تھے۔ لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ان کو مہاتما کہتے تھے۔ چناں چہ مار کر ان کو یہیں دفن کر دیا اور سمادھی بنا دی۔ دوسرے ملک کے بڑے لوگ آتے ہیں تو اس پر پھول چڑھاتے ہیں۔ اگر گاندھی جی نہ مارے جاتے تو پورے ہندُستان میں عقیدت مندوں کے لیے پھول چڑھانے کی کوئی جگہ نہ ہوتی۔ یہی مسئلہ ہمارے یعنی پاکستان والوں کے لیے تھا۔ ہمیں قائداعظم کا ممنون ہونا چاہیے کہ خود ہی مَر گئے اور سفارتی نمائندوں کے پھول چڑھانے کی ایک جگہ پیدا کر دی ورنہ شاید ہمیں بھی ان کو مارنا ہی پڑتا۔

مرسلہ: محمد آصف انصاری، کراچی

سب سے کم عمر جاسوس

وہ ہوائی جہاز کی آواز تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے جہاز بالکل چھت کے اوپر سے گزرا ہو۔ رچرڈ کی آنکھ تو ہوائی جہاز کی آواز ہی سے کھل گئی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی اس نے طیارہ شکن توپوں کے چلنے کی آوازیں سنیں۔ آسمان پر سرچ لائٹ کی روشنی پھیل گئی۔ رچرڈ فوراً ہی بستر سے اٹھ گیا۔ بستر لپیٹ کر وہ کھڑکی کے پاس آگیا۔ باہر ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ البتہ طیارہ شکن توپوں کے گولے ٹوٹتے ہوئے تاروں کی طرح نظر آرہے تھے۔ سرچ لائٹ سے ہوائی جہاز کی تلاش جاری تھی۔

"خدا کرے پائلٹ بچ جائے!" چودہ سالہ رچرڈ نے دعا مانگی۔ اُسے یقین تھا کہ جس ہوائی جہاز کو تلاش کیا جا رہا ہے وہ اتحادی فوجوں کا ہوگا، کیوں کہ سرچ لائٹ سے نازی جرمن فوجی برطانیہ یا امریکا کے طیاروں کو ہی تلاش کر سکتے ہیں۔ رچرڈ کو ان جرمن فوجیوں سے نفرت تھی جنھوں نے اس کے جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم سے پہلے یہ ایک فرانسیسی جزیرہ تھا۔ جنگ شروع ہوتے ہی نازی جرمنی نے پورے فرانس کی طرح اس جزیرے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ رچرڈ کے پاپا اور امّی جرمنی فوجوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ رچرڈ اس وقت صرف بارہ سال کا تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کا بدلا تو نہیں لے سکتا، لیکن اُسے جرمنی فوجوں سے نفرت ہو گئی۔ ماں باپ کے مرنے کے بعد وہ اپنے بوڑھے نانا کے پاس رہتا تھا۔

رچرڈ نے جلدی سے جوتے موزے پہنے۔ جیب میں چھوٹی ٹارچ رکھی اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔ ابھی اتحادی فوجوں نے اس جزیرے کو نازیوں سے آزادی دلانے کے لیے اس پر حملہ نہیں کیا تھا، لیکن نازی اپنے طور پر جزیرے کی حفاظت کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ انھوں نے سمندر میں سُرنگیں بچھا دی تھیں۔ کبھی کبھی اتحادی فوجوں کا کوئی ہوائی جہاز

ادھر نکل آتا تو اس پر سخت گولا باری کی جاتی تھی۔ اپنے وطن سے محبّت کرنے والوں کا جزیرے پر ایک خفیہ گروہ موجود تھا۔ یہ گروہ اس بات کی کوشش کرتا رہتا کہ جب بھی موقع ملے ضروری معلومات حاصل کر کے اتحادی فوجوں کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچا دینی چاہییں۔ رچرڈ اس وقت بہت سی باتیں سوچتا جا رہا تھا۔ کیا اتحادی پائلٹ بچ گیا ہوگا؟ یا جرمن توپوں کا نشانہ بن گیا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ گولا طیارے کو لگ ہی گیا ہو اور پائلٹ جان بچانے کے لیے جہاز سے کُود پڑا ہو اور پکڑ لیا گیا ہو۔ اس نے سوچا کہ اگر کوئی خطرے کی بات ہوگی تو بندرگاہ پر ضرور بھگدڑ مچی ہوگی۔ چناں چہ رچرڈ نے جوتے اُتار کر جیبوں میں ٹھونسے اور ایک اونچے سے درخت پر چڑھ گیا۔ درخت پر اس نے دیکھا کہ ہر طرف چنگاریاں سی اُڑ رہی ہیں۔ یہ دراصل نازی فوجیوں کی فائرنگ تھی۔ پھر اچانک ایک گولی اسی طرف آئی جہاں رچرڈ چھپا ہوا تھا۔ اگر رچرڈ ذرا سا چوک جاتا تو یہ گولی اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی، لیکن اس کی قسمت اچھی تھی۔ وہ گولی قریب کی ایک شاخ میں گھس گئی۔

جس وقت جنگ شروع ہوئی تھی اُسی وقت اس جزیرے کے تمام بچّے اپنا وطن چھوڑ

کر اپنے ماں باپ کے ساتھ چلے گئے تھے، لیکن رچرڈ کے ماں باپ تو مُر چکے تھے اور نانا یہ
جزیرہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس لیے رچرڈ کو بھی یہیں رُک جانا پڑا تھا۔ اس کے
نانا کا ایک چھوٹا سا باغ تھا جس میں زیادہ تر ٹماٹر اُگا کرتے تھے۔ دن بھر رچرڈ اپنے نانا کا
ہاتھ بٹاتا تھا۔ اس وقت سے اس جزیرے پر رہنے والے قیدیوں کی سی زندگی گزار رہے
تھے، کیوں کہ نازیوں کا ہر طرف سخت پہرا تھا۔ رات کے وقت کرفیو لگا رہتا تھا۔ کرفیو کے
دوران جو بھی باہر نکلتا اُسے جرمن سپاہی یا تو فوراً گولی مار دیتے یا گرفتار کر کے اپنے کمانڈر
کے پاس پیش کرتے۔ وہاں سے بھی عام طور پر موت ہی کی سزا ملتی۔ کبھی کوئی تن درست
آدمی ہوتا تو اُسے زبردستی محنت لینے کے لیے زندہ رکھا جاتا، لیکن رچرڈ جرمنوں کی سزاؤں
سے خوف زدہ نہیں تھا۔ وہ رات کے وقت گھر سے باہر نکلتا۔ اُسے جرمن سپاہیوں سے
بچنے کی ترکیبیں معلوم تھیں۔ خدا سے خطرے پر رُک جاتا۔ عام طور پر گھنی جھاڑیوں کے بیچ
میں سے گزرتا۔ غرض ابھی تک وہ جرمن سپاہیوں سے بچا ہوا تھا۔ جزیرے کے رہنے والوں
کو یقین تھا کہ یہ قید کی زندگی جلد ختم ہونے والی ہے، کیوں کہ اتحادی فوجیں یورپ کی
سرزمین پر پہنچ چکی تھیں۔ رچرڈ اپنے نانا کے ساتھ روزانہ بی بی سی کی خبریں سُنتا۔ انھوں
نے اپنا ریڈیو بڑی حفاظت سے چُھپا کر رکھا تھا، کیوں کہ نازیوں کی طرف سے برطانوی ریڈیو
سننے کی اجازت نہیں تھی۔

گولی جب قریب کی شاخ میں گھسی تو رچرڈ کو خطرے کا احساس ہوا۔ وہ فوراً درخت
سے اُتر آیا، لیکن درخت پر چڑھنے سے اُسے بڑی اہم معلومات حاصل ہوئی تھیں۔ اس
درخت سے چند سو گز کے فاصلے پر ہی نازی فوجیوں کا ایک اہم اڈّہ تعمیر ہو رہا تھا۔ یہاں
کچھ ایسے آلات لگائے جا رہے تھے جنھیں خفیہ رکھا گیا تھا۔ صرف ایسے جنگی قیدیوں سے اس
اڈے کی تعمیر کا کام لیا جا رہا تھا جنھیں انگریزی بولنا نہیں آتی تھی۔ یہ سپاہی دراصل روس کے
جنگی قیدی تھے جنھیں نہ تو فرانسیسی زبان آتی تھی نہ انگریزی۔ اس علاقے میں سخت پہرا تھا۔
پہرے دار کتّے اس علاقے کے چاروں طرف گھومتے رہتے۔ یہ الگ بات ہے کہ رچرڈ نے انھیں
روٹی، کیک اور بسکٹ کھلا کھلا کر اتنا ہلا لیا تھا کہ وہ رچرڈ کو دیکھتے ہی دُم ہلانے لگتے۔ رچرڈ
نے اس اڈّے کا پورا نقشہ بنا لیا تھا۔ اسی جگہ اندھیرے میں رچرڈ کو ایک ادھیڑ سا روسی بھی ملتا

تھا۔ یہ دراصل ایک روسی جنگی قیدی تھا۔ اسے ٹوٹی پھوٹی انگریزی آتی تھی، لیکن نازیوں کو
یہ بات نہیں معلوم تھی۔ اس روسی سپاہی نے رچرڈ کو اس اڈے کے متعلق بڑی کام کی باتیں
بتائی تھیں، لیکن آج ابھی تک اس روسی کی طرف سے رچرڈ کو کوئی اشارہ نہیں ملا تھا، حال آنکہ
وہ روز اسی جگہ ملتا تھا۔

رچرڈ روسی سپاہی کا انتظار کر ہی رہا تھا کہ آسمان ایک مرتبہ پھر سرچ لائٹوں سے روشن
ہو گیا۔ ساتھ ہی طیارہ شکن توپوں کی گرج بھی سنائی دی۔ رچرڈ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک
ہوائی جہاز جلتا ہوا زمین کی طرف گر رہا تھا۔ رچرڈ حال آنکہ اس پورے علاقے سے اچھی طرح
واقف تھا اس لیے اُسے اندازہ ہو گیا کہ جہاز سمندر میں گرے گا۔ وہ تیزی سے سمندر کی
طرف بڑھا۔ اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ پائلٹ جہاز میں آگ لگتے ہی کُود گیا ہو۔ اگر
ایسا ہوا ہے تو پائلٹ کو اس کی مدد کی ضرورت ہو گی۔ وہ اپنے جانے پہچانے راستے سے
سمندر کی طرف بڑھا۔ اُس وقت گہرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، لیکن رچرڈ کو سمندر تک پہنچنے میں
کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ سمندر کے کنارے جزیرے کا ساحل اچانک تقریباً ایک سو فیٹ
بلند ہو گیا تھا۔ بہرحال نیچے سمندر تک پہنچنے کا راستہ موجود تھا۔ رچرڈ کو یہ راستہ بھی معلوم

تھا۔ وہ تیزی سے نیچے اُترنے لگا۔ بعض بعض وقت اس کو چاروں ہاتھ پیر بھی استعمال
کرنے پڑے، لیکن کسی نہ کسی طرح وہ سمندر تک پہنچ گیا۔

جم براڈی جب برطانیہ سے اس مہم پر روانہ ہوا تھا تو اس کے پاس کچھ غذائیں، ایک
ایسا سوٹ جو اسے سمندر میں ڈوبنے سے بچا لیتا اور ایک ہیلمٹ تھی، جس کے اوپر قطب
نما لگا ہوا تھا۔ اس سے وہ اپنا راستہ تلاش کر سکتا تھا، لیکن اس وقت دشواری یہ تھی کہ
جب وہ جہاز سے سمندر میں گرا تو ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ طیارہ شکن توپوں کی فائرنگ
بھی بند ہو گئی۔ سرچ لائٹ بجھا دی گئی تھیں اور اب جم براڈی کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ
ساحل سے کتنی دُور سمندر میں گرا ہے۔ نہ اس اندھیرے میں وہ تیرتے ہوئے اپنا قطب نما
ہی دیکھ سکتا تھا کہ اُسے اندازہ ہو کہ اُسے کس سمت میں تیرنا چاہیے۔ اُسی وقت اُسے
دُور کہیں ایک روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی بڑی ہلکی سی تھی اور جلد ہی بُجھ بھی گئی، لیکن دوبارہ
پھر یہ روشنی چمکی اور وقفے وقفے سے نظر آتی رہی۔ براڈی سمجھ گیا کہ کوئی شخص کسی کو
روشنی کا سگنل دے رہا ہے۔ پھر وہ اشاروں کا مطلب سمجھ گیا۔ روشنی جس طرح وقفے وقفے
سے دکھائی جا رہی تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ سگنل دینے والا اُسے بتا رہا ہے کہ وہ دوست
ہے اور روشنی کی سمت آنے کا اشارہ کر رہا ہے۔ اشارہ ملتے ہی جم نے تیزی سے تیرنا شروع
کر دیا۔ جم براڈی جب ساحل پر پہنچ گیا تو دونوں نے ایک دوسرے کے متعلق پوچھ کر
اطمینان کیا کہ انھیں ایک دوسرے پر بھروسا کرنا چاہیے یا نہیں؟ پھر رچرڈ، جم براڈی کو لے
کر ایک گاؤں میں پہنچا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ جم سردی سے کانپ رہا ہے۔ اس کے بدن
پر صرف ایک بنیان اور پتلون تھی۔ رچرڈ نے اُسے اپنا مفلر دیتے ہوئے کہا کہ اسے اپنے سر
سے باندھ لو۔ میں جلد ہی تمھارے لیے کپڑوں کا بندوبست کر دوں گا۔ پھر اُس نے اپنا سوئٹر
بھی اُتار کر جم کو دے دیا۔ جم منع ہی کرتا رہا، لیکن رچرڈ نے اُسے بتایا کہ وہ جاسوس ہے
اور ان دنوں وہ جرمنوں کے اڈّوں اور نئی تعمیرات کے نقشے بناتا رہا ہے۔ ان میں جرمنوں کا
ایک نیا ہتھیار بھی ہے۔ یہ ایک بڑا راکٹ ہے جو یہاں سے سیدھا لندن تک پہنچ سکتا ہے۔
رچرڈ نے جم کو اپنے دوست روسی جنگی قیدی کے متعلق بھی بتا دیا کہ وہ کس طرح اُسے
معلومات فراہم کرتا ہے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اس کے نانا نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ

جرمنوں کے سامنے ہمیشہ بہت سادگی سے رہنا بلکہ ہو سکے تو خود کو بے وقوف ثابت کرنا۔
یہاں چونکہ نازی فوجی اُسے دماغی طور پر کم زور اور بے وقوف سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ سے
اس کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

تھوڑی دیر بعد رچرڈ اپنے گھر چلا گیا اور وہاں سے جم کے لیے کپڑے لے آیا۔ اصل
میں اس کے پاپا کے کپڑے ابھی تک الماری میں موجود تھے۔ اس نے انھیں میں سے
دو ایک جوڑے نکال لیے۔ ساتھ میں ایک بڑا سا تولیا بھی لے لیا۔ یہ سامان اُس نے رات
ہی کو جم کو پہنچا دیا، لیکن دوسری بار جم کے پاس زیادہ دیر نہیں رُکا۔ اس کے جانے کے
بعد جم بڑی دیر تک سوچتا رہا کہ رچرڈ کتنا بہادر جاسوس ہے۔ شاید دنیا کا سب سے
کم عمر جاسوس۔

دوسرے دن نازیوں کا ایک جنرل اچانک اس جزیرے میں آگیا۔ جنرل کا نام جنرل
فان اسٹیمر تھا۔ وہاں کسی کو بھی یہ نہیں معلوم تھا کہ جنرل فان اسٹیمر کے اچانک جزیرے
میں آنے کا کیا مقصد ہے؟ وہ ہوائی جہاز کے ذریعے سے پہنچا تھا اور ہوائی جہاز سے اُترتے
ہی کار کے ذریعے سے اُسی خفیہ اڈّے کی طرف روانہ ہو گیا، جہاں نازیوں کا نیا خفیہ ہتھیار
رکھا گیا تھا۔ رچرڈ کو جنرل کے جزیرے پر پہنچنے اور خفیہ اڈّے تک پہنچنے کا پتا چل گیا تھا۔
وہ بھی چپ چاپ اڈّے کے قریب پہنچ کر اونچی گھاس میں چھپ کر لیٹ گیا۔ اُسے نگرانی
کرنے والے کُتّے کے سوا کسی نے بھی نہ دیکھا۔ یہ کتّا اس سے ہلا ہوا تھا، اس لیے وہ غرّایا
تک نہیں۔ جنرل نے یہاں پہنچنے کے بعد سلامی لی۔ بعد میں اس نے گسٹاپو کے افسر کو بُلایا
گسٹاپو نازی جرمنی کی خُفیہ پولیس کا نام تھا۔ کہتے ہیں کہ انھیں بہت زیادہ اختیارات
حاصل تھے۔ اس افسر کو جنرل نے سمجھایا کہ اس اڈّے کو خفیہ رکھنا بہت ضروری ہے۔
اگر کوئی بھی آدمی قریب نظر آئے تو اُسے گولی فوراً مار دی جائے۔ گسٹاپو کے افسر کو جو
ہدایتیں دی گئی تھیں وہ رچرڈ نے سُن لیں، لیکن اس کے بعد جب جنرل نے اس اڈّے
کے کمانڈر سے باتیں شروع کیں تو وہ باتیں رچرڈ پوری طرح نہیں سُن سکا۔ اس نے بس اتنا
سُنا کہ جنرل نے کمانڈر سے پوچھا کہ یہاں انگریزی اور فرانسیسی کون کون جانتا ہے؟ کمانڈر
نے اسے بتایا تھا کہ فرانسیسی تو دو ایک آدمی جانتے ہیں لیکن انگریزی کوئی نہیں جانتا۔

پھر کمانڈر نے رچرڈ کے دوست روسی جنگی قیدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ سپاہی
بہرا ہے۔ اس کے بعد دونوں میں جو باتیں ہوئیں وہ رچرڈ نہیں سُن سکا۔ اس کے بعد
اس نے جنرل کو اڈّے سے جاتے ہوئے دیکھا۔ رچرڈ بھی وہاں سے ہٹ آیا۔ اب وہ
اپنے گھر کے قریب ہی اُگی ہوئی جھاڑیوں میں روسی جنگی قیدی کا انتظار کرنے لگا۔ اسے
یقین تھا کہ روسی قیدی نے جس کا نام سرج تھا جو باتیں سُنی ہوں گی وہ بتانے ضرور آئے گا۔
رچرڈ کا خیال صحیح نکلا۔ سرج تھوڑی دیر بعد چھپتا چھپاتا اس کے پاس پہنچ گیا۔ سرج نے
اسے بتایا کہ یہ اڈہ لندن پر ایٹم بم گرانے کے لیے بنایا جا رہا ہے۔ پہلا بم ساؤتھمپٹن نامی
شہر پر گرایا جائے گا اور دوسرا بم لندن پر گرایا جائے گا۔ یہ بم اتنے طاقت ور ہیں کہ ایک
ہی بم میں پورا شہر تباہ ہو جائے گا۔ ہٹلر نے جنگ کا جلدی فیصلہ کرنے کے لیے لندن پر
بم گرانے کا فیصلہ کیا ہے۔ پورا منصوبہ جنرل کی اوپر والی جیب میں موجود ہے۔ رچرڈ کو
برطانوی پائلٹ کی مدد سے آج ہی یہ منصوبہ حاصل کرنا ہے، چاہے اس میں جنرل کی جان
ہی کیوں نہ لینی پڑے۔ جزیرے میں جو لوگ خفیہ طور پر اتحادیوں کے لیے کام کر رہے ہیں
انھوں نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ ایک برطانوی آب دوز کشتی سے رات کے وقت ربر
کی ایک کشتی بھیجی جائے گی۔ اس میں جم براڈی اور جو بھی اس کے ساتھ ہو، نکل کر آب دوز
تک پہنچ جائیں گے، جو انھیں برطانیہ پہنچا دے گی۔ سرج نے یہ بھی بتایا کہ جنرل اس وقت
سمندر کے کنارے دھوپ سینکنے گیا ہے۔ وہاں وہ تنہا ہوگا۔ چناں چہ رچرڈ کو فوراً روانہ ہو جانا
چاہیے، لیکن عام راستے سے نہیں، کیوں کہ ہر طرف جرمن فوجیوں کا پہرا ہے۔ اُسے رسّے کی
مدد سے ساحل پر اُترنا ہوگا۔ پھر اس نے رچرڈ کو اس جگہ کا نقشہ بھی سمجھا دیا جہاں دوسرے
ساتھیوں نے رسّا لٹکایا تھا۔

رچرڈ فوراً ہی جم براڈی کے پاس پہنچنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دُور گیا
تھا کہ مشین گن چلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک دھماکا ہوا۔ یہ
دھماکا اسی جگہ ہوا تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے سرج اور رچرڈ موجود تھے۔ دھماکا دستی بم
کا تھا۔ یہ دھوئیں کا بم تھا اور سرج نے جرمن فوجیوں پر پھینکا تھا تاکہ وہ دھوئیں کی آڑ
میں وہاں سے نکل بھاگے، لیکن رچرڈ کے پاس تفصیلات معلوم کرنے کا وقت نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد رچرڈ، جم کے پاس پہنچ گیا۔ راستے میں اس نے ایک ترکیب بھی سوچ لی
تھی کہ جنرل سے وہ منصوبہ کیسے حاصل کیا جائے گا۔ اس نے مختصر الفاظ میں سارا واقعہ اور
اپنی ترکیب سمجھا دی۔ پھر وہ اس طریقے پر عمل کرنے کے لیے جنرل کی طرف چلا گیا۔ جنرل آرام
سے ایک چٹان پر لیٹا ہوا تھا۔ رچرڈ نے اس کے پاس پہنچ کر بڑی معصومیت سے پوچھا:

”سر! کیا آپ جنرل ہیں؟“

”ہاں! تم کون ہو؟ یہاں کیا کر رہے ہو؟“ جنرل نے پوچھا۔ رچرڈ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے
کہا کہ وہ یہیں رہتا ہے۔ سارے جرمن سپاہی اسے بے وقوف لڑکا کہتے ہیں۔ میں آپ کے پاس
اس لیے آیا تھا کہ آپ ہی کی طرح کا ایک جنرل وہ سامنے والے غار میں مُردہ پڑا ہے۔ اس
کے جسم پر ایسی ہی وردی ہے۔ شاید سمندر میں ڈوب گیا تھا۔ میں نے اُسے کھینچ کر غار
میں پہنچا دیا۔

جنرل کو شبہ ہوا کہ شاید اتحادیوں نے سازش کے تحت کسی نقلی جنرل کو بھیجا ہو۔
بہتر ہے کہ خود دیکھ لیا جائے۔ چناں چہ اس نے رچرڈ سے اس جنرل کو دکھانے کے لیے کہا۔
رچرڈ تو چاہتا ہی تھا۔ وہ جنرل کو اپنے ساتھ لے کر غار تک پہنچا۔ غار کے پاس پہنچ کر اس
نے کہا کہ وہ مرا ہوا جنرل اندر پڑا ہے۔ چناں چہ جنرل فان اسٹیمر غار کے اندر چلا گیا۔ وہاں
اندھیرا تھا۔ جنرل جیسے ہی اندھیرے میں پہنچا، جم براڈی نے اس پر چھلانگ لگائی اور دو
ایک ایسے ہاتھ مارے کہ جنرل آواز نکالے بغیر بے ہوش ہو گیا۔ پھر جم اور رچرڈ نے اس کی
کوٹ کی جیب سے اصل منصوبے کے کاغذات نکال لیے۔

رات کو پروگرام کے مطابق رچرڈ اور جم سمندر کے کنارے کھڑے تھے۔ لیفٹیننٹ جونز
ایک ربر کی کشتی کھیتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔ ایک دوسرے کے متعلق اطمینان کر لینے
کے بعد پہلے جم براڈی کشتی میں بیٹھا، پھر اس نے رچرڈ کو بھی کشتی میں چڑھا لیا۔ اس نے
جونز سے کہا اس ساری کام یابی کا سہرا رچرڈ کی ہمت، بہادری اور عقل مندی کے سر ہے۔ جونز
نے کوئی جواب نہ دیا، کیوں کہ ان کے چاروں طرف خطرات تھے اور انھیں جلدی سے جلدی
آب دوز تک پہنچنا تھا۔ پھر جیسے ہی اُن کی کشتی آب دوز کے پاس پہنچی ساحل پر سرچ لائٹیں
روشن ہو گئیں۔ تینوں جلدی سے آب دوز کے اندر داخل ہو گئے۔ اُسی وقت ساحل کی طرف

سے نازیوں نے فائرنگ کی، لیکن اتنی دیر میں آب دوز غوطہ لگا چکی تھی۔

کچھ دنوں بعد اتحادی طیاروں نے بمباری کر کے نازیوں کے راکٹ کا یہ اڈا ختم کر دیا۔

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دوسری جنگِ عظیم ختم ہونے تک نازیوں کا ایٹم بم مکمل ہی نہیں ہوا تھا۔ پھر بھی رچرڈ نے اتحادیوں کو جو قیمتی معلومات فراہم کی تھیں ان کے صلے میں رچرڈ کو ایک بہت بڑا انعام دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد اتحادیوں کے ہاتھوں جرمنی کو شکست ہو گئی۔ فرانس آزاد ہو گیا تو رچرڈ بھی اپنے جزیرے پر واپس آ گیا۔ واپسی پر اُسے سب سے بڑی خوشی یہ ہوئی کہ اس کے نانا زندہ تھے۔ اس کا دوست روسی جنگی قیدی سرج بھی زندہ تھا۔ اس کے بدن میں دو گولیاں لگیں۔ ان کا علاج ہو چکا تھا اور وہ اپنے وطن واپس جانے والا تھا۔

دنیا کے نوجوانوں کی کانگرس کراچی میں ہو گی

نوجوانانِ عالم کی ایک کانگرس اس سال ۱۰۔ دسمبر سے ۱۵۔ دسمبر تک کراچی میں منعقد ہو رہی ہے، جس کا اہتمام ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے کیا ہے۔ اس بارے میں اسی سال مئی کے مہینے میں پیرس میں جناب حکیم محمد سعید نے یونیسکو سے مذاکرات کے بعد پاکستان میں اس بامقصد عالمی اجتماع کے انتظامات کی پوری ذمے داری قبول کی تھی۔ یہ کانگرس ہمدرد اور یونیسکو کے مابین بہترین تعاون و مفاہمت کی روشن دلیل ہے۔

پاکستان کی وزارتِ تعلیم نے اس مفید پروگرام سے اتفاقِ رائے کیا ہے۔ جناب حکیم محمد سعید نے اس کانگرس کا عنوان "تعمیرِ جہاں بہ ذریعہ جوانانِ عالم" طے کیا ہے۔ اس کانگرس میں کم از کم ۲۵ ملکوں کے نوجوان حصہ لیں گے اور پاکستان کی تمام یونی ورسٹیوں کے طالب علم ایڈیٹر شریک ہوں گے۔ اس نوجوانانِ عالم کانگرس میں صرف وہ طالبِ علم حصہ لیں کہ جو اپنی یونی ورسٹی کے طلبہ جرائد کے مدیر ہیں۔ کانگرس کا میزبان ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ہو گا۔

بچپن کی یادیں

حکیم محمد سعید

جنابِ محترم حکیم محمد سعید صاحب سے ہم نے درخواست کی تھی کہ وہ اس بار بھی خاص نمبر کے لیے کوئی خاص تحریر عنایت کریں اور اگر ہو سکے تو نونہالوں کو اپنے بچپن کے کچھ ایسے واقعات بتائیں جن سے نونہال سبق حاصل کر سکیں اور ان میں بھی آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہو۔ حکیم صاحب کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ مصروف ترین انسان ہیں اور ان کی زندگی کا کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس کو وہ کام میں نہ لاتے ہوں۔ اس کے باوجود انھوں نے نونہالوں سے خاص تعلق کی بنا پر چند واقعات لکھ دیے۔ ہم حکیم صاحب کے شکریے کے ساتھ یہ دل چسپ اور مفید یادیں نونہالوں کی نذر کرتے ہیں۔

مسعود احمد برکاتی

نقشِ قدم

برصغیر کے شعرا میں شاگردِ داغ نواب سراج الدین خان سائل دہلوی کا بڑا مقام تھا۔ میں اپنے بچپن میں اس عظیم و جلیل شخصیت سے بڑا قریب رہا ہوں۔ ان کی صحبت قابلِ رشک تھی۔ جسم بھاری مگر گٹھا ہوا۔ چہرہ شیر کا سا۔ خوب صورت داڑھی، آنکھیں روشن، کھڑے ہو جائیں تو گاما بھی ایک بار تو شرما جائے۔ کئی مشاعروں میں، نیز نجی صحبتوں میں کہ جو ہمدرد منزل (دہلی) میں برپا ہوتیں حضرت سائل دہلوی کو سُنا۔ ان کا ایک مصرع آج بھی کانوں میں گونجتا ہے۔ جب وہ حضرتِ شیخ کا نقشہ کھینچتے تو ایک مصرع یہ آتا کہ

جنابِ شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی اور یوں بھی

مطلب یہ تھا کہ جنابِ شیخ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں، اور میں سوچا کرتا تھا کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان زبان سے ایک بات کہے اور عمل اس کا دوسرا ہو۔ منبر پر کھڑا ہو کر صراطِ مستقیم کی دعوت دے اور خود ٹیڑھا راستہ اختیار کرے۔

مجھے اپنا بچپن خوب یاد ہے۔ گھر سے ہم تینوں بھائی نکلتے۔ بڑے بھائی جناب حکیم عبدالحمید آگے آگے ہوتے۔ میں اور منجھلے بھائی عبدالوحید صاحب پیچھے۔ میں کوشش کرتا کہ پیچھے دائیں جانب رہوں اور میں کوچہ کاشغری، بازار ستیارام سے لال کنویں ہمدرد دواخانے تک اپنا قدم ٹھیک اُسی جگہ رکھتا کہ جہاں بڑے بھائی کا قدم پڑتا۔ اکثر اوقات یہ کام خاصا مشکل ہو جاتا۔ میں چھوٹا، میرے قدم چھوٹے۔ بھائی جان محترم بڑے، اور وہ ڈگ بھرتے، کبھی تو مجھے کُودنا پڑ جاتا تھا۔ مگر کوشش یہی ہوتی تھی کہ جنابِ شیخ کی طرح "نقشِ قدم یوں بھی اور یوں بھی" نہ ہو۔ ٹھیک جگہ قدم پڑے۔ برسوں کی یہ مشق آج بھی جاری ہے! میں نے اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جو بھائی جان محترم کے مشورے کے خلاف ہو۔ ان کے نقشِ قدم پر چل کر میں حکیم حاجی حافظ محمد سعید بن گیا ہوں۔

آج جب میں اپنے نقشِ قدم کا جائزہ لیتا ہوں اور اس پر غور کرتا ہوں کہ خود جناب بھائی جان محترم نے میری تربیت کے لیے کیا کیا قربانیاں دی ہیں تو حیران رہ

جاتا ہوں۔ میری تربیت کی خاطر انھوں نے نہ جانے کن کن نعمتوں سے خود کو محروم رکھا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں جناب حکیم عبدالحمید کی عظمت و رفعت کا سکّہ جما ہوا ہے اور میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں وہ بھائی جان محترم کے نقشِ قدم پر چلنے کا ثمر ہے۔ بزرگوں کا احترام کر کے میں حکیم سعید بنا ہوں۔

چمک دار کالے نئے سلیپر

بہت بچپن کی بات ہے۔ چاندنی چوک پر ڈم ڈم بوٹ ہاؤس سے میں نے اصرار کر کے ایک بڑا چمک دار کالا سلیپر خریدا۔ یہ دُکان دہلی میونسپلٹی کے نکّڑ پر تھی۔ یہ دکان شاید میری پسندیدہ اس لیے تھی کہ اس کے مالکان بچّوں سے بڑی محبّت کرتے تھے۔ اُس دُکان کے بالکل سامنے انصاری کیپ ہاؤس تھا، جہاں سے ہم شیر گولا اور جب پیسے زیادہ ہوتے تو ڈبل شیر گولا مارکہ تُرکی ٹوپی پُھندنے والی خریدا کرتے۔ میں بچپن میں نرم ٹرکش کیپ پہنا کرتا تھا اور سَر پر ٹوپی رکھ کر پھندنے کو ایک خاص انداز سے ہلانا مجھے بڑا پسند تھا۔

خیر تو جس شام کالا چمک دار سلیپر خریدا اُسی رات ساڑھے نو بجے میں لال کنواں دفتر ہمدرد گیا تاکہ دس بجے دواخانہ بند کر کے ان کے ساتھ گھر واپس آؤں۔ نیا سلیپر، چمک دار، زور دار، میں بھی زور میں آ گیا۔ زینہ اس طرح زور سے چڑھا کہ سلیپر سیڑھیوں پر پڑتا اور سیڑھی کے پتّھر چیخ اٹھتے۔ اوپر پہنچا تو بھائی جان محترم تشریف فرما تھے اور ان کے قریب میری ہی عمر کے ایک صاحب زادے بیٹھے تھے۔ وہ شفا الملک حکیم رضی الدین خاں کے بڑے فرزند حکیم ناصر الدین خاں صاحب کے صاحب زادے تھے۔ بڑے ادب سے بیٹھے تھے اور بھائی جان محترم ان سے بڑی نرمی سے باتیں کر رہے تھے۔ جب وہ چلے گئے تو بھائی جان محترم تے بڑے غور سے میرے سلیپر کو دیکھا۔ مسکرا کر داد دی:

"اخاہ! نیا سلیپر ہے۔ چلنے میں بڑی آواز دیتا ہے!"

بھائی جان محترم تو یہ جُملہ فرما کر خاموش ہو گئے۔ اور میں اس کے معنی پر غور کرتا رہ گیا اور بات بعد میں سمجھ میں آئی کہ زمین پر اس انداز سے اکڑ کر چلنا اور ڈھپ ڈھپ

زمین پر پیر مارنا تہذیب کے خلاف ہے۔ شرافت کے منافی ہے۔ ہماری تعلیماتِ اسلامی
بھی اس کو اچھا نہیں کہتی۔

شیر مار کہ ترکی ٹوپی پُھندنے والی

اب سُنیے حال میری شیر مار کہ پُھندنے والی ترکی ٹوپی کا جو مجھے بہت پسند تھی اور
جس پر میں اپنے تعلیم قرآن کے ساتھیوں کے سامنے فخر کرتا تھا۔ چچا جان (میری
ناظرہ تعلیم قرآن کی اُستانی کے شوہر) نے ہم بچّوں کو ساتھ لے کر سلطان جی جانے کا پروگرام
بنا لیا۔ یعنی درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ۔ جمعرات کا دن تھا۔ حوض قاضی دہلی
(جہاں ہمارا گھر تھا) سے ایک اِکّا کرائے پر لیا۔ چھے پیسے کرایہ طے ہوا۔ چچا جان اور
سب بچّے اس میں سوار ہو گئے۔ حوض قاضی سے سلطان جی کا فاصلہ ۸-۹ میل ہو گا۔
خیر ہم سب بچّوں نے مزارِ حضرت پر فاتحہ خوانی کی۔ پھر سیر کے لیے باؤلی پر آ گئے۔
اس باؤلی پر تیراک اوپر سے کُودتے اور تیرتے۔ بڑا دل چسپ منظر ہوتا۔ اوپر جھروکوں میں
ہم بچّے بیٹھ جاتے اور چچا جان نگرانی کرتے رہتے۔

میں اپنی شیر مار کہ ترکی پُھندنے دار ٹوپی اوڑھے ہوئے تھا۔ ایک لمبا تڑنگا تیراک بڑی
اوپر سے باؤلی میں کُودا۔ میں نے اسے بڑی داد دی۔ سر کو زور سے ہلایا، پھندنے کو
چکّر دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سر پر سے ٹوپی نے زقند لگائی اور ٹوپی اُسی تیراک کے
ساتھ باؤلی میں جا گری! اوسان خطا ہو گئے۔ ہاتھوں کے توتے اُڑ گئے۔ چچا جان محترم
اٹھے۔ مدد مانگی۔ اتنے میں کہ تیراک ٹوپی تک پہنچے ٹوپی پانی میں ڈوب چکی تھی۔ چچا جان خاموش
ہو گئے۔ بچّے خوش ہو گئے۔ رات جب ماموں فضل کی انگلی پکڑ کر گھر آیا تو محترمہ آپا
صاحبہ (والدہ مکرمہ) نے ننگے سر دیکھا۔

"ٹوپی کہاں ہے؟"

"وہ تو نظام الدین کی باؤلی میں گر گئی۔ ڈوب گئی۔"

"اور سر ہلاؤ، اور ناچو، اور فخر کرو، بڑے بول کا سر نیچا۔"

اور میں سر نیچا کر کے خاموش بیٹھ گیا۔

ہوا کی شکایت

[illegible]

لہو چوسنے والے غارت گروں نے
شکایت سلیمانؑ سے کی مچھروں نے
ہوا ایک پل سانس لیتی نہیں ہے
ہمیں چین سے رہنے دیتی نہیں ہے
یہ پیچھے لگی ہے جہاں ہیں جدھر ہیں
اشارے میں اس کے ادھر سے ادھر ہیں
وطن ہے کوئی اور نہ گھر در ہمارا
کبھی ختم بھی ہو گا چکر ہمارا
ہوا حکم "فوراً ہوا کو بلاؤ
مرے سامنے بہر انصاف لاؤ
ہوا کو بلاؤ" سنا مچھروں نے
بہت ہی ادب سے کہا مچھروں نے
"یہ ممکن نہیں اب کہ تھم جائیں صاحب
ہوا آ رہی ہے تو ہم جائیں صاحب"

بچے کی دُعا

ایس مغنی حیدر

میرے پیارے خدا
تجھ کو کر دے عطا
علم کی روشنی
نُور ایمان کا
تن درستی بھی دے
ہر مرض سے بچا
کہنا مانوں سدا
اپنے ماں باپ کا
نیک لڑکا بنوں
خوش رہوں میں سدا
تجھ سے اُلفت رہے
میری صبح و مسا
میرے پیارے خدا
سُن لے میری دُعا!
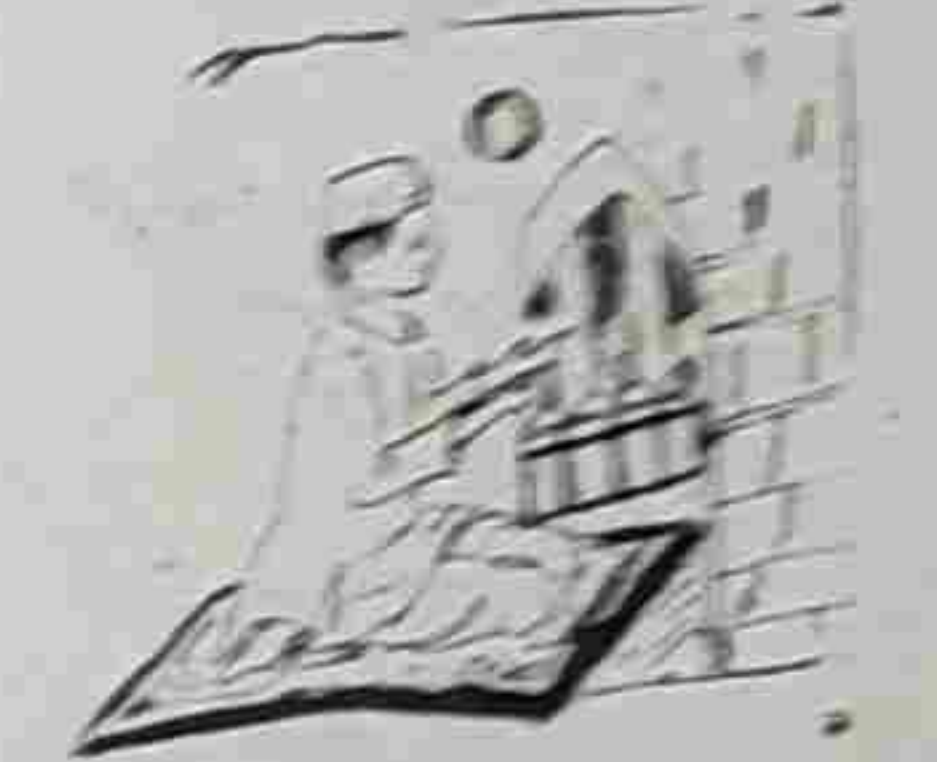
ورزش ضروری ہے

ڈاکٹر سید اسلم، ماہر قلب

... ابتدائی زمانے سے انسان سخت اور جفاکشی کا عادی رہا ہے۔ درختوں کو کاٹنا، گرانا،
... شہ سواری اور زراعت وغیرہ اس کے مشغلے رہے ہیں، کروڑوں برس سے
... جس طرح اپنے اعضا سے کام لے رہا ہے، اس کو یکایک تبدیل نہیں کیا جا سکتا اور کیا
... نہ کہیں زد پڑے گی۔ اس لیے ڈربے کی مرغیوں کی طرح زندگی گزارنا غلط ہے۔

... اسی طرح ضروری ہے جس طرح ہوا، پانی، غذا اور نیند۔
... زندگی باقی رکھنے کے لیے
... سے پڑی جائے گی کہ ایک تن درست آدمی کو ایک ہفتے کے لیے بستر پر لٹا دیا
... کی طاقت اس قدر زائل ہو جائے گی کہ اسے اپنی پہلی حالت پر آنے کے لیے تین
... ہوں گے۔ ورزش سے غذا ہضم ہوتی ہے۔ وزن مناسب ہو کر برقرار رہتا ہے۔ اسی
... ورزشی لوگ خوش خوراک ہونے کے باوجود تن درست رہتے ہیں۔ ورزش دل کو جس
... پہنچاتی ہے اس قدر قوت کسی چیز سے نہیں پہنچتی، نہ طبیب کی دواؤں سے اور نہ
... (سرجن) کے نشتر سے، کیوں کہ ورزش سے متبادل رگیں قدرتی طریقے پر حاصل ہو کر خون
... تن درست آدمی کو کسی بھی ورزش سے نقصان نہیں پہنچتا۔ جن مشہور لوگوں نے بڑی عمر
... ہیں، مثلاً مولوی عبدالحق، مولانا غلام رسول مہر وغیرہ، صبح ہواخوری کے عادی تھے۔ جناب
... ملیح آبادی صبح کو اس قدر ورزش کر لیتے تھے کہ پسینا گرنے لگتا تھا۔ وہ اپنے زمانے کے
... سب سے طویل العمر شاعر تھے۔

یہ ضروری ہے کہ ہر عمر، موسم اور زمانے میں جسمانی مشقت کی ترغیب اور ترویج کی جائے۔
کیوں کہ ورزش سے فرحت اور انبساط کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ جو لوگ پریشان و مضطرب ہوتے
ہیں ان میں خوش دلی آتی ہے، حوصلہ، اُمید اور اعتماد بڑھتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ورزش

سے عمر میں اضافہ ہو نہ ہو اس سے زندگی کو جلا ضرور ملتی ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ورزش سب سے اچھی خواب آور (نیند لانے والی) شے ہے۔

ورزش شروع کرنے سے پہلے اس بات کا انتظام کرلینا چاہیے کہ ورزش نہ صرف موزوں ہو بلکہ اس پابندی اور باقاعدگی ہو، قابلِ عمل ہو، بے خطر ہو اور ورزش کرنے کا ضروری سامان ہو۔ موسم، مزاج اور ماحول کو بھی پیشِ نظر رکھا جائے۔ ورزش کے لیے ضروری ہے کہ متحرک ہو یعنی رفتار اور حرکت ہو اور جسم کے بڑے پٹھوں کا خاطر خواہ استعمال ہو، تاکہ خون کی گردش سے زور اور قوت پیدا ہو۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ورزش میں ٹانگیں بھرپور حصّہ لیں، کیوں کہ ٹانگوں کے پٹھوں کی کثرت سے خون کی روانی دل کی طرف ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے دورانِ خون میں بازوؤں سے زیادہ اہم ٹانگیں ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ایک دل ٹانگوں میں بھی ہے۔

ورزش کو رفتہ رفتہ استطاعت کے مطابق اس قدر بڑھایا جائے کہ وہ اچھی معلوم ہو اور چہل قدمی بڑھ کر تیز قدمی ہو جائے۔ ایک گھنٹے میں تین میل کا فاصلہ طے کرلیا جائے۔ دوسری ورزشوں میں سائکل چلانا، تیراکی، گھڑسواری، باغ بانی، سیڑھیاں چڑھنا اور ایک جگہ ساکت دوڑ لگانا شامل ہیں۔ ورزش اس وقت کی جائے جب معدہ خالی ہو اور کھانا کھائے ہوئے کم سے کم چار گھنٹے سے زیادہ گزر چکے ہوں تو بہتر ہے کہ علی الصباح نہار منھ ورزش کی جائے۔ ورزش کے شروع میں ۳-۴ منٹ تک آہستہ آہستہ اُچھل کر اپنے آپ کو گرم کیا جائے۔ ورزش سے نبض اور سانس کی رفتار دونوں میں تیزی آجاتی ہے اور یہ اس بات کا اظہار ہے کہ تمام نظام متحرک ہوگیا ہے، اور یہ رفتار ورزش ختم کرنے کے تین منٹ بعد اپنی اصلی حالت پر آجانا چاہیے۔ ورزش جب ختم کے قریب ہو تو اس کو ایک دم ختم نہیں کردیں بلکہ کچھ وقت ٹھنڈا ہونے کے لیے بھی دیں، تاکہ جسم یکایک حرکت سے سکون میں نہ آجائے۔

ورزش ہفتے میں کم سے کم تین دفعہ اور زیادہ سے زیادہ چھے دفعہ کی جائے۔ اگر ورزش زور دار ہو تو پندرہ منٹ، اگر آرام سے کی جائے تو ایک گھنٹے تک ہونا چاہیے، یعنی چہل قدمی تین میل فی گھنٹے کی رفتار سے ایک گھنٹے تک، تیز قدمی جس میں ہلکی دوڑ لگائی جائے بیس منٹ اور سخت زور دار دوڑ جس میں پسینا آجائے، سانس چڑھ جائے دل کی رفتار تیز ہو جائے یا ہلکی سی تھکن ہو جائے ۸ سے ۱۲ منٹ کی جائے۔ وقت ہو تو چہل قدمی جو تیز رفتاری سے کی جائے سب سے اچھی ورزش ہے، لیکن سب سے مناسب، قابل عمل اور سستی ورزش یہ ہے کہ گھر کے کسی گوشے میں ساکت سائکل چلائیں یا ایک جگہ کھڑے ہو کر دوڑ لگائیں، یعنی ایک مقام پر کھڑے ہو کر اُچھلیں کودیں۔

بچوّں میں شروع ہی سے ورزش کی عادت ڈالی جائے۔

ایٹم اور ایٹمی توانائی

علی ناصر زیدی

اب ایٹم یا ایٹمی یا جوہری توانائی اتنی عام اصطلاحات ہیں کہ ہر شخص ان کے متعلق پڑھتا اور سوچتا ہے۔ کسی بھی ملک کی مادّی قوت کا انحصار بھی اس بات پر ہے کہ اُس میں ایٹم سے کام لینے اور ایٹمی توانائی حاصل کرنے کی صلاحیت موجود ہے یا نہیں۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر ہمارے ملک میں بھی ایک ادارہ "پاکستان اٹومک انرجی کمیشن" کے نام سے کام کر رہا ہے اور ہم ایٹم کو پُر امن مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

مشہور بات ہے کہ ایٹم مادّے کا مختصر ترین حصّہ یا جُز ہوتا ہے اور مادّے میں ٹھوس، مائع اور گیس سب ہی چیزیں شمار ہوتی ہیں۔ کسی بھی جُز کو اگر مسلسل توڑتے چلے جائیں تو آخر میں اُس کا جو مختصر ترین حصّہ یا جز حاصل ہوگا اُسے ہم اُس کا ایٹم یا جوہر کہیں گے۔ یہ جُز اتنا مختصر ہوتا ہے کہ ہم اپنی بہترین خردبین سے بھی اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے موجود ہونے کے کتنے ہی ثبوت ہمارے پاس ہیں۔

اتنا مختصر ہونے کے باوجود ایٹم کے اندر قدرت نے ایک نہایت باقاعدہ نظام پوشیدہ رکھا ہے۔ ہر ایٹم کا ایک مرکزہ ہوتا ہے جو ایک یا اس سے زیادہ برقی ذرات سے مل کر بنتا ہے۔ یہ ذرہ جسے "پروٹون" کہتے ہیں اصل میں نہایت خفیف مُثبت چارج ہوتا ہے۔

اور اس مثبت چارج کی برابری کرنے یا اُسے بے اثر کر دینے کے لیے اس مرکزے کے چاروں
طرف ایک یا اس سے زیادہ برقی ذرّات مستقل طور پر گردش کرتے ہیں۔ یہ ذرہ "الیکٹران" کہلاتا
ہے اور اُس پر نہایت خفیف منفی برقی چارج ہوتا ہے۔ مثبت اور منفی یہ دونوں چارج
ایک دوسرے کے مخالف اور برابر ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو بے اثر کر دیتے ہیں لہٰذا
ہر ایٹم اپنی اصلی حالت میں نہ تو مثبت چارج رکھتا ہے اور نہ منفی۔ پروٹون اپنے مخالف ذرّے
الیکٹران کے مقابلے میں بہت بڑا ہوتا ہے۔ ایک پروٹون کا وزن ہائیڈروجن کے ایٹم کے وزن
کے برابر ہوتا ہے یعنی ہائیڈروجن ایٹم اپنی ساخت کے اعتبار سے سب سے سادہ ہوتا ہے۔
ایک پروٹون اپنے مخالف ذرّے الیکٹران کے مقابلے میں ۱۸۳۷ گنا زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ یہی
وجہ ہے کہ ایٹم کا وزن معلوم کرتے وقت الیکٹران کا وزن شمار نہیں کیا جاتا۔

اپنی ساخت کے اعتبار سے ہائیڈروجن گیس کا ایٹم سب سے سادہ ہوتا ہے۔ اُس
کے مرکزے پر جسے نیوکلیس (NUCLEUS) کہتے ہیں صرف ایک پروٹون ہوتا ہے اور
اس کے چاروں طرف صرف ایک الیکٹران گردش کرتا ہے۔ دوسرے ایٹم بھاری ہوتے ہیں اور
اُن کی اندرونی بناوٹ زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے۔

بعض ایٹموں کے مرکزے یا نیوکلیس پر کچھ ایسے ذرّے بھی ہوتے ہیں جن پر کسی قسم
کا برقی چارج موجود نہیں ہوتا۔ یہ ذرہ "نیوٹرون" کہلاتا ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ
ایٹم کو کس طرح توڑا جاتا ہے اور اُس سے ایٹمی یا جوہری توانائی کس طرح خارج ہوتی ہے۔
اس مقصد کے لیے بڑا پیچیدہ ساز و سامان استعمال کیا جاتا ہے۔

ایٹم کا سارا وزن اور اُس کی قوت اُس کے مرکزے میں بھری ہوتی ہے۔ سائنس داں
بے بار ذرّات یعنی نیوٹرون کی بارش اسی مرکزے پر کرتے ہیں۔ اور جب وہ ٹوٹتا ہے تو
اُس سے زبردست توانائی حاصل ہوتی ہے جسے نُکلیئر انرجی، ایٹمی قوت یا جوہری توانائی کہتے
ہیں۔

اگرچہ ایٹم کا تصوّر نہایت قدیم ہے، لیکن دنیا ایٹمی قوت سے سب سے پہلے ۱۹۴۵ء میں
واقف ہوئی جب دوسری جنگ عظیم کو ختم کرنے کے لیے اتحادیوں نے جاپان کے دو شہروں
ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے۔ یہ چھوٹے ایٹم بم تھے۔ جب سے اب تک کہیں زیادہ

ہمدرد نونہال، ستمبر ۱۹۸۵ء

بڑے اور کہیں زیادہ تباہ کن ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور دوسرے ایٹمی ہتھیار بنائے جا چکے ہیں۔
یہ تو تھا جوہری توانائی کا بُرا یا تخریبی استعمال، جس سے تباہی پھیلی، لیکن اس قوت کے بہت سے فائدے اور تعمیری استعمال بھی ہیں اور اُس سے بے شمار کام لیے جا سکتے ہیں اور لیے جا رہے ہیں مثلاً ایسے بحری جہاز بن چکے ہیں جو ایٹمی قوت سے چلتے ہیں۔ اس قوت سے بجلی بنائی جا رہی ہے۔ آب دوز کشتیاں چلائی جا رہی ہیں۔ صنعت و حرفت اور علاج معالجے میں بھی اُس سے بہت سی خدمات لی جا رہی ہیں۔ ایٹمی توانائی کو زراعت میں بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ جس مشین سے سائنس داں ایٹمی توانائی حاصل کرنے کا کام لیتے ہیں اسے ایٹمی ری ایکٹر کہتے ہیں۔ یہ ایک اچھی خاصی لمبی چوڑی اور بھاری بھرکم مشین ہوتی ہے۔

کون سے دو مرغے بالکل یکساں ہیں
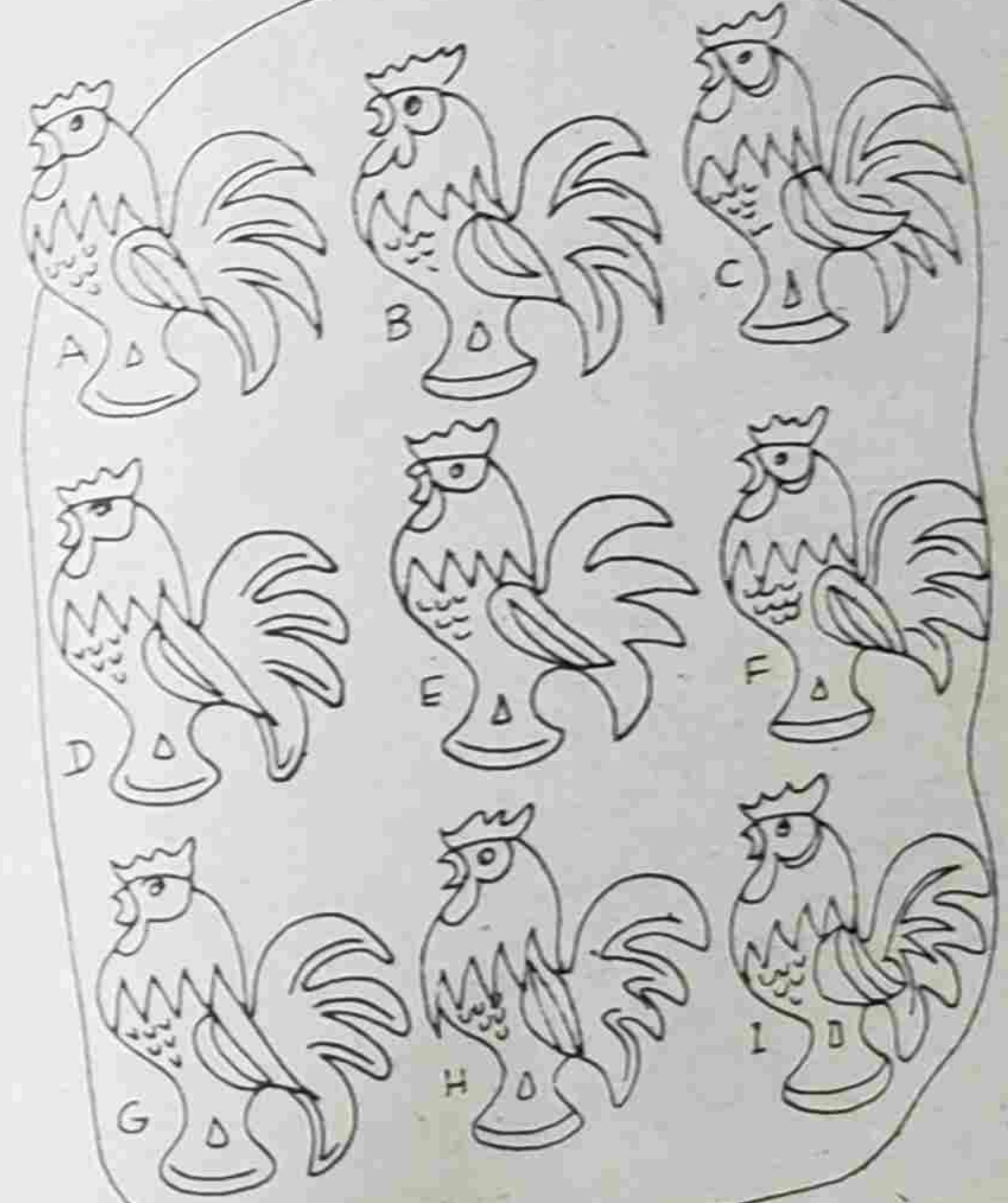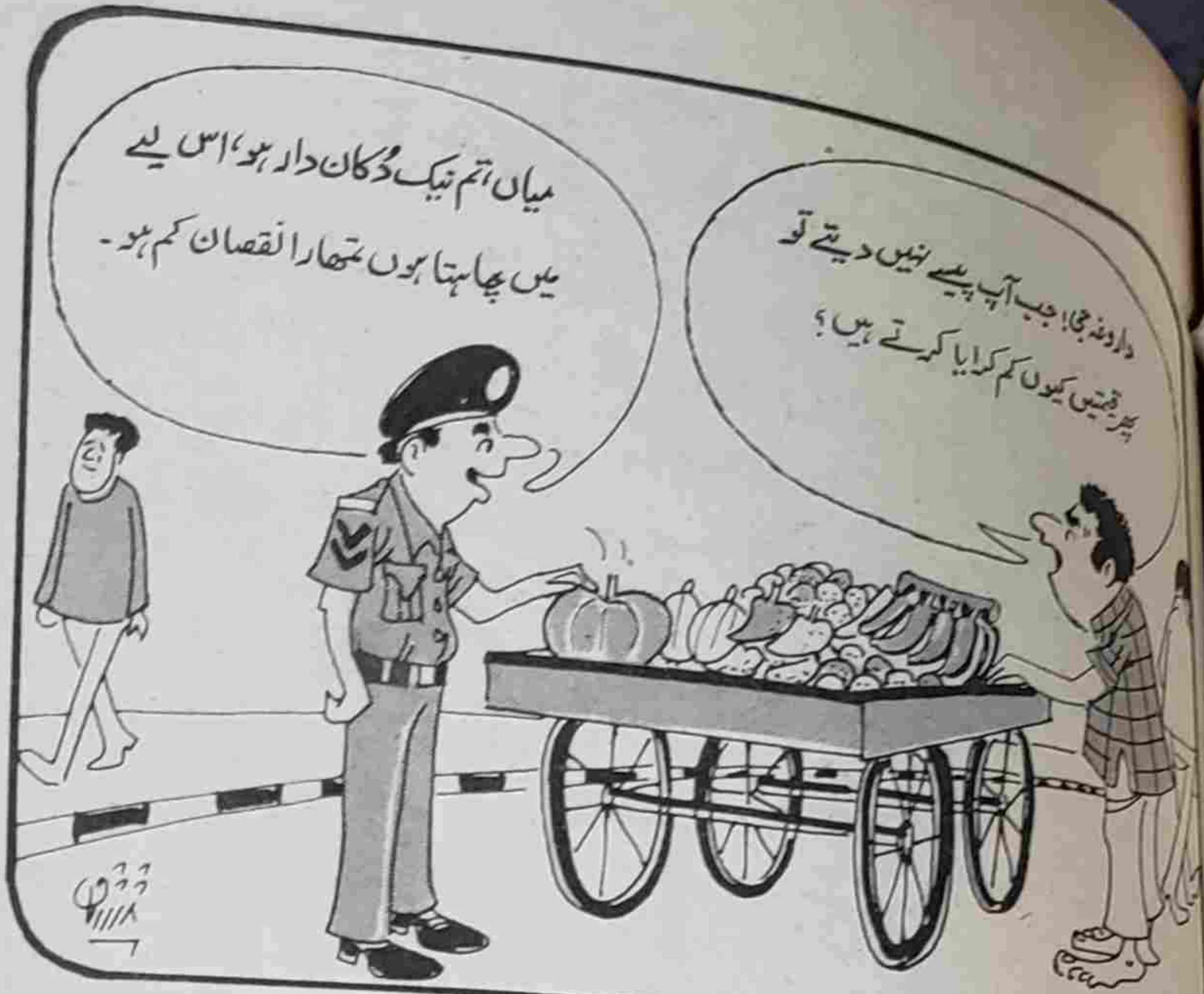
A B C D E F G H I

بوجھو تو جانیں

گرگٹ ایک عجیب و غریب جانور ہے۔ یہ جلدی جلدی رنگ بدل سکتا ہے۔ اسی لیے اردو میں "گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا" محاورہ بن گیا ہے۔ اس کی زبان لمبی اور اسپرنگ کی طرح لچک دار اور کھنچنے والی ہوتی ہے۔ مکھی کو پکڑنے کے لیے گرگٹ اپنی زبان کو منھ سے باہر نکال کر اپنی ناک کے آگے بڑھا لیتا ہے۔ یہ خاموش بیٹھ کر مکھی کے بیٹھنے کا انتظار کرتا ہے۔ نیچے جھاڑی میں مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ آپ کو کتنی مکھیاں نظر آ رہی ہیں۔

(جواب اگلے مہینے دیکھیے)
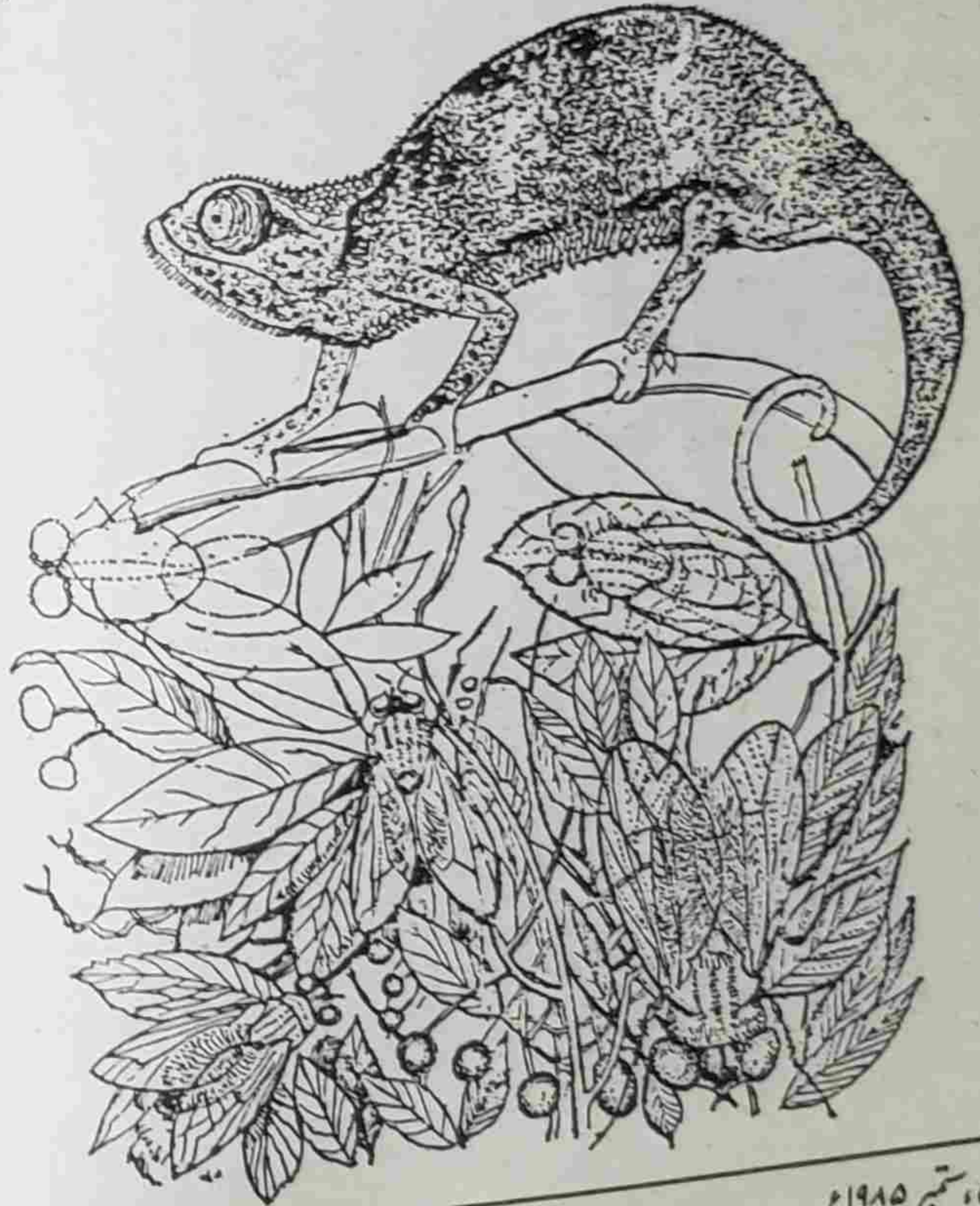
شیر خاں

مسعود احمد برکاتی
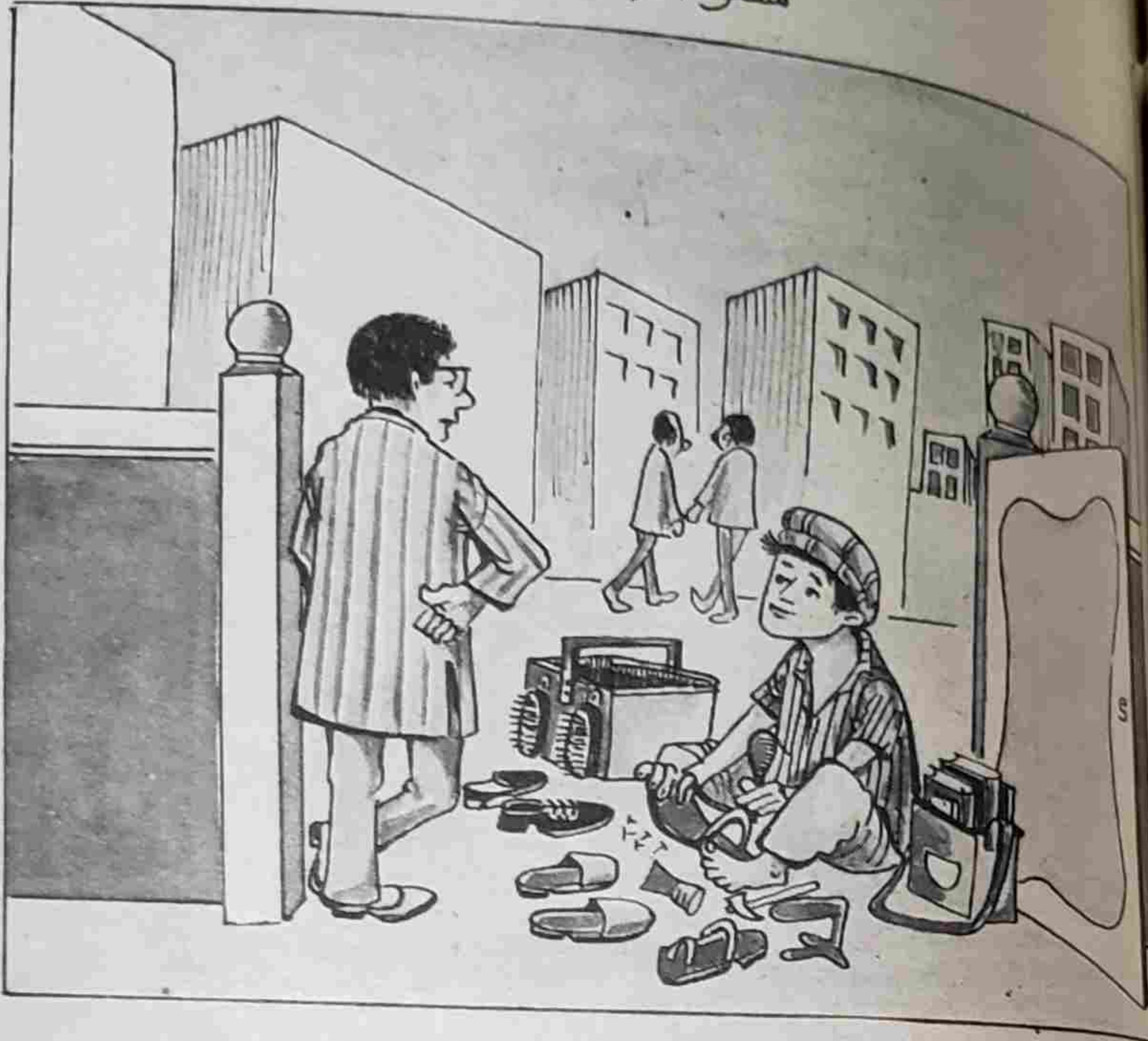
چپل سلائی!

یہ آواز کراچی کی گلیوں میں اکثر سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز جوتوں کی مرمّت کرنے والوں کی ہوتی ہے جو گھر گھر پھر کر ٹوٹی ہوئی چپلوں کی سلائی اور پھٹے ہوئے جوتوں کی مرمّت کرتے ہیں۔ ایک دن ایسی ہی آواز آئی۔ میری چپّل ٹوٹ گئی تھی۔ گھر سے باہر نکل کر آواز دینے والے کو روکا، چپل دی۔ اس نے منٹوں میں چپل ٹھیک کر کے مجھے واپس کر دی، میں نے چپل دیکھ کر اس کو بتایا کہ اس جگہ ایک ٹانکا اور لگے گا۔ اس نے بڑی خوش دلی سے وہاں بھی ٹانکا لگا دیا۔

یہ ایک لڑکا تھا۔ مشکل سے ۱۲، ۱۳ سال کا ہو گا۔ اس کا ہنس ہنس کر کام کرنا مجھے

بہت اچھا لگا۔ میں نے پوچھا، تمھارا نام کیا ہے؟ مسکراتے ہوئے بولا شیر خان۔

شیر خان! تم یہ کام کیوں کرتے ہو؟

کیوں؟ کیا ہم بُرائی کرتا ہے؟ کیا ہم چوری کرتا ہے؟

نہیں، تم تو بہت اچھا کام کرتے ہو۔ مگر کیا تمھارا باپ نہیں کماتا؟

کماتا ہے، ہم بھی کماتا ہے وہ بھی کماتا ہے۔

یہ تو بہت اچھی بات ہے۔

آں ہمارا گھر کا خرچہ بہت ہے، ۸ بہن بھائی ہیں، پھر ہمارا پڑائی (پڑھائی) کا خرچہ بھی ہے۔

اچھا تم پڑھتے بھی ہو؟

ہاں کیوں نئی پڑے گا۔

شاباش، کون سی کلاس میں پڑھتے ہو؟

پانچ کلاس میں پڑھتا ہے۔

پڑھنے کس وقت جاتے ہو؟

ہم صبح اسکول جاتا ہے، وہاں سے آکر روٹی کھاتا ہے، پھر مزدوری کرنے کو نکل جاتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس کی بغل میں ایک چھوٹا سا کتابوں کا بستہ بھی لٹکا ہوا تھا۔ میں نے کہا،

واہ وا، تم بڑے اچھے لڑکے ہو۔

یہ کہہ کر میں نے ایک رُپیہ اس کے ہاتھ پر رکھا، مگر میں سوچ رہا تھا کہ ایک رُپیہ کم تو نہیں ہے، لیکن اس نے تو مجھے اس میں سے بھی پچاس پیسے لوٹا دیے۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس سے کہوں پیسے واپس مت کرو، رُپیہ ہی رکھ لو، مگر شاید وہ قبول نہیں کرے گا۔ اس لیے میں نے اس سے پوچھا، تم پالش بھی کرنا جانتے ہو؟

آں، کیوں نئی۔

میں نے اندر سے اپنے جوتے لاکر اس کے سامنے رکھ دیے۔ میں اپنے جوتوں پر پالش خود کرتا ہوں، مگر اس وقت تو میں چاہتا تھا کہ وہ ابھی جائے نہیں اور میں اس سے کچھ

اور باتیں کروں۔ مجھے وہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ میں نے اس سے یہ کہا تو وہ بولا،

ہم چھوٹا آدمی ہے۔

ہاں ابھی تمھاری عمر کم ہے۔

ہم چھوٹی عمر کو نہیں بولتا، ہم بولتا ہے ہم چھوٹا آدمی ہے، غریب آدمی ہے، مزدوری کرنے والے کو کون اچھا کہتا ہے۔

شیر خان! محنت مزدوری کر کے کمانے والا غریب تو ہو سکتا ہے، لیکن وہ بہت بڑا آدمی ہوتا ہے۔ جو آدمی محنت نہیں کرتا وہ چھوٹا آدمی ہوتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی پیسے والا ہو۔

نئی سیٹھ، ہمارے ملک میں یہ سب باتیں نئی چلتا۔ لوگ محنت کدھر کرتا ہے۔ جو محنت کرتا ہے اس کا کوئی عزت نہیں کرتا۔

ہم تو عزت کرتے ہیں۔

کرتا ہوگا، سب تو نہیں کرتا۔

ہاں، سب عزت نہیں کرتے، لیکن کرنے لگیں گے۔

کب کرنے لگے گا؟

جب سب تمھاری طرح خود اپنی عزت کرنے لگیں گے۔

اپنی عزت کیسے کر سکتا ہے؟

ایسے کہ محنت کے کام سے شرمائے نہیں اور اپنی محنت سے زیادہ پیسے نہ لے۔ کام نہ کرنا یا خراب کرنا بھی چوری ہے اور محنت کے پورے پیسے نہ دینا بھی چوری ہے۔ شیر خان زور سے ہنسا اور بولا،

آں ہم تو دھوپ میں پھرتا ہے اور کام بھی خراب نہیں کرتا۔ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا ہے۔

ہاں، اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے، مگر خدا کرے سب ایسا ہی کرنے لگیں۔

آں دعا کرو۔ اچھا ہم چلتا ہے۔ ابھی تھوڑا پیسا اور کمانا ہے۔

وہ چلا گیا۔ میں سوچنے لگا، شیر خان میرے وطن کا شیر ہے۔

● ● ●

بلّی کی سواری

معراج

بہت دن گزرے ملک بوستان میں شاہ گلزار کی حکومت تھی۔ وہ بہت ہی انصاف پسند اور عادل بادشاہ تھا۔ رعایا بھی اپنے بادشاہ سے خوش تھی اور دل و جان سے اس کی اطاعت کا دم بھرتی تھی۔ پورے ملک میں صرف ایک لڑکی تھی بہت ضدّی اور سرکش، جو بادشاہ کے کسی حکم کی پروا نہیں کرتی تھی۔ یہ تھی شہزادی گلناز۔ شاہ گلزار نے حکم دے رکھا تھا کہ شہزادی محل کی سیڑھیوں پر نہیں کھیلے گی، لیکن شہزادی ایسی باتوں کی کب پروا کرتی تھی۔ اُسے جب بھی موقع ملتا وہ چپکے سے کھسک لیتی اور سیڑھیوں پر بیٹھ کر گیند سے کھیلنے لگتی۔ ایسے نافرمان بچّوں کو قدرت کی طرف سے ضرور سزا ملتی ہے۔ ایک دن یوں ہوا کہ شہزادی گلناز کا پاؤں پھسل گیا اور وہ لڑھکتی ہوئی سیڑھیوں سے نیچے آگری۔ وہ تو خیر گزری کہ اُسے زیادہ چوٹ نہیں آئی۔ ناز و نعم سے پلی ہوئی شہزادی کو معمولی سی چوٹ بھی برداشت نہ ہو سکی۔ اُس نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیا۔ سب ماماتیں، اصیلیں، مُغلانیاں شہزادی کی مدد کے لیے دوڑ پڑیں۔ کوئی دودھ کا کٹورا اُٹھائے لا رہی تھی۔ کسی کے ہاتھ میں روئی اور ریشمی پٹّیاں تھیں۔ کوئی کتھے چونے کی کلیا ہی اُٹھا لائی اور جن سے کچھ بھی نہ ہو سکا وہ دُور ہی دُور سے "اللہ کی امان"، "اللہ کی پناہ" کا غُل مچانے لگیں۔ محل میں موجود پانچ حکیم اور پانچ ڈاکٹر شہزادی کی دیکھ بھال کے لیے حاضر ہو گئے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود شہزادی کا درد کم نہیں ہوا۔

ایک بڑھیا مغلانی لاٹھی ٹیکتی ہوئی آئی اور شہزادی کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنی پوپلی آواز میں بولی:

میری چندا شہزادی، اگر آپ رونا بند کر دیں تو میں آپ کو ایک عجیب جانور لا کر دوں گی۔ ایسا جانور جس کی صورت بھولی بھالی ہے۔ اس کے منھ پر مونچھیں ہیں، لیکن وہ مرد نہیں ہے۔

اُس کی آنکھوں میں نیلم جڑے ہیں، لیکن اُنھیں کوئی چُرا نہیں سکتا۔

اس کی کھال میں بجلی ہے جو ہولے ہولے کڑکتی ہے، لیکن نہ کوئی کوندا لپکتا ہے اور نہ ... کڑکتا ہے۔

اس کے ہاتھ پاؤں میں مخمل کے دستانے ہیں، جو کبھی نہ میلے ہوتے ہیں اور نہ کبھی پرانے ہوتے ہیں۔

اس کے پاس تیز دھار کے سولہ چاقو ہیں جن سے کوئی چیز کاٹی نہیں جاسکتی۔

بڑھیا زور زور سے گانے لگی:

اُس سے رہنا دُور دُور، اس کا غصّہ ہے مشہور
جو اُس کو ہاتھ لگائے گا وہ زخمی ہو کر جائے گا

شہزادی حیران ہو کر بی مُغلانی کا منھ تکنے لگی۔ ابھی تک اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے

شہزادی کا پاؤں پھسل گیا اور وہ لڑھکتی ہوئی سیڑھی سے نیچے آگری۔

تھے، لیکن دوسری سب عورتیں خوشی سے مسکرانے لگیں۔

شہزادی گلناز نے کہا، "اماں بی، دنیا میں ایسا کوئی جانور موجود نہیں۔"

بی مغلانی بولی، "کیوں نہیں بٹیا، اگر بادشاہ سلامت میری ایک خواہش پوری کرنے کا
کریں تو میں اس جانور کو ابھی حاضر کر دوں گی۔"

یہ کہہ کر بوڑھی مغلانی چپکے سے کھسک لی۔ شہزادی وہیں سیڑھیوں پر بیٹھی سوچتی رہی کہ
کون سا جانور ہو سکتا ہے؟ جب وہ سوچتے سوچتے تھک گئی تو پھر چیخ چیخ کر رونے لگی۔
لوگوں نے شہزادی کو بہلانے کی کوشش کی، لیکن وہ چپ نہ ہوئی۔ شہزادی نے یہی رٹ لگا رکھی
تھی کہ ہمیں بی مغلانی کا جانور لا کر دیں، تب ہم چپ ہوں گے۔

بادشاہ کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے حکم دیا کہ بی مغلانی کو فوراً حاضر کیا جائے، لیکن
تو ایسی غائب ہو گئی تھی کہ جیسے اسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔

آخر شاہ گلزار نے دربار لگایا۔ اس نے اپنے عقل مند وزیروں سے پوچھا، وہ کون سا جانور
ہے جس کی آنکھوں میں نیلم جڑے ہیں۔ کھال میں بجلی بھری ہوئی ہے۔ ہاتھ اور پاؤں میں
مخمل کے دستانے ہیں اور اس کے پاس سولہ تیز دھار والے چاقو ہیں۔

سب درباری بغلیں جھانکنے لگے۔ کوئی بھی اس پہیلی کو بوجھ نہ سکا۔ آخر وزیر اعظم نے
کھڑے ہو کر کہا، "عالی جاہ، ہمارے خیال میں دنیا میں ایسا کوئی جانور موجود نہیں ہے۔"

شاہ گلزار نے کہا، "ایسا جانور ضرور موجود ہے اور اس کا نام صرف بی مغلانی کو معلوم ہے۔"

بادشاہ نے بی مغلانی کی تلاش میں ہرکارے دوڑا دیے۔ بہت تلاش کے بعد ایک ہرکارے
نے بوڑھی مغلانی کو ڈھونڈ لیا۔ اس نے کہا، "بی اماں، بادشاہ سلامت اس جانور کا نام معلوم
کرنا چاہتے ہیں۔"

بی مغلانی بولی، "سرکار کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور کہنا، میں اس جانور کو
ان کی خدمت میں اس وقت پیش کروں گی جب وہ میری ایک چھوٹی سی شرط پوری کریں
گے۔" ہرکارے نے پوچھا، "بی اماں، وہ شرط کیا ہے؟"

بی مغلانی بولی، "دودھ سے زیادہ دودھیا، چاندی سے زیادہ چمکیلے بادشاہ کے تاج تلے
جتنے تار سمائیں، اتنی ہی اشرفیاں مجھے عطا فرمائیں۔"

ہرکارہ بجلی کی سی تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا محل میں پہنچا۔ اس نے بی مغلانی کی شرط
سنائی۔ شاہ گلزار داڑھی میں انگلیاں پھیرتا ہوا بولا، "میرے تاج تلے کتنے تار سما سکتے ہیں؟
بیس، پچیس یا تیس؟ بی مغلانی سے کہنا کہ مجھے یہ شرط منظور ہے۔ میں خدا کو حاضر و
ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں یہ شرط ضرور پوری کروں گا۔"

ہرکارہ تیز رفتاری سے گھوڑا دوڑاتا ہوا بی مغلانی کے پاس واپس پہنچا۔ اس نے کہا،
"بی اماں، بادشاہ کو آپ کی شرط منظور ہے۔"

بی مغلانی دربار میں پہنچی۔ اس کے پاس ایک ٹوکری تھی جس کے منہ پر کپڑا بندھا ہوا
تھا۔ شاہ گلزار، اس کی بوڑھی ماں، شہزادی گلناز، سب وزیر اور درباری بہت بے تابی سے
بی مغلانی کا انتظار کر رہے تھے۔ شاہ گلزار تو تخت سے نیچے اتر آیا، تاکہ جانور کو اچھی طرح
دیکھ سکے۔ آخر بی مغلانی نے ٹوکری کے منہ سے کپڑا ہٹایا۔ ایک بلّی ٹوکری کے منہ سے باہر
نکلی اور تخت پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

شاہ گلزار نے جھنجھلا کر کہا، "بی مغلانی تم نے ہمیں دھوکا دیا، یہ تو ایک عام سی بلّی ہے۔"

بی مغلانی ہاتھ جوڑ کر بولی، "عالی جاہ، میری کیا مجال کہ میں آپ کو دھوکا دوں۔ سرکار
ادھر دیکھیے۔" بی مغلانی نے بلّی کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا جو نیلم کی طرح چمک رہی تھیں۔
"دیکھیے عالی جاہ، یہ ہیں وہ نیلم کی آنکھیں جنھیں کوئی چرا نہیں سکتا۔ حضور، دیکھیے اس
کی لمبی لمبی مونچھیں ہیں، لیکن یہ آدمی نہیں ہے۔"

شاہ گلزار نے کہا، "تم نے کہا تھا کہ اس کی کھال میں بجلی بھری ہے۔"

مغلانی بولی، "سرکار، آپ ذرا دیکھتے جائیے۔"

یہ کہہ کر بی مغلانی بلّی کی کھال سے آبنوس کی چھڑی رگڑنے لگی۔ بالوں میں سے چڑ چڑ
کی آواز نکلنے لگی۔ مغلانی بولی، "آپ نے سنا سرکار، یہ بجلی کی آواز ہے۔ نہ تو کوئی کوندا لپکا
اور نہ کوئی شعلہ نکلا۔"

سب لوگ بہت دل چسپی سے بڑھیا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ پھر بولی، "سرکار، اس
کے پنجے ملاحظہ فرمائیے اس کے نیچے مخمل جیسی نرم اور ملائم گدیاں ہیں جو کبھی پرانی نہ
ہوں گی۔"

شاہ گلزار بولا، "چلو میں یہ سب تسلیم کرتا ہوں، لیکن اس کے پاس سولہ چاقو کہاں ہیں؟" مغلانی جھٹ سے بولی، "کیوں نہیں عالی جاہ؟ اس کے ہر پنجے میں چار چار ناخن موجود ہیں جو چاقو سے زیادہ تیز دھار رکھتے ہیں۔ گن کر دیکھ لیجیے کہ پورے سولہ ہیں یا نہیں؟"

بادشاہ نے اشارے سے ایک وزیر کو قریب بلایا اور ناخن گننے کا حکم دیا۔ وزیر نے جھک کر بلّی کا اگلا پنجہ اپنے ہاتھ میں پکڑا اور ناخن گننے لگا ہی تھا کہ بلّی نے غرّا کر پنجہ مارا۔ وزیر کی آنکھ کے ذرا نیچے گال پر گہرا زخم آیا۔ اس نے گھبرا کر پنجہ چھوڑ دیا اور گال سہلاتے ہوئے بولا "عالی جاہ، آپ کے خادم کی نظر بہت کم زور ہے اور اب تو مجھے ہر طرف تیز دھار والے چاقو دکھائی دے رہے ہیں۔"

بادشاہ نے میر منشی کو حکم دیا۔ میر منشی نے بلّی کے پنجے اپنے ہاتھ میں پکڑے اور ناخن گننے لگا۔ بلّی نے اس کی بھی خبر لے ڈالی۔ اس نے بھی گھبرا کر پنجہ چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر خون کی دھاریاں بہنے لگیں۔ میر منشی نے کہا، "سرکار، بلّی کے پچھلے دونوں پنجوں میں کُل آٹھ ناخن ہیں۔ حضور، بس میں اتنے ہی گن سکا ہوں۔"

اب بادشاہ نے داروغہ کو حکم دیا۔ اس نے بلّی کا پنجہ ہاتھ میں پکڑا اور گننے لگا۔ بلّی نے اسے بھی پنجے مارے، لیکن داروغہ نے ہمّت نہ ہاری۔ جب وہ گن چکا تب وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور بولا "عالی جاہ، یہ سچ ہے کہ بلّی کے سولہ ناخن ہوتے ہیں۔ میں نے اگلے پنجوں کے آٹھ ناخن گن لیے ہیں۔"

اس کوشش میں داروغہ کے چہرے پر بہت سی خراشیں آئیں۔ دو تین زخم تو بہت گہرے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے کسی نے تیز چاقو سے چہرے کو کھُرچ دیا ہو۔ شاہ گلزار دل میں سوچنے لگا کہ اب مجھے شرط کے مطابق اس مکّار بڑھیا کو اشرفیاں دینی ہی پڑیں گی۔ خیر میں بھی ایسی چال چلوں گا کہ یہ بڑھیا دیکھتی ہی رہ جائے گی۔

اس نے ایک بہت ہی چھوٹا سا تاج منگوایا اور اس کے نیچے چاندی کے موٹے موٹے تار رکھ دیے۔ تاج کے نیچے کُل پندرہ تار ہی سما سکے۔ بادشاہ قہقہہ لگا کر بولا "یہ ہے تمھاری مکّاری کا جواب۔ یہ لو پندرہ اشرفیاں اور اپنی راہ لو۔"

بی مغلانی سر ہلا کر بولی "عالی جاہ، بادشاہوں کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔"

شاہ گلزار نے حیران ہو کر کہا، "میں تمھاری بات کا مطلب سمجھا نہیں۔"

بی مغلانی بولی، "عالم پناہ، آپ نے وعدہ کیا ہے کہ دودھ سے زیادہ دودھیا اور چاندی سے زیادہ چمکیلے، شاہی تاج کے نیچے جتنے تار سمائیں، اتنی ہی اشرفیاں مجھے عطا فرمائیں۔"

شاہ گلزار نے کہا، "بالکل ٹھیک یہی ہمارا وعدہ ہے اور ہم اپنے وعدے پر قائم ہیں، لیکن بی مغلانی، تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ ہم تمھاری بات کا مطلب نہیں سمجھے۔"

بی مغلانی نے بادشاہ کی ماں کے سفید بالوں کی طرف اشارہ کر کے کہا، "ملاحظہ فرمائیے سرکار، یہ ہیں وہ دودھ سے زیادہ دودھیا اور چاندی سے زیادہ چمکیلے تار۔"

بی مغلانی شاہ گلزار کی ماں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی اور ادب سے بولی، "ملکہ حضور، کیا غلط کہا ہے میں نے؟"

بوڑھی ملکہ نے کہا، "تم ٹھیک کہتی ہو مغلانی، محاورے میں سفید بالوں کو چاندی کے

بی مغلانی نے ٹوکری سے کپڑا جو ہٹایا تو ایک بلّی ٹوکری سے باہر نکلی اور تخت پر بیٹھ گئی۔

تاروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔"

بی مغلانی نے دونوں ہاتھوں سے تاج کو اٹھایا اور آہستہ سے ملکہ کے سر پر رکھ دیا۔ پھر وہ شاہ گلزار سے بولی، "سرکار، خدا آپ کا اقبال بلند کرے اور آپ کو حضرت خضرؑ کی عمر عطا فرمائے، ملکہ حضور کے تاج کے نیچے جتنے بال ہیں، اتنی ہی اشرفیاں آپ مجھے دلوائیے۔"

شاہ گلزار ہکّا بکّا ہو کر بی مغلانی کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ مسکرا کر بولا، "بی مغلانی! تم شیطان کی خالہ اور آفت کی پرکالا ہو۔ خدا کسی کا تم سے پالا نہ ڈالے۔"

شاہ گلزار کو اپنا وعدہ پورا کرنا پڑا۔ اُس نے اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ وہ گن کر بتائے کہ ملکہ کے تاج کے نیچے کتنے بال ہیں؟

خزانچی بال گننے لگا۔ بادشاہ کی بوڑھی ماں بہت آرام سے بیٹھی رہی۔ وہ بوڑھی عورت تھی اور بڑھاپے میں نیند کچھ زیادہ ہی آتی ہے۔ اس پر غنودگی طاری ہو گئی اور وہ جلد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔ جب وہ سو رہی تھی، خزانچی اپنے کام میں برابر مصروف رہا۔ جب وہ پورے ایک ہزار گن چکا تو اس نے زور سے جھٹکا دیا۔ ملکہ کی آنکھ کُھل گئی۔ اس نے کہا، "تم نے مجھے کیوں جگا دیا؟ میں ابھی ایک عجیب خواب دیکھ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ آئندہ ہونے والا بادشاہ ہمارے ملک میں داخل ہو گیا ہے۔"

بوڑھی مغلانی حیرت سے اُچھل کر بولی، "کتنی عجیب بات ہے، آج ہی میرا پوتا دوسرے ملک سے ہمارے ساتھ رہنے کے لیے آیا ہے۔"

شاہ گلزار نے اپنی والدہ سے پوچھا، "پیاری اماں جان، یہ بادشاہ کون سے ملک سے آئے گا؟"

بوڑھی ملکہ نے کہا، "میں یہ نہیں جانتی کیوں کہ تم نے مجھے جگا دیا۔"

خزانچی بال گننے میں مصروف تھا۔ بوڑھی ملکہ پھر نیند کی آغوش میں پہنچ گئی۔ جب خزانچی دو ہزار گن چکا تو اس نے زور سے جھٹکا دیا۔ بوڑھی ملکہ کی آنکھ کُھل گئی۔ اُس نے کہا، "تم نے مجھے پھر جگا دیا۔ میں خواب دیکھ رہی تھی کہ آئندہ ہونے والا بادشاہ بلّی پر سوار ہو کر محل میں داخل ہوا ہے۔"

بادشاہ حیران ہو کر بولا، "اماں، تم کیسی باتیں کرتی ہو؟ میں نے تو کبھی نہیں سُنا کہ کوئی بادشاہ

بلّی پر سوار ہو کر محل میں داخل ہوا ہو۔"

بوڑھی ملکہ بولی، "بیٹا، یوں ہی ہو گا، لیکن تم لوگ مجھے سونے کیوں نہیں دیتے؟" یہ کہہ کر ملکہ نے آنکھیں بند کر لیں اور سونے لگی۔ خزانچی اس عرصے میں بال گنتا رہا۔ جب وہ گنتی پورے تین ہزار تک پہنچ چکی تھی خزانچی نے بالوں کو آہستہ سے جھٹکا دیا۔ ملکہ کی آنکھ کُھل گئی۔ اس نے ناراض ہو کر کہا، "تم لوگ بہت بدتمیز اور نالائق ہو۔ خدا تم لوگوں سے سمجھے۔ تم نے میری نیند خراب کر دی۔ میں ابھی خواب میں دیکھ رہی تھی کہ ایک جھونپڑی نے ہمارا محل نگل لیا ہے۔"

شاہ گلزار نے کہا، "امّی جان، یہ بات تو کبھی سچ ہو ہی نہیں سکتی۔ بھلا ایک جھونپڑی کے اندر پورا محل کیوں کر سما سکتا ہے؟"

بوڑھی ملکہ بولی، "میرا خواب قدرت کی طرف سے اشارہ ہے۔ تمھیں کیا معلوم ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے؟"

بی مغلانی بولی، "جہاں پناہ، ملکہ حضور کی بات سچ ہے۔ میرے مرحوم والد کاشغر کے حاکم تھے۔ ایک نجومی نے پیش گوئی کی تھی کہ ایک مرغ پورے شہر کو نگل جائے گا۔ خدا مرحوم ابا جان کو جنّت نصیب فرمائے وہ یہ پیش گوئی سُن کر خوب ہنسے اور نجومی کا بہت مذاق اُڑایا۔"

شاہ گلزار نے حیران ہو کر پوچھا، "کیا نجومی کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی؟"

بی مغلانی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے دوپٹے سے ان آنسوؤں کو پونچھا اور بولی، "جی ہاں سرکار، ایک لال مرغ یعنی آگ کے شعلے نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کاشغر کا خوب صورت شہر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ ابا جان پر اس حادثے کا گہرا اثر ہوا۔ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ وہ بار بار یہی کہتے رہتے کہ ایک مرغ نے پورے شہر کو نگل لیا۔ اس واقعے کو یاد کر کے بوڑھی مغلانی رونے لگی۔ ملکہ نے مغلانی کو سینے سے لگا کر کہا، "نہ رو ماما، ورنہ میں بھی تمھارے ساتھ رونے لگوں گی۔"

بادشاہ خود بھی بے حد افسردہ ہو گیا تھا۔ ماحول کی افسردگی دُور کرنے کے لیے خزانچی اشرفیوں کو کھنکھنا کر ڈھیری بنانے لگا۔ وہ زور زور سے گن کر سکّے ڈھیری پر پھینکتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پورے تین ہزار ہو گئے۔

بادشاہ نے کہا، "بی مغلانی، یہ رقم سنبھالو اور اپنی راہ لو۔ تم نے ہمیں خوب بے وقوف بنایا ہے۔ تمھیں اللہ سمجھے!"

بوڑھی مغلانی مسکرائی، سب لوگ مسکرانے لگے۔ وہ اپنا پوپلا منھ کھول کر ہنسنے لگی۔ اسے دیکھ کر سب لوگ قہقہے لگانے لگے۔

بی مغلانی نے سب اشرفیاں سمیٹ کر چادر میں باندھیں۔ یہ گٹھڑی اتنی بھاری تھی کہ اسے چار غلاموں نے مل کر اُٹھایا۔ بی مغلانی نے بادشاہ کی ماں کے ہاتھ چومے، بادشاہ کو جھک کر سات بار سلام کیا، پھر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا، لیکن اسے بلّی کہیں نظر نہیں آئی۔ اس نے زور زور سے آوازیں دیں:

"سُوسن! سُوسن!"

اسے تخت کے نیچے دو ننھے منّے پاؤں دکھائی دیے۔ وہ دبے پاؤں تخت کے پیچھے پہنچی۔ وہاں شہزادی ہر بات سے بے خبر گہری نیند سو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سوسن آنکھیں موندے لیٹی ہوئی تھی۔

مغلانی نے دونوں کو دُور ہی دور سے پیار کیا۔ سب کو خدا حافظ کہا اور خوش خوش اپنے گھر کو چلی۔ وہ خوش تھی، کیوں کہ وہ تین ہزار اشرفیاں اپنے ساتھ لے جا رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ اب سوسن شہزادی کے ساتھ رہے گی۔ وہ اس لیے بھی خوش تھی کہ دوسرے ملک سے اس کا پوتا اس کے ساتھ رہنے کے لیے آیا تھا۔

بلّی کا نام سوسن تھا، لیکن شہزادی اُسے پیار سے بٹّی ٹابی، ٹوٹی فروٹی، امرتی بانو، جام جیلی اور ٹافی جیسے پیارے ناموں سے بُلاتی۔ شہزادی کو بلّی بہت ہی پیاری تھی۔ صبح سویرے جب شہزادی کی آنکھ کھلتی تو سوسُو اس کے سرہانے بیٹھی ہوتی۔ وہ دھیمے دھیمے خرخراتی اور یوں لگتا کہ جیسے وہ گنگنا رہی ہو۔ شہزادی اپنا ہاتھ منھ دھوتی۔ بلّی بھی اپنی زبان اور پنجوں سے اپنے جسم کو صاف کرتی۔ شہزادی تو کھیل کود میں مصروف ہو جاتی۔ بلّی بادشاہ کے تخت پر سمٹ سمٹا کر بیٹھ جاتی۔ وہ آنکھیں موند لیتی اور اپنے بھانجے شیر خان اور خاندان کے دوسرے لوگوں کے متعلق سوچنے لگتی۔ اسے سوتا ہوا دیکھ کر جوں ہی کوئی چوہا بل سے سر باہر نکالتا سوسُن ایک ہی چھلانگ میں اسے دبوچ لیتی اور تخت کے نیچے گُھس کر اس کا تیاپانچا کرنے میں لگ جاتی۔

ایک دن بادشاہ ایک مقدمے کا فیصلہ کرنے میں مصروف تھا۔ دونوں فریق بہت ہی معزز لوگ تھے۔ شاہی تخت کے سامنے کھڑے ہو کر دونوں لڑنے جھگڑنے لگے۔ ہر ایک یہی سمجھتا تھا کہ وہ سچّا ہے اور دوسرا شخص جھوٹا۔ جب یہ بحث ومباحثہ جاری تھا، سوسن نے ایک چوہا شکار کیا اور تخت کے سامنے چوہا رکھ کر درباریوں کی طرف داد طلب نظروں سے دیکھنے لگی۔ ایک نے تو بلّی کی طرف دیکھا تک نہیں، دوسرے شخص نے جلدی سے جُھک کر بلّی کی کمر پر تھپکی دی۔ شاہ گلزار نے اپنے دل میں سوچا کہ جو شخص جانوروں تک سے پیار کرتا ہے وہ ضرور اچھا آدمی ہے۔ بادشاہ نے فیصلہ اس کے حق میں دے دیا۔ بعد میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ آدمی سچا تھا۔

بادشاہ نے دو کتّے پال رکھے تھے۔ ایک کا نام ڈبّو تھا، دوسرے کا بھونکو۔ ایک دن انھوں نے سوسن کو دہلیز میں دیکھ لیا۔ انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں انھوں نے ایک دوسرے کو بتایا کہ یہ کوئی اور ہی مخلوق ہے۔ انھوں نے چپکے ہی چپکے یہ سازش تیار کی کہ وہ دونوں اچانک ہی سوسن پر جھپٹ کر اس کی تکّا بوٹی کر ڈالیں۔ چناں چہ وہ دونوں سوسن پر جھپٹے، لیکن سوسن بھی غافل نہیں تھی۔ وہ پیچھے ہٹ کر دیوار سے جا لگی۔ اس کا ایک ایک رواں کھڑا ہو گیا۔ دُم پھول کر جھاڑو کی طرح ہو گئی۔ اگر ڈبّو اور بھونکو میں ذرا بھی عقل ہوتی تو وہ سمجھ جاتے کہ جب بلّی کے بال کھڑے ہوں تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے، لیکن وہ تو عقل سے کورے تھے، نرے بدّھو، احمق کے احمق۔ ڈبو آگے بڑھا اور سوسن کو سونگھ سونگھ کر دیکھنے لگا۔ بلّی نے اسے ایسے پنجہ مارا کہ ڈبّو کی چیخ نکل گئی۔ وہ دُم دبا کر بھاگا اور اس نے ایک گھنٹے تک رُکنے کا نام نہیں لیا۔ بے چارا ڈر کے مارے دس بارہ دن تک تھر تھر کانپتا رہا۔

بھونکو نے جب یہ ماجرا دیکھا تو وہ بھی ڈرا۔ اس نے دل میں سوچا کہ ذرا بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اس نے ڈانٹ کر کہا، "او بدبخت خبردار، میرے ساتھ کوئی چال بازی نہ کرنا ورنہ میں تمھیں مزہ چکھا دوں گا۔ میرا نام بھونکو ہے بھونکو۔ سمجھی؟ جب میں بھونکتا ہوں تو چاند بھی پتّے کی طرح کانپنے لگتا ہے!"

اپنی بات کے ثبوت میں بھونکو نے بھونکنا شروع کیا۔ وہ اس زور سے بھونکا کہ دُور دُور

تک کھڑکیوں کے شیشے چکنا چور ہو گئے۔

بلّی بے زاری سے بولی، "ٹھیک ہے کہ تمھیں بھونکنا آتا ہے۔ جب تم خر خر کرتی ہو تو بڑے بڑوں کا
دہشت کے مارے پتا پانی ہو جاتا ہے۔" یہ کہہ کر بلّی نے خر خر کرنا شروع کیا۔ بھونکو ڈر کے
مارے اچھل پڑا۔

بھونکو تیوری چڑھا کر بولا، "خر خرانا بھی کوئی بہادری کا کام ہے بھلا؟ ادھر دیکھو میں کتنی
تیزی سے دوڑتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اس تیزی سے میدان میں دوڑنے لگا کہ اسے دیکھ کر بلّی کو خوب ہنسی آگئی۔ وہ
منھ بنا کر بولی، "اچھا میں اب سمجھی تم مجھ سے ڈر کر اتنی تیزی سے بھاگتے ہو۔ اگر کوئی
طاقت ور جانور مجھ پر حملہ کرے تو میں اس طرح اپنا بچاؤ کروں گی۔"

اس نے دو تین چھلانگیں لگائیں اور وہ درخت کی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھی۔
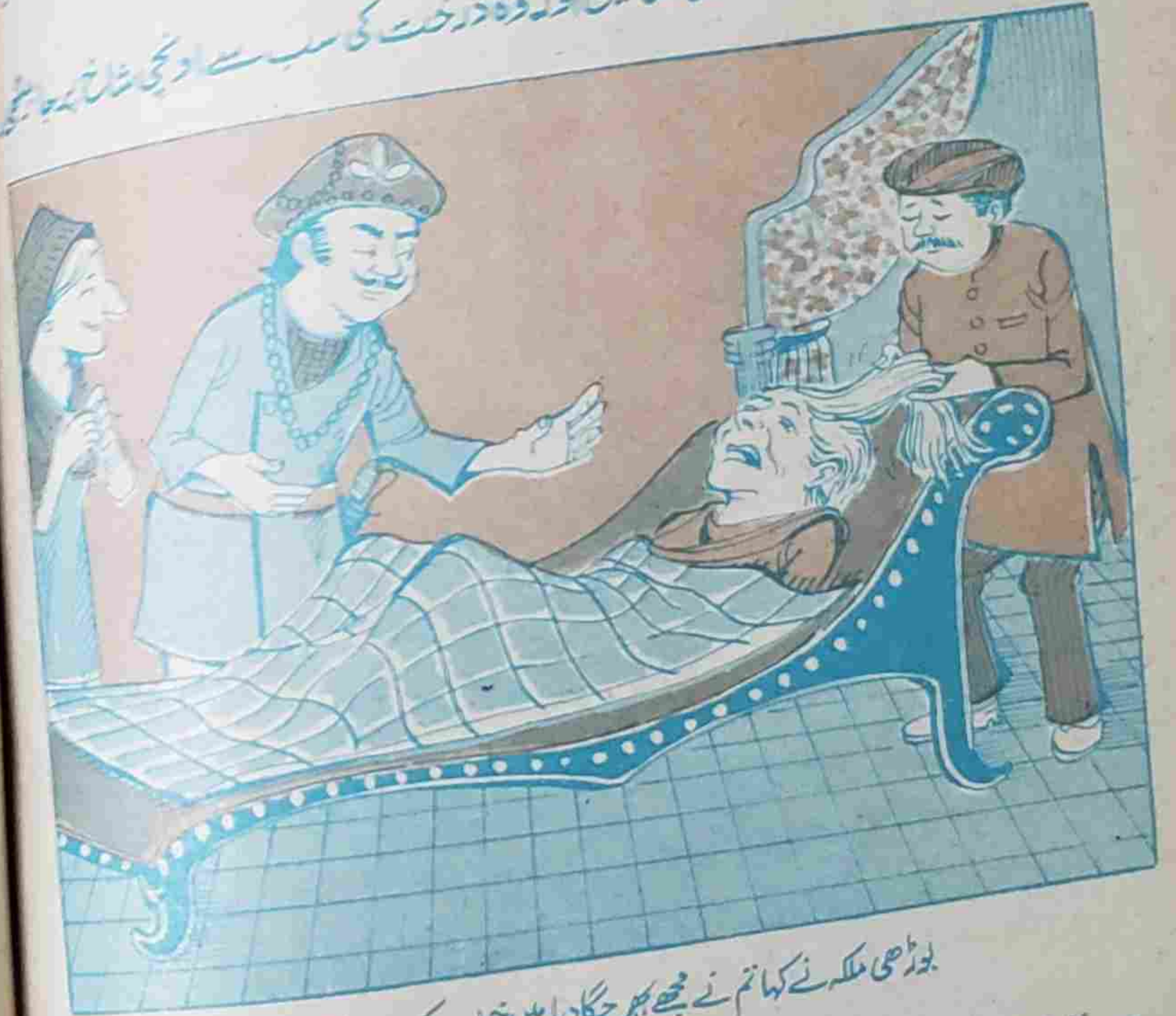
بوڑھی ملکہ نے کہا تم نے مجھے پھر جگا دیا میں خواب دیکھ رہی تھی۔

بھونکو نے جب سر اٹھا کر اُسے دیکھا تو چکرا کر رہ گیا۔ جب اس کے حواس بحال ہوئے تو وہ بولا
"کودنا پھاندنا تو بچوں کا کام ہے۔ میں صرف سونگھ کر بتا سکتا ہوں کہ محل کے باورچی خانے میں
اس وقت مرغ بھونا جا رہا ہے۔"

بلّی نے سونگھنے کی بہت کوشش کی، لیکن اسے کچھ بھی تو خوش بو نہ آئی۔ وہ منھ بنا کر
بولی، "یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں دور دور کی آواز بالکل صاف سن سکتی ہوں۔ ارے بوڑھی ملکہ کے
ہاتھ سے سوئی چھوٹ کر فرش پر گر پڑی۔ اوہو، یہ کھانے کی گھنٹی بج رہی ہے۔ سب لوگ
کھانے کے کمرے میں جمع ہونا شروع ہو گئے ہیں۔"

اب بھونکو کے حیران ہونے کی باری تھی۔ وہ بار بار کان لگا کر سنتا، لیکن اسے کوئی آواز
سنائی نہ دی۔ اس نے جھینپ مٹانے کے لیے کہا، "اچھا اب ڈرو نہیں، نیچے اُتر آؤ۔ میں تم پر
نہیں بھونکوں گا۔"

سوسن جھٹ سے بولی، "میں تم سے کیوں ڈرنے لگی؟ تم اوپر آ جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں
کہ میں تمھیں پنجہ نہیں ماروں گی۔"

بھونکو کھسیانا ہو کر بولا، "ہم اپنے دوستوں کو دیکھ کر یوں دُم ہلاتے ہیں۔ اگر تم دوستی
کرنا چاہتی ہو تو میری طرح دُم ہلا کر دکھاؤ۔" بھونکو دُم ہلانے لگا۔ سوسن نے دُم ہلانے کی
کوشش کی، لیکن وہ کام یاب نہ ہو سکی۔

خدا نے دُم ہلانے کی صلاحیت صرف کتّوں کو بخشی ہے۔ سوسن اپنا بھرم قائم رکھنے کے
لیے درخت سے نیچے اُتر آئی اور بھونکو کے پاس جا کر بولی، "ہم بلّیاں خوش ہو کر یوں خُرررر
خُرررر کرتی ہیں۔ ذرا تم بھی کوشش کر کے دیکھو۔"

بھونکو نے خررررر کرنے کی کوشش کی، لیکن خدا کی پناہ! اس کے منھ سے ایسی زوردار
غُراہٹ نکلی کہ وہ خود بھی ڈر گیا۔ وہ جھینپ مٹانے کے لیے بولا، "آؤ ہم دروازے پر چلیں
اور آنے جانے والوں پر بھونکیں۔ سچ مچ بہت مزہ آتا ہے۔"

سوسن بولی، "بھئی مجھے تو معاف ہی رکھو۔ مجھے تو اس میں مزہ آتا ہے کہ میں قلعے کی
سب سے اونچی دیوار پر چڑھ کر بیٹھ جاؤں اور آنے جانے والوں کو دیکھتی رہوں۔"

بھونکو بے زاری سے بولا، "بھئی اتنی اونچائی سے نیچے کی طرف دیکھ کر مجھے چکر آنے

لگتے ہیں۔ ذرا پاؤں پھسل جائے تو ہڈی بوٹی ایک ہو جائے گی۔ اس سے بہتر تو یہ ہے
کہ ہم میدان میں چلیں اور خرگوش کا شکار کریں۔"

سوسن بولی، "بھئی تم تو ہو لمڈھینگ۔ میری اتنی لمبی لمبی ٹانگیں نہیں ہیں کہ میں
بھاگ دوڑ کر سکوں۔ اگر تم پسند کرو تو میرے ساتھ چلو۔ ہم درخت پر چڑھ کر چڑیا کے
بچے نکال نکال کر کھائیں گے۔"

بھونکو مایوس ہو کر بولا، "سوسن، میری بات سنو۔ نہ تم کتا بن سکتی ہوں نہ میں بلی
بن سکتا ہوں۔ ہاں مگر ہم اچھے دوست بن کر ضرور رہ سکتے ہیں۔" وہ دونوں ایک دوسرے
کے پکے دوست بن گئے۔ دونوں کو ایک دوسرے کے بغیر چین نہ آتا۔

ایک دفعہ رات کے وقت سخت اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بھونکو اپنے تازی خانے میں
سو رہا تھا۔ وہ خواب میں کسی خرگوش کا پیچھا کر رہا تھا کہ کسی نے اس کی ناک پر تھپکی
دی۔ بھونکو اُچھل پڑا، "کون ہے؟ کیا بات ہے؟"

"شش۔" بلی نے آہستہ سے سرگوشی کی، "چپ رہو۔ شور مت کرو۔"

کتے نے آواز پہچان لی۔ سوسن اندھیرے میں اور بھی زیادہ کالی نظر آ رہی تھی۔ اس
کی آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں۔ اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا، "میں محل کے
کنگرے پر بیٹھی ہوئی تھی کہ مجھے باغیچے میں کسی اجنبی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔"

بھونکو نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ بلی نے دبی دبی آواز میں اسے ڈانٹا۔
"چُپ، خاموش۔ وہ ضرور کوئی چور ہے۔ تم نے شور مچایا تو وہ بھاگ نکلے گا۔"

بھونکو کی آنکھیں مسرت سے چمکنے لگیں۔ وہ غرّا کر بولا، "بھاؤ واؤ۔ جلدی سے آؤ۔
ہم ابھی اس کی گردن دبوچ لیتے ہیں۔"

وہ دونوں باغ کی طرف دوڑے۔ رات اندھیری تھی۔ بھونکو آگے آگے چلنا چاہتا تھا،
اندھیرے کی وجہ سے اسے راستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔ وہ دو چار قدم چل کر ٹھہر گیا۔ اس نے
کہا، "سوسن، مجھے تو کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔"

سوسن بولی، "میں رات کے وقت بھی نہایت اچھی طرح دیکھ سکتی ہوں۔ میں آگے آگے چلتی
ہوں۔ تم میری بُو سونگھ کر پیچھے چلتے آؤ۔"

یوں وہ دونوں چلنے لگے۔ ابھی وہ تھوڑی دُور ہی گئے ہوں گے کہ بھونکو آہستہ سے بولا،
"مجھے کسی اجنبی کے قدموں کی بُو محسوس ہو رہی ہے۔" وہ بُو سونگھتا ہوا تیزی سے آگے
بڑھنے لگا۔ اس نے سوسن کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے اسے ہر چیز صاف نظر
آ رہی ہے۔ سوسن نے پکار کر کہا، "چور تمھارے آگے ہی تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہے۔"

کتے نے بھی چور کو دیکھ لیا، "ہاہاہا۔ اب کہاں جاؤ گے بچ کر؟ بھاؤ، بھاؤن، بھاگنا مت،
ورنہ کچا کھاؤں کھا لوں گا۔"

چور ڈر کر بھاگا۔ بھونکو نے اس کا پیچھا کیا۔ اس کے کپڑے تار تار کر ڈالے۔ پاجامے کی
لنگوٹی بنا ڈالی۔ بے چارہ چور بدحواس ہو کر ایک درخت پر چڑھ گیا۔ وہاں سوسن اس کے
استقبال کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ وہ اس کے کندھے پر سوار ہو گئی اور اس کی گردن میں پنجے
گاڑ دیے۔ وہ بولی: "خرخر خر خراب آدمی۔ میں تمھارا خُوُوُ۔ خون پی لوں گی۔ تمھاری اچھی
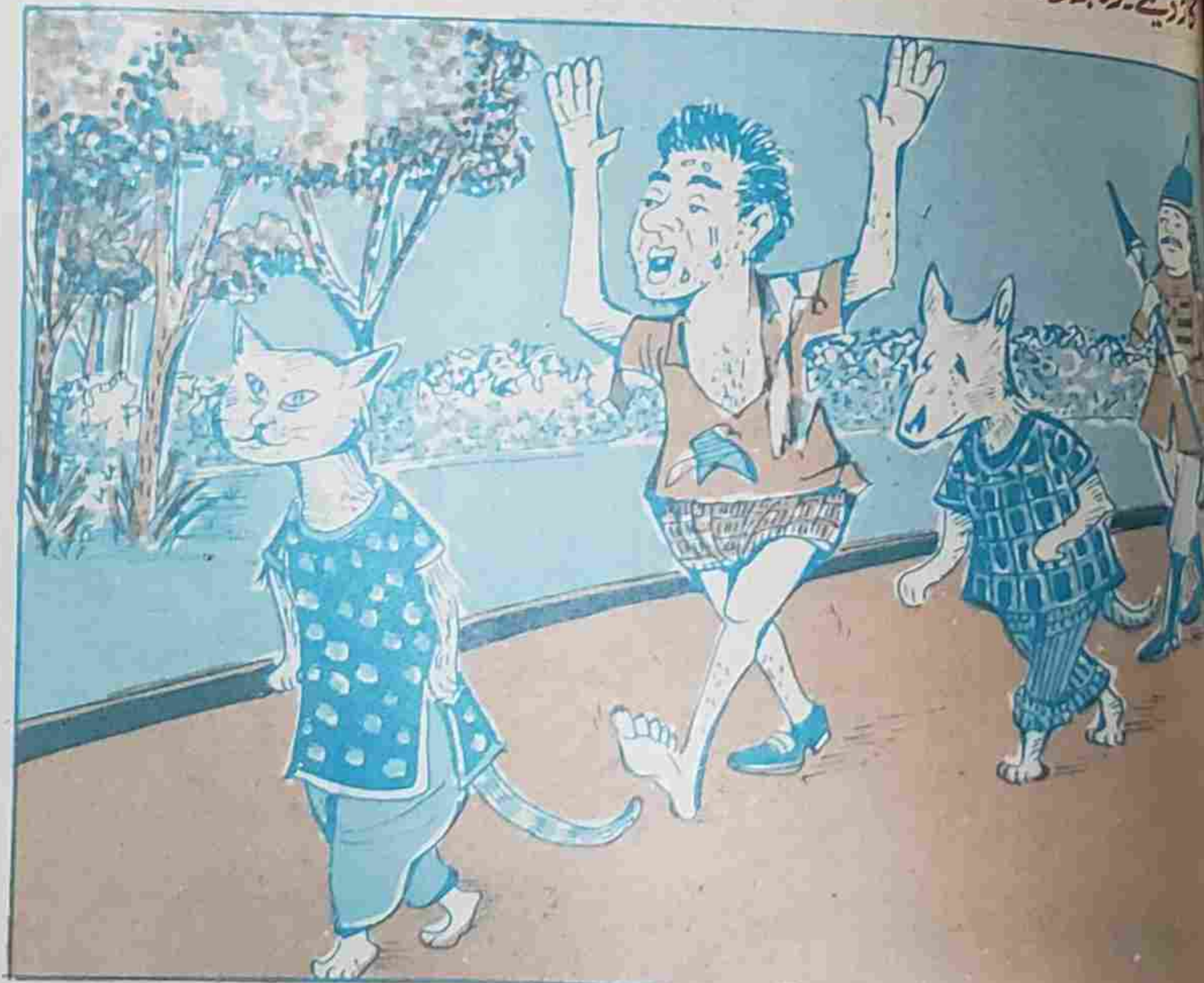
سوسن اور بھونکو چور کو قیدی بنا کر لے چلے۔

طرح خ خ خ خبر لیتی ہوں۔ خر خر خراب آدمی۔" نیچے کتے نے چلا کر کہا، "بھاؤ واؤ واؤ بھا بھاگنے مت دینا۔ اس کی تکا بوٹی کر ڈالو۔ کلیجا، بھاؤ، واؤ، بھو، بھون کر کھا لو۔"

بلی نے پنجے مار مار کر چور کا حلیہ بگاڑ دیا۔ وہ ہاتھ اوپر اٹھا کر بولا، "ارے مجھے مت مارو۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو، لیکن مجھے مت مارو۔"

سوسن اور بھونکو چور کو قیدی بنا کر لے چلے۔ سوسن آگے آگے تھی۔ اس کی دُم کسی فاتح جرنیل کی تلوار کی طرح سیدھی کھڑی تھی۔ اس کے پیچھے بھونکو تھا۔ وہ ابھی تھوڑی دُور ہی چلے ہوں گے کہ قلعے کے پہرے دار انھیں مل گئے۔ وہ یہ شور ہنگامہ سُن کر جاگ گئے تھے۔ وہ بھی اس جلوس میں شامل ہو گئے۔ بادشاہ اور ملکہ بھی جاگ گئے۔ وہ اپنی خواب گاہ (سونے کا کمرہ) کی کھڑکی سے جھانک کر یہ ہنگامہ دیکھنے لگے۔ صرف شہزادی گلناز اس شور اور ہنگامے سے بے خبر مزے کی نیند سوتی رہی۔

شہزادی گلناز سے کسی نے کہہ دیا کہ اگر بلی کو بلندی سے گرایا جائے تو وہ اپنے پنجوں کے بل گرتی ہے اور اسے کوئی چوٹ نہیں آتی۔ شہزادی نے اس بات کی سچائی جاننے کے لیے سُوسن کو کھڑکی سے نیچے گرا دیا۔ اور جُھک کر دیکھنے لگی۔ نیچے ایک راہ گیر گزر رہا تھا، بلی سیدھی اس کے سر پہ جا گری۔ بے چارہ مسافر اس اچانک آفت سے بوکھلا گیا۔ اس نے بلی کو پکڑا اور اسے اپنے کوٹ کی جیب میں ڈال کر چل دیا۔

شہزادی گلناز بہت فکر مند ہوئی۔ وہ سیدھی اپنے باپ کے پاس پہنچی اور سسکیاں لے کر رونے لگی۔ بہت مشکل سے اس نے کہا، "کوئی سا۔ سا سُوسن کو لے گیا ہے۔"

شاہ گلزار کو بلی کے کھو جانے کی خبر سُن کر بہت خوشی ہوئی، لیکن شہزادی گلناز نے بلی کے غم میں رو رو کر اپنی آنکھیں سُجا لیں۔ آخر شاہ گلزار نے پولیس کے افسروں کو بُلایا اور انھیں کہا، "دیکھو، کوئی چور ہماری بیٹی کی بلی سوسن چُرا کر لے گیا ہے۔ اس نے ایک لمبا سا کوٹ پہنا ہوا ہے۔ وہ سرائے کالے خان کی طرف گیا ہے۔"

پولیس انسپکٹر نے اپنی لمبی لمبی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور بولا، "حضور، آپ اطمینان رکھیے۔ میں مجرم کو جلد ہی گرفتار کر لوں گا۔ سرکار، اس کام کے لیے مجھے خفیہ پولیس، بحری اور بری افواج آب دوز کشتیوں اور ہوائی جہازوں کی ضرورت ہے۔ اس کام میں ہاتھ بٹانے کے لیے ملک کے تمام

نجومی، فال نکالنے والوں، شعبدہ بازوں اور جوگی سنیاسیوں کی مدد بھی چاہیے۔"

پولیس انسپکٹر سلیمی نے سب جاسوسوں کو بُلوایا۔ یہ جاسوس دیکھنے میں بالکل بدھو نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ سیدھے سادے کپڑے پہنتے ہیں۔ انھیں کوئی مجرم نہیں پہچان سکتا، لیکن یہ ایک ہی نظر میں چوروں اور ڈاکوؤں کو پہچان لیتے ہیں۔ کوئی بات ان سے چُھپی نہیں رہ سکتی۔

انسپکٹر سلیمی نے بہترین جاسوسوں کو بلوایا۔ ان میں تین بھائی الف خاں، رستم خاں اور عین الدین تھے۔ چکر جی مکر جی بنگالی ہندو تھا۔ کولمبو جرمن تھا۔ کوجیک اور سینٹ امریکی تھے۔ شیر دل اور تیز گام ایرانی تھے۔ کپتان ہزار خاں کی خدمات بھی سلیمی کے سپرد کر دی گئیں۔

انھوں نے پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں پوری بات معلوم کر لی۔ انسپکٹر سلیمی نے بتایا کہ چور کو گرفتار کرنے والے کو بہت انعام دیا جائے گا۔ یہ سُن کر سب جاسوسوں کی باچھیں کھل گئیں۔ شیر دل کی بتیسی تو منھ سے نکل کر گر پڑی۔ کولمبو، کوجیک اور سینٹ نے ڈانس شروع کر دیا۔ کافی دیر تک یہ ہنگامہ ہوتا رہا۔ آخر انسپکٹر سلیمی نے کہا، "بھلے مانسو! اب کام شروع کرو۔ چور سرائے کالے خاں کی طرف گیا ہے۔"

تیز گام پانچ منٹ میں یہ خبر لے آیا کہ چور سرائے کے اندر موجود ہے۔

انسپکٹر سلیمی، چکر جی مکر جی، رستم خاں، کولمبو، کوجیک، فٹافٹ ایک کار میں سوار ہو گئے اور آندھی طوفان کی طرح کار چلاتے ہوئے سرائے میں پہنچ گئے۔ چکر جی مکر جی چاہتا تھا کہ کام یابی کا سہرا اس کے سر بندھے۔ اس نے کہا، "چور کو پکڑنے کے لیے گولی بندوق کی ضرورت نہیں بلکہ چالاکی اور مکاری کی ضرورت ہے۔ میں مکر اور فریب کا ایسا جال پھیلاؤں گا کہ چور آپ ہی آپ میرے پھندے میں آ پھنسے گا۔"

چکر جی مکر جی نے فوراً ایک رسی بنانے والے کا روپ دھارا اور سرائے میں داخل ہو گیا۔ اس نے ایک اجنبی کو دیکھا۔ اس کے سیاہ بال، سیاہ داڑھی، گول چہرہ اور بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ چکر جی مکر جی نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ چور یہی شخص ہے۔

چکر جی مکر جی نے کہا، "بابو جی میں رسیاں بیچتا ہوں۔ میری بنائی ہوئی رسیاں فولاد کی طرح مضبوط اور ریشم کی طرح نرم ہوتی ہیں۔"

یہ کہتے ہوئے چکر جی مکر جی نے جیب سے رسیوں کا گچھا نکالا۔ انھیں کھول کر رسّی پھیلائی۔ بَل نکال کر رسّی سیدھی کی، پھر اس کے ایک سرے پر پھندا بنایا۔ اس عرصے میں چکر جی مکر جی کی نظر اجنبی پر جمی رہی۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا کہ جوں ہی اجنبی کی نظر چُوکے، وہ فوراً پھندا اس کے ہاتھوں میں ڈال کر انھیں باندھ جکڑ دے۔

"مجھے رسّی نہیں چاہیے۔" اجنبی نے کہا۔

چکر جی مکر جی نے رسّی کھول کر پھیلائی۔ اسے بَل دیا اور بہت پُھرتی سے اسے اِدھر اُدھر جُھلانے لگا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے اب جلدی سے اجنبی کو گرفتار کرنے والا ہے۔ وہ بولا، "حضرت، ذرا دیکھیے تو سہی، رسّی کیسی باریک، مضبوط اور خوب صورت ہے۔"

اجنبی منھ ہی منھ میں کچھ بُڑبُڑانے لگا۔ چکر جی مکر جی کے منھ سے حیرت کی تیز چیخ نکلی۔ وہ بولا، "یہ کیا ہو رہا ہے؟" اصل میں یوں ہوا کہ جب وہ رسّی کو بَل دے رہا تھا اور پھرتی سے اِدھر اُدھر جھلا رہا تھا تو کسی طرح اس کے ہاتھ پھندے میں پھنس گئے۔ رسّی آپ ہی آپ بَل کھا کر پھندے بنا رہی تھی اور چکر جی مکر جی کے ایک ایک جوڑ کو باندھ جکڑ رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں اس نے چکر جی مکر جی کو باندھ کر گٹھڑی بنا دیا۔ بے چارے چکر جی مکر جی کا دُم گھٹنے لگا۔

اجنبی اس طرح بیٹھا رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

جب کافی دیر ہو گئی اور چکر جی مکر جی واپس نہ آیا تو باہر کھڑے ہوئے جاسوسوں کو بہت فکر ہوئی۔ رستم خاں بولا، "میں دیکھتا ہوں کہ کیا بات ہے؟" وہ یہ کہہ کر سرائے میں گھس گیا۔

اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ ایک کونے میں چکر جی مکر جی گٹھڑی سا بنا ہوا پڑا تھا۔ اس کے سامنے میز پر ایک اجنبی بیٹھا ہوا میز پر انگلی سے کچھ لکھ رہا تھا۔

"ہوں!" رستم خاں نے غصّے سے بَل کھا کر کہا۔

اجنبی نے سر اُٹھا کر اسے دیکھا۔ رستم خاں نے کہا، "میں انصاف کے نام پر تمھیں گرفتار کرتا ہوں!" اجنبی نے رستم خاں کی طرف گھور کر دیکھا اور کہا، "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

خدا جانے کہ اجنبی کی آنکھوں میں کیا جادو تھا۔ انھیں دیکھ کر رستم خاں کا غصّہ ہوا ہو گیا۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا، "ت ت تم جانتے ہو میں ر۔ رستم خان ہوں۔ اگر کسی کو تھپڑ رسید کر دوں تو اس کا منکا ہی ڈھلک جاتا ہے۔ اگر کسی کو دونوں بازوؤں میں جکڑ کر بھینچوں تو اس کی ہڈیاں چکنا چور کر دیتا ہوں۔"

"کیا واقعی؟" اجنبی نے حیران ہو کر پوچھا۔

رستم خاں بولا، "لوگ اسی لیے تو مجھے رستم خاں کہتے ہیں۔ میں اتنا طاقت ور ہوں کہ... کہ..."

اجنبی رستم خاں کی بات کاٹ کر بولا، "اگر تم اتنے ہی طاقت ور ہو تو اپنی جیبوں سے ہاتھ باہر نکال کر دکھاؤ۔"

رستم خاں نے اپنے ہاتھ جیبوں سے باہر نکالنے چاہے، لیکن ہاتھ باہر نہ نکل سکے۔ دایاں ہاتھ تو جیب کے اندر یوں چپک کر رہ گیا تھا کہ جیسے وہاں سریش لگا ہوا ہو۔ بائیں ہاتھ کا حال اور بھی خراب تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے ہتھیلی کے ساتھ کئی من کا وزن بندھا ہوا ہو اور وہ ابھی کلائی سے ٹوٹ کر الگ ہو جائے گی۔

رستم خان نے اپنے ہاتھ جیبوں سے باہر نکالنے چاہے، لیکن ہاتھ باہر نہ نکل سکے۔

ادھر رستم خاں پسینے میں تر بتر ہاتھ جیب سے باہر نکالنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اُدھر جاسوس اس کے انتظار میں حیران اور پریشان کھڑے تھے۔

کوجیک بولا "میں دیکھتا ہوں کہ کیا ماجرا ہے؟"

کوجیک ہتھ کڑی ہاتھ میں لے کر سرائے کے اندر گھس گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک طرف چکر جی مکر جی بندھا جکڑا ہوا پڑا تھا۔ دوسری طرف رستم خاں جیبوں میں ہاتھ اُچھل کود کر رہا تھا۔ ایک اجنبی ان سب باتوں سے بے پروا میز پر لکیریں کھینچ رہا تھا۔

کوجیک دہاڑ کر بولا "میں انصاف کے نام پر تمھیں گرفتار کرتا ہوں!" یہ کہہ کر کوجیک نے ہتھ کڑی کھنکھنائی۔ اجنبی نے آنکھیں اُوپر اُٹھائیں اور ایک نظر کوجیک پر ڈالی۔ کوجیک پر نہ جانے کیا جادو ہوا کہ وہ ہکلانے لگا "ہم لوگوں کو ڈرا دھمکا کر گرفتار نہیں کیا کرتے بلکہ لوگ تو خوشی خوشی یہ ہتھ کڑی پہن لیتے ہیں۔ ذرا دیکھو تو سہی کیسی چمک دار ہتھ کڑی ہے۔ اس کا تالا بھی بالکل نیا ہے، جاپان کا بنا ہوا۔ اور۔ اوہ ہو ہو......!" کوجیک نے چیخ مار کر ہتھ کڑی پھینک دی اور بھلا وہ کرتا بھی کیا؟ ہتھ کڑی گرم ہو کر لال انگارہ ہو گئی تھی۔ جوں ہی ہتھ کڑی فرش پر گری اس میں آگ لگ گئی۔

ادھر یہ تماشا ہو رہا تھا اُدھر انسپکٹر سلیمی پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ جو بھی اندر جاتا وہ واپس نہ لوٹتا۔ آخر کچھ دیر بعد انسپکٹر سلیمی نے جرمن جاسوس کولمبو کو بھیجا۔ وہ بے دھڑک سرائے کے اندر گھس گیا۔ اس نے دیکھا کہ فرش پر پڑی ہوئی ہتھ کڑی جل رہی ہے۔ کوجیک کھڑا ہوا اچھل اچھل کر اوہو ہو ہو کر رہا ہے۔ ایک طرف چکر جی مکر جی بندھا ہوا پڑا ہے۔ رستم خاں جیبوں میں ہاتھ ڈالے بھالو کی طرح اُچھل کود کر رہا ہے۔ ایک اجنبی ہر بات سے بے پروا میز پر بیٹھا ہوا لکیریں کھینچ رہا ہے۔ کولمبو کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ پستول نکال کر بولا "بدبخت میں تجھے کتّے کی موت ماروں گا۔ یہ لو۔"

اس نے دونوں آنکھوں کے درمیان نشانہ لے کر فائر جھونک دیا۔ اجنبی پر جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا۔ کولمبو نے دھائیں دھائیں دھائیں پورے تین راؤنڈ اور چلا دیے۔ پھر دو اور گولیاں چلائیں۔ اجنبی مسکرا کر بولا "بس یا کچھ اور بھی؟"

کولمبو نے دوسرا بھرا ہوا پستول نکالا۔ آنکھوں کے درمیان پیشانی کا نشانہ لے کر چھے

...اور داغ دیے، لیکن اجنبی پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ مسکرا کر بولا "طبیعت سیر ہو گئی آپ کی؟ ...بھی دل کی بھڑاس نکالنی باقی ہے؟"

کولمبو نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سر جھکا کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اجنبی نے سر کے اشارے سے سب کو خدا حافظ کہا اور کھڑکی کے راستے باہر گیلری میں اُتر گیا۔

ادھر سب جاسوس سرائے کے باہر جمع ہو چکے تھے۔ گولیاں چلنے کی آواز سن کر کسی کو اندر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ انسپکٹر سلیمی پاؤں پٹخ کر بولا "بے وقوفو! یہاں کھڑے کھڑے میرا منھ کیا دیکھ رہے ہو۔ جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔ سب لوگ مختلف اطراف سے سرائے میں گھس جائیں۔ سرائے کا محاصرہ کیا جا چکا ہے۔ اندر سے چڑیا کا بچّہ تک باہر نہیں نکل سکتا۔"

سب جاسوس سرائے میں گھس گئے، لیکن اندر انھوں نے جو تماشا دیکھا اُسے دیکھ کر وہ

اجنبی نے سر کے اشارے سے سب کو خدا حافظ کہا اور کھڑکی کے راستے باہر چلا گیا۔

ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ چکر جی مکر جی جسے اپنے چکر باز اور مکار ہونے پر بہت ناز تھا،
ہوا پڑا تھا۔ اس نے کہا "دوستو، اس نے انگلی تک نہیں ہلائی اور میں آپ ہی آپ اس
میں الجھتا چلا گیا۔"
رستم خاں جسے اپنی طاقت کا گھمنڈ تھا۔ اب تک بھالو کی طرح اُچھل کود کر رہا تھا۔ اس
نے بتایا کہ اس کے ہاتھ جیب میں چپک کر رہ گئے ہیں۔
کولمبو حیران و پریشان ہو کر بولا "میں نے بارہ گولیاں اس کے بھیجے میں اُتار دیں لیکن
اسے خراش تک نہ آئی۔" سب جاسوسوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
الف خاں بولا "میرا خیال ہے ......"
عین الدین نے کہا "کہ یہ اجنبی ......"
انسپکٹر سلیمی نے جملہ پورا کرتے ہوئے کہا "کوئی جادوگر ہے۔"
عین اسی وقت باہر ایک ہزار رائفلیں ایک ساتھ چلیں۔ اتنی زوردار گرج سنائی دی
کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ انسپکٹر سلیمی نے کہا "قصّہ ختم ہوا۔"
دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور کپتان ہزار خاں سرائے میں داخل ہوا۔ اس نے
کہا "جناب، میں یہ رپورٹ پیش کرنا چاہتا ہوں کہ ہم نے سرائے کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔
محاصرہ اتنا سخت تھا کہ چڑیا کا بچّہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ میں نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر
کوئی مکّھی بھی باہر نکلے تو اُسے گولی مار دی جائے۔ اتنے میں ایک فاختہ کھڑکی سے باہر نکلی۔
میں نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اس کے بعد میرے ایک ہزار
جوانوں نے فائر کھول دیا۔ فاختہ کے ہزاروں ٹکڑے ہو گئے، لیکن جناب، ہر ٹکڑا ایک تتلی
بن گیا اور تتلیوں کا دَل اُڑتا ہوا چلا گیا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اب آپ کا کیا حکم ہے؟"
انسپکٹر سلیمی نے کہا "سب فوج طلب کر لی جائے۔ بچّہ، بوڑھا اور جوان اُن کی مدد کرے
اور ملک کے کونے کونے سے تتلیاں پکڑی جائیں۔"
خدا تمھارا بھلا کرے۔ ملک کے کونے کونے سے لاکھوں تتلیاں پکڑی گئیں۔ عجائب خانہ
میں ان تتلیوں سے ایک کمرا بھر گیا، لیکن وہ جس کی تلاش تھی اب تک ہاتھ نہ آسکا۔ بے چارے
جاسوس ناکام اور نامراد واپس لوٹے۔

اگلے دن کا ذکر ہے کہ سلیمی، کوجیک اور کولمبو ٹہلتے ہوئے دریا کے کنارے تک چلے گئے۔
انھوں نے دیکھا کہ ایک درخت کے سائے تلے وہی اجنبی بیٹھا ہوا چیونگم چبا رہا ہے۔ کوجیک
نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا، "اب بچ کر کہاں جاؤ گے؟"
عین اسی وقت وہ جادوگر ایک لہراتا بل کھاتا ہوا سانپ بن گیا۔ کوجیک نے گھبرا کر اُسے
پھینکا۔ انسپکٹر سلیمی نے سانپ پر اپنا کوٹ پھینکا، لیکن سانپ ایک ندی بن گیا اور بہتا ہوا
دریا میں جا گرا۔ پولیس اور جاسوسوں نے ملک کا چپّا چپّا چھان مارا، لیکن جادوگر تو یوں
غائب ہو گیا تھا کہ جیسے اُسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔
جب سب لوگ تھک ہار کر بیٹھ گئے تب ایک دن جادوگر خود ہی عدالت میں حاضر ہو
گیا۔ قاضی صاحب عدالت کی کرسی میں پھنسے ہوئے بیٹھے تھے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کا آدھا
جسم کرسی پر رکھا ہوا تھا۔ باقی آدھا اِدھر اُدھر لٹک رہا تھا۔
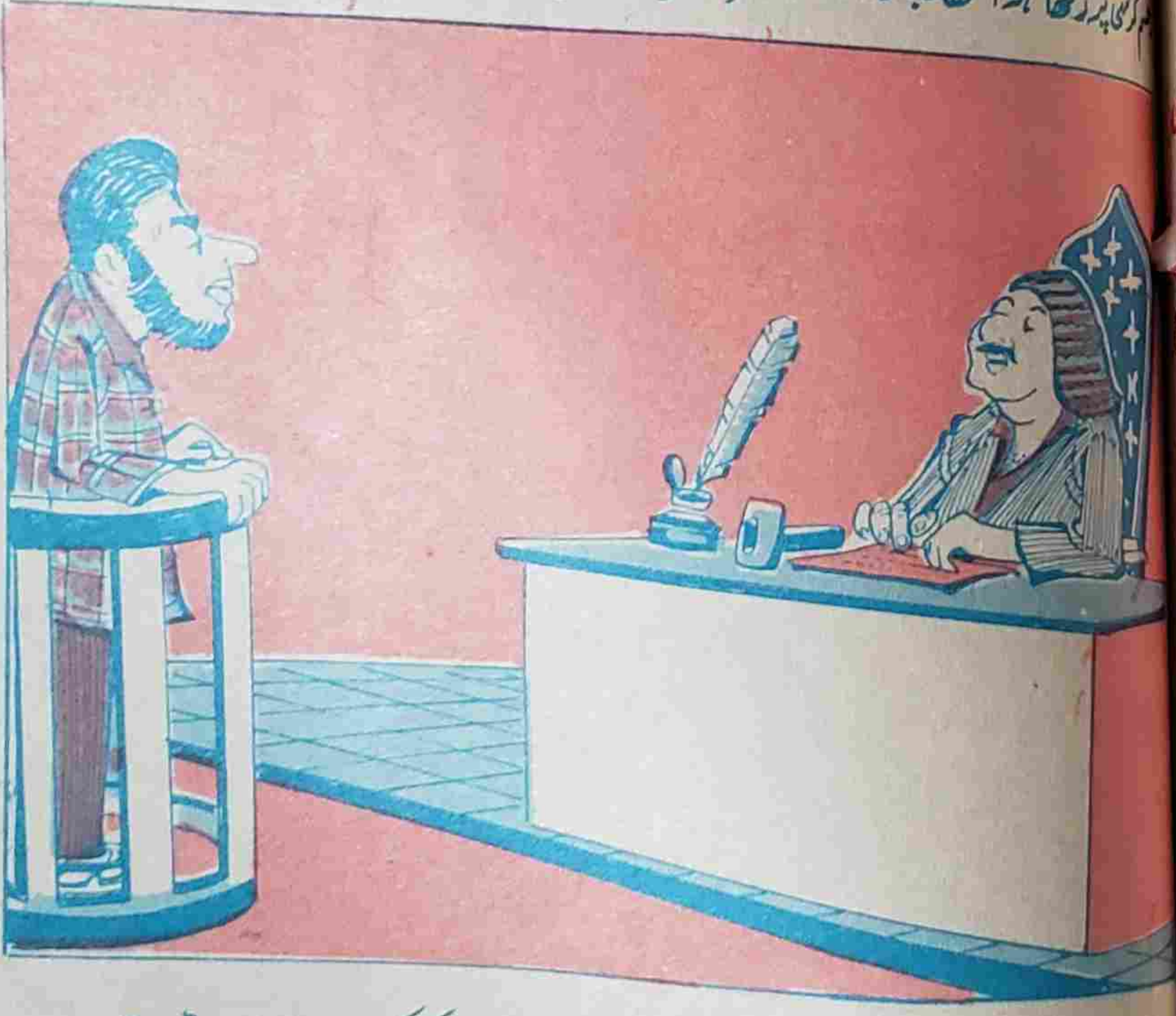
جادوگر خود ہی عدالت میں حاضر ہو گیا۔ قاضی صاحب عدالت کی کرسی میں پھنسے بیٹھے تھے۔

قاضی نے کہا، "تم پر الزام ہے کہ تم شہزادی گلناز کی بلّی چُرا کر لے گئے ہو۔"
جادوگر نے بہت دھیمی آواز میں کہا، "یہ الزام بالکل غلط ہے کہ میں نے بلّی چرائی ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ میں محل کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ایک بلّی اچانک ہی میرے اوپر آ گری۔
اس طرح گرنے سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ میں اسے اپنے کوٹ میں لپیٹ کر سرائے میں لے
گیا۔ وہاں میں نے بلّی کی ٹانگ پر رسّی باندھی اور اسے چھوڑ دیا۔ بلّی لنگڑاتی ہوئی بھاگ گئی۔"
قاضی غصّے سے دہاڑتے ہوئے بولا، "بد بخت، تم نے اس زخمی بلّی کو کیوں جانے دیا۔ نہ جانے
وہ اب کہاں بھٹکتی ہوئی پھر رہی ہوگی؟"
جادوگر بولا، "بلّی جس گھر میں رہتی ہے اُسے کبھی نہیں بھولتی۔ مجھے یقین ہے کہ سوسن
بھی اپنے گھر پہنچ چکی ہوگی۔"
قاضی نے گرجتے ہوئے کہا، "بد بخت جادوگر، میں تمھیں بلّی چُرانے کے جرم میں چھے سال
قید کی سزا سناتا ہوں، اور زخمی بلّی کی مناسب دیکھ بھال نہ کرنے کے جرم میں تمھیں چھے سال
مزید قید کی سزا بھگتنی ہوگی۔"
لیکن جب سپاہی جادوگر کو لے جانے کے لیے آگے بڑھے تو اس نے اپنی جیب سے
ایک بنسری نکالی اور بجانے لگا۔ اس کی سُریلی آواز میں نہ جانے کیسا جادو تھا کہ عدالت میں
موجود سب لوگ مدہوش ہو گئے۔ جادوگر بانسری بجاتا ہوا عدالت سے باہر نکل گیا۔
جب شہزادی کو معلوم ہوا کہ بلّی جس گھر میں رہتی ہے، وہیں واپس پہنچ جاتی ہے تو
اس نے ایک قاصد کو بی مغلانی کے گھر بھیج دیا۔ یہ قاصد بہت تیزی سے گھوڑا دوڑاتا ہوا بی
مغلانی کی جھونپڑی میں پہنچا۔ بی مغلانی کا پوتا راشد جھونپڑی کے باہر بیٹھا ہوا بلّی سے کھیل
رہا تھا۔ قاصد نے کہا، "راشد، شہزادی گلناز نے اپنی بلّی طلب فرمائی ہے۔"
یہ سُن کر راشد کے دل کی دھڑکن رُک سی گئی۔ وہ دھیمی آواز میں بولا، "جناب، میں خود
ہی بلّی کو شہزادی تک پہنچا دوں گا۔" راشد بلّی کو لے کر شہزادی گلناز کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا،
"لیجیے شہزادی صاحبہ، میں آپ کی بلّی لے آیا ہوں۔"
راشد نے ٹوکری کے منھ سے کپڑا ہٹایا۔ ایک کم زور سی بلّی لنگڑاتی ہوئی ٹوکری سے باہر
نکلی۔ شہزادی تو اسے پہچان بھی نہ سکی کہ یہی سوسن ہے، لیکن بھونکو نے بھونک بھونک کر

گاڑی میں بیٹھے بیٹھے مغلانی کو ملکہ کا خواب یاد آیا کہ مستقبل کا بادشاہ بلّی پر سوار محل میں داخل ہوگا۔

اور دُم ہلا کر سوسن کا استقبال کیا۔ بلّی بھی جواب میں میاؤں میاؤں کرتی رہی۔ خدا ہی جانے کہ
دونوں آپس میں کیا باتیں کرتے رہے۔
راشد بہت دیر تک شہزادی سے باتیں کرتا رہا۔ آخر وہ شہزادی کو خدا حافظ کہہ کر خوشی
خوشی اپنے گھر روانہ ہوا، لیکن جب وہ اپنے گھر پہنچا تو سوسن سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی تھی اور
زبان سے چاٹ چاٹ کر اپنا جسم صاف کر رہی تھی۔ راشد زور سے بولا، "دادی اماں، میں ابھی
ذرا دیر پہلے سوسن کو محل میں چھوڑ کر آیا تھا۔"
دادی بولی، "بیٹا، یہ بلّیوں کی فطرت ہے کہ چاہے انھیں کتنی ہی دُور چھوڑ دیا جائے، وہ
اپنے گھر پہنچ جاتی ہیں۔ جاؤ بیٹا، جلدی کرو اور سوسن کو شہزادی گلناز کے پاس پہنچا دو۔"
راشد سوسن کو لے کر پھر محل میں پہنچا۔ وہ بولا، "شہزادی صاحبہ، میں سوسن کو لے آیا ہوں،
یہ پھر ہماری کٹیا میں پہنچ گئی تھی۔" شہزادی گلناز بولی، "سوسن بہت پھرتیلی ہے۔ اک
ذرا سی نظر چوکی اور یہ غائب ہو جاتی ہے۔"

اگلے دن جب راشد سو کر اُٹھا تو سُوسن اس کے پلنگ کے نیچے آنکھیں مُوندے لیٹی ہوئی تھی۔ راشد اسے گود میں لے کر پیار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد شاہی قاصد بھی پہنچ گیا۔ اس نے کہا، "بادشاہ سلامت کا حکم ہے کہ تم سوسن کو لے کر شاہی محل میں پہنچ جاؤ۔"

راشد نے کہا، "اس کا کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ بلّی پھر یہیں واپس پہنچ جائے گی۔"

"شہزادی گلناز کا حکم ہے کہ تم ہر روز سوسن کے ساتھ محل میں حاضری دیا کرو۔"

راشد نے سر ہلا کر کہا، "میرے لیے روزانہ محل سرا میں حاضر ہونا مشکل ہے۔"

اتنے میں بوڑھی مغلانی بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس نے کہا، "بیٹا، شاید تمھیں پتا نہیں کہ کتا اپنے مالک کا وفادار ہوتا ہے اور بلّی اپنے گھر سے محبت کرتی ہے۔ تم بلی کو کہیں بھی لے جاکر چھوڑ دو وہ اپنے گھر ضرور پہنچ جاتی ہے۔" قاصد گھوڑا دوڑاتا ہوا محل میں واپس پہنچا۔ اگلے دن ایک بہت بڑی گاڑی جس میں سو گھوڑے جُتے ہوئے تھے، مغلانی کی کٹیا کے پاس آکر رکی۔ کوچوان نے کہا، "بی مغلانی، بادشاہ سلامت کا حکم ہے کہ میں بلّی کو کُٹیا سمیت ان کی خدمت میں پیش کروں۔ راشد اور آپ کو بھی ساتھ چلنا ہوگا۔"

بہت سے لوگوں نے جھونپڑی کو اُٹھا کر گاڑی میں رکھا۔ کوچوان نے چابک ہوا میں لہرایا اور سو گھوڑے گاڑی کو کھینچنے لگے۔ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے مغلانی کو ملکہ کا خواب یاد آیا کہ مستقبل کا بادشاہ بلّی پر سوار ہو کر محل میں داخل ہوگا اور ایک جھونپڑی پورے محل کو نگل جائے گی۔ بی مغلانی کو ملکہ کا خواب سچا ثابت ہوتا نظر آ رہا تھا۔

جب وہ لوگ محل میں پہنچے تو ان کا بہت پُرجوش استقبال کیا گیا۔ بادشاہ گلزار، شہزادی گلناز، ملکہ اور سب وزیر اور امیر شاہی محل کے دروازے پر جمع تھے۔ بی مغلانی کی جھونپڑی محل کے باغ میں رکھ دی گئی۔ اب بلّی کو محل سے بھاگنے کی ضرورت نہیں رہی۔ جب شہزادی سوسن سے کھیلنا چاہتی تو وہ باغ میں پہنچ جاتی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ ہمیں اس کا کوئی اَتا پتا نہیں مل سکا۔ میرا خیال ہے کہ راشد ضرور بادشاہ بن گیا ہوگا، لیکن بھتی بلّی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی بہادری اور عقل مندی کی وجہ سے۔ اس نے اپنے ملک کی خاطر ایسے کارنامے سر انجام دیے کہ وہ سب لوگوں میں مقبول ہو گیا۔ سب لوگ اسے دل و جان سے چاہنے لگے۔

افواہیں پھیلتی ہیں تو اود بلاؤ ہاتھی بن جاتا ہے۔

خرگوش کا پڑوسی

کسی جنگل میں ایک خرگوش اپنی بیگم کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کا اپنا ایک چھوٹا سا خوب صورت مکان تھا۔ پڑوس میں دوسرے کئی جانوروں کے مکانات بھی تھے۔ خرگوش تو صبح صبح اپنے کام پر چلا جاتا، بعد میں بیگم خرگوش گھر کا سودا سلف لینے نکلتیں۔ ایک دن بیگم خرگوش سودا لینے نکلیں تو پڑوس کے مکان کی کھڑکی کے سامنے انھیں رُک جانا پڑا۔ یہ مکان کئی دن سے خالی تھا، لیکن آج ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی نیا کرائے دار اس مکان میں آگیا ہو۔ کھڑکی سے بیگم خرگوش کو ایک بڑا سا صندوق کمرے کے بیچ میں رکھا ہوا صاف نظر آ رہا تھا۔ کچھ رنگ

کوئی خاص خبر تو نہیں، بس ہمارا پڑوس آباد ہو گیا ہے۔

کے ڈبّے اور برش بھی رکھے ہوئے تھے۔ ایک دن پہلے تو یہ چیزیں اس کمرے میں نہیں تھیں۔
بیگم خرگوش چاہتی تھیں کہ اطمینان سے اندر کی ایک ایک چیز دیکھ لیں، لیکن باہر دھوپ تیز تھی
اور کمرے میں اندھیرا سا ہو رہا تھا۔ اتنی تیز دھوپ کی روشنی میں سائے میں رکھی ہوئی چیزیں
دیکھنا آسان کام نہیں تھا۔ بیگم خرگوش فکر مند تھیں کہ آخر اُن کے پڑوس میں کون آیا ہے
لیکن مکان میں سامان کے علاوہ انھیں کچھ نظر نہ آیا۔ مجبوراً وہ آگے بڑھ گئیں۔ انھیں سودا بھی
تو لینا تھا۔

ابھی وہ تھوڑی ہی دُور گئی تھیں کہ انھیں آنکھوں پر چشمہ لگائے بھائی قاز مل گئے۔ بیگم
خرگوش نے انھیں سلام کیا تو بھائی قاز نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا:
"کہیے بیگم خرگوش، کیا خبریں ہیں؟ کوئی تازہ خبر بھی ہے آپ کے پاس؟"
"کوئی خاص خبر تو نہیں، بس ہمارا پڑوس آباد ہو گیا ہے۔ میں نے وہاں ایک بڑا سا بھورا
صندوق رکھے دیکھا ہے۔ کچھ رنگ کے ڈبّے اور برش بھی ہیں۔"
"آپ نے کچھ اور بھی دیکھا؟" بھائی قاز نے سوال کیا۔
"نہیں دھوپ بہت تیز تھی۔ پھر مجھے سودا لانے کے لیے بھی تو جانا تھا۔" بیگم خرگوش بولیں
اور تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔

بھائی قاز اپنے لیے ڈبل روٹی اور مکھن لے کر لوٹے تھے اور اب اپنے دوست میاں
بجّو کے گھر جا رہے تھے۔ چناں چہ وہ بھی میاں بجّو کے گھر کی طرف چل دیے۔ راستے میں وہ
سوچتے جا رہے تھے کہ بیگم خرگوش نے ایک بڑا سا صندوق دیکھا ہے، ہو نہ ہو وہ مکان کسی
ہاتھی نے لیا ہو گا، کیوں کہ بڑا سا صندوق ہاتھی ہی کا ہو سکتا ہے۔ کسی چھوٹے جانور کو بڑا صندوق
رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہاتھی شاید آرٹسٹ بھی ہے، ورنہ رنگ اور برش وہاں کیوں ہوتے۔
یہی سوچتے سوچتے وہ میاں بجّو کے گھر پہنچ گئے اور دروازے سے ہی آواز لگائی:
"میاں بجّو، کہاں ہو؟ تمھیں کچھ خبر بھی ہے؟ خرگوش کے پڑوس کا مکان ہاتھی نے لے
لیا ہے۔"
"میں نے بھی خرگوش کے پڑوس والے مکان میں کچھ کھڑکھڑاہٹ سُنی تھی، جیسے کوئی اپنا
سامان جما رہا ہو۔" بجّو نے کہا۔

"ہاں بھئی! وہ مکان ہاتھی نے لے لیا ہے۔ وہ آرٹسٹ بھی ہے۔ اس کا ایک بیٹا بھی ہے۔"
بھائی قاز نے کہا۔
"بس ایک ہی بیٹا ہے یا اور بھی ہیں؟" میاں بجّو نے نئے پڑوسی کے متعلق سوچتے ہوئے
پوچھا۔
"مجھے یقین ہے کہ اس کے اور بھی بیٹے ہوں گے۔" بھائی قاز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
دراصل وہ اس وقت اپنی ڈبل روٹی اور مکھن کے متعلق سوچنے لگے تھے جو ابھی تھوڑی ہی
دیر پہلے انھوں نے بی گلہری کی بیکری سے خریدی تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ انھیں جلدی گھر
پہنچ جانا چاہیے ورنہ مکھن پگھل جائے گا۔ چناں چہ انھوں نے بھائی بجّو کو خدا حافظ کہا اور اپنے
گھر کی راہ لی۔

بھائی بجّو کی عادت تھی کہ وہ شام کے وقت ٹہلنے کے لیے گھر سے نکل جاتے۔ یوں بھی
ان کا کام تو رات ہی میں شروع ہوتا تھا۔ شام کو گھر سے نکلتے تو کئی دوستوں سے ملاقات بھی

بیگم خرگوش ہمیں تمھارے پڑوسی ہاتھیوں کے خاندان کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔

ہو جاتی۔ اس روز وہ شام کو گھر سے نکلے تو انھیں دو سیہہ بہنیں چُنّی خار پُشت اور مُنّی خار پُشت مل گئیں۔ دونوں نے اپنے بدن کے لمبے لمبے کانٹے کھڑکھڑا کر میاں بجّو کو سلام کیا۔ میاں بجّو نے مسکرا کر سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"ارے! تم نے تازہ خبر سُنی؟" پھر سانس لے کر خود ہی بولے، "خرگوش کے برابر والا مکان ایک ہاتھی نے لے لیا ہے۔ اس کے کئی بچّے ہیں۔ باپ تو آرٹسٹ ہے اور بچّوں میں سے ایک بڑا ہونہار ہے۔ وہ بڑا ہو کر بہت قابل نکلے گا۔"

"یہ تو واقعی نئی خبر ہے۔" چُنّی اور مُنّی نے اپنے کانٹے کھڑکھڑا کر کہا، "آپ نے بڑی اچھی خبر سنائی۔"

بجّو میاں نے اس جملے کو اپنی تعریف سمجھا اور تھیلے میں سے ایک سنگترہ نکال کر چُنّی اور مُنّی کو دیتے ہوئے بتایا کہ یہ سنگترے انھوں نے تھوڑی دیر پہلے ہی چُنیا بیگم کی دُکان سے خریدے ہیں۔ پھر بجّو میاں نے اپنی راہ لی اور چُنّی مُنّی بھی آگے بڑھ گئیں۔ راستے میں انھیں بیگم خرگوش

اُود بلاؤ نے بیگم خرگوش کو چائے کی دعوت دی۔

مل گئیں۔ وہ میاں خرگوش کو کھانا پہنچا کر لوٹی تھیں۔ چُنّی اور مُنّی نے اپنے کانٹے کھڑکھڑا کر انھیں مخاطب کیا اور کہا:

"ہمیں تمھارے نئے پڑوسی کے متعلق سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ وہ ہاتھیوں کا ایک خاندان ہے جو بڑی دُور سے یہاں آ کر آباد ہوا ہے۔ باپ ہاتھی آرٹسٹ ہے۔ اس کے کئی بیٹے ہیں جن میں سے ایک بہت ہونہار ہے۔"

"اچھا!" بیگم خرگوش نے حیرت سے کہا، کیوں کہ انھیں یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ ان کے پڑوس میں کون آیا ہے۔ پھر انھوں نے چُنّی مُنّی کو بتایا کہ وہ شام کو اپنے نئے پڑوسی سے ملنے کی کوشش کریں گی۔

بیگم خرگوش اپنے گھر پہنچیں تو کام کاج سے فرصت پا کر وہ اپنے پڑوسی سے ملنے چلی گئیں۔ جب انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو انھیں یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ اندر سے ایک اُود بلاؤ نے جواب دیا اور دروازہ کھول دیا۔ اُود بلاؤ نے انھیں چائے کی دعوت دی۔ چائے کے دوران اُود بلاؤ نے بتایا کہ وہ پہلے خط بانٹا کرتا تھا، اب اس کی نوکری ختم ہو گئی ہے۔ بیگم خرگوش نے باتوں باتوں میں اُود بلاؤ کو بتایا کہ انھوں نے تو یہ سُنا تھا کہ ان کے پڑوس میں ایک ہاتھی کا خاندان آ گیا ہے۔ باپ ہاتھی آرٹسٹ ہے۔ اس کے کئی بیٹے ہیں جن میں سے ایک بڑا ہونہار ہے۔ اود بلاؤ نے یہ سُن کر ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ بیگم خرگوش کا قہقہہ بھی اس میں شامل تھا۔ پھر اود بلاؤ نے کہا:

"مجھے حیرت ہے کہ یہ افواہ کیسے پھیلی!"

لیکن بیگم خرگوش کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

بزم نونہال کے لیے خط مختصر اور دل چسپ رکھنے کی کوشش کیجیے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ نونہالوں کے خط شائع ہو سکیں۔ خط اس انداز سے ارسال کیجیے کہ ہمیں ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ تک موصول ہو جائے۔ خط کے کاغذ پر اپنے نام اور پتے کے علاوہ کچھ اور نہ لکھیے اور نہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزے استعمال کیجیے۔ (ادارہ)

حامد کے دادا جان

میرزا ادیب

کہا جاتا ہے کہ آدمی بوڑھا ہو کر پھر بچّہ بن جاتا ہے۔ یہ بات کچھ ایسی غلط نہیں ہے۔ کم از کم حامد کے دادا جان کے معاملے میں تو اسے بالکل صحیح کہا جاتا ہے اور وہ یوں کہ حامد کے دادا جان بچّوں ہی کی طرح روٹھ جاتے تھے۔ بچّوں ہی کی طرح ضد کرنے لگتے تھے۔ اگر ان سے کہا جاتا اور کہنے والی ان کی بہو ہوتی کہ دادا جان یہ طریقہ زیادہ اچھا نہیں لگتا تو خفا ہو کر کہہ دیتے، "میں بوڑھا ضرور ہوں سٹھیا نہیں گیا۔ خود احمق ہو اور احمق
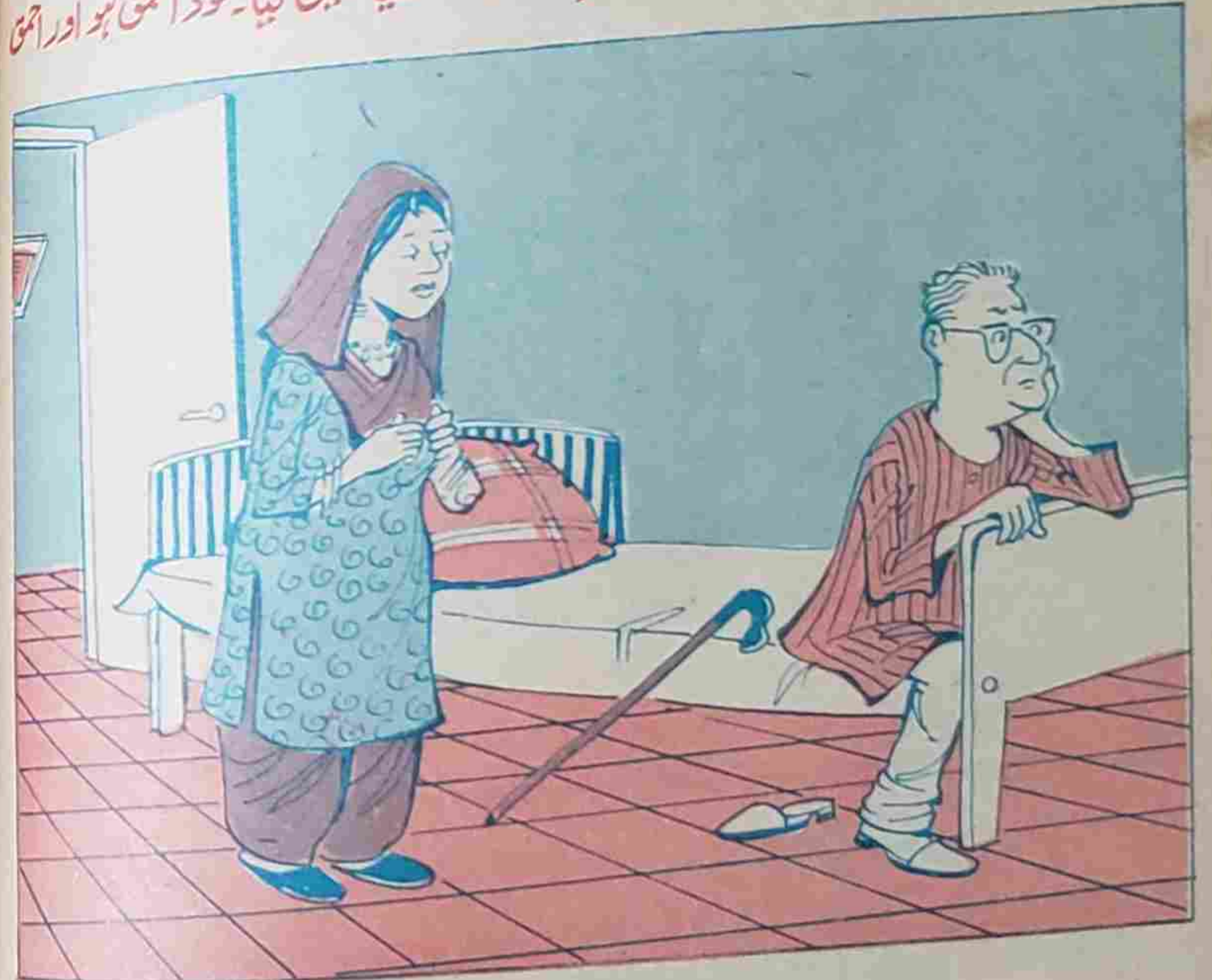
دادا جان بات بات پر بچّوں کی طرح روٹھ جاتے تھے۔

سمجھتی ہو مجھے۔" بات یہیں پر ختم ہو جاتی۔ دادا جان کی ضد پوری نہ ہو، یہ تو کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

ایک روز دادا جان کی بہو نے ان سے کہا:

"دیکھیے نا دادا جان! میں باورچی خانے میں ہوتی ہوں۔ آپ کی آواز بہ مشکل پہنچتی ہے۔ آپ ڈرائنگ روم کے ساتھ جو کمرا ہے وہاں آجائیں۔"

دادا جان نے یہ سنتے ہی ڈانٹ پلائی، "وہ بھی کمروں میں کوئی کمرا ہے۔ مجھے عادت ہے کھڑکی کے پاس بیٹھنے کی۔ دیکھتی نہیں ہو وہاں ایک بھی کھڑکی نہیں۔"

"پر یہ بھی تو دیکھیے وہاں آرام کتنا ملے گا آپ کو۔ پھر آپ کی آواز سن کر ہم فوراً آپ کے پاس پہنچ جایا کریں گے۔" یہ الفاظ حامد کی آپا کے تھے۔

دادا جان نے اسے بھی ڈانٹ دیا:

"وہاں آرام کیا خاک ہے؟ بس میں کچھ بھی کہنا سننا نہیں چاہتا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو خود باورچی خانے میں یا جہاں بھی تم لوگ ہو گے، وہاں آکر کہہ دیا کروں گا۔"

"دادا جان اس سے آپ کو تکلیف ہو گی۔" حامد بڑے ادب سے کہا۔

"تکلیف ہوتی ہے تو ہوا کرے۔ تمھیں اس سے کیا!"

یہ سُن کر حامد اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔

اس شام ڈرائنگ روم میں حامد کے بھائی جان اکرم، ان کی بیگم یعنی دادا جان کی پوت بہو سلمیٰ، حامد کی آپا رفیعہ اور حامد کے درمیان میٹنگ ہوئی۔ سوچا یہ جا رہا تھا کہ دادا جان کے مسئلے کا کیا حل نکالا جائے۔ کمرا وہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے اور یہ کمرا مکان کا سب سے آخری کمرا تھا۔ آواز دادا جان کی شروع ہی سے باریک تھی جو اُن کے کمرے سے باہر چند فیٹ تک سنائی دے سکتی تھی اور گھر والوں کو یہ بھی منظور نہیں تھا کہ وہ خود چل کر باہر آئیں اور اپنی ضرورت بیان کریں۔ ظاہر ہے اس سے انھیں تکلیف ہوتی تھی۔

سلمیٰ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ معاملہ فہم تھی۔ بولی، "دادا جان بار بار چائے پیتے ہیں۔ میرا خیال ہے اگر ہر دو ڈھائی گھنٹے بعد ان کو چائے کا کپ دے دیا جائے تو

تمھیں نہیں بُلایا تھا یہ گھنٹی میرے تکیے کے نیچے پڑی تھی تکیہ درست کیا تو اسے ہاتھ جا لگا۔

انھیں خود کہنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔"

"بالکل ٹھیک۔" اکرم نے میز پر زور سے ہاتھ مار کر کہا۔

"تو کل سے اس پروگرام پر سختی سے عمل ہوگا۔" رفیعہ بولی۔ دوسرے روز پروگرام پر عمل ہونا شروع ہو گیا۔ دوپہر تک تو معاملہ ٹھیک رہا۔ سلمیٰ ڈیڑھ بجے چائے کا کپ لے کر گئی تو دادا جان غصّے سے بولے، "کیا مجھے کھانے سے چھٹی دے دی گئی ہے؟"

"نہیں دادا جان! خدانخواستہ ایسی کوئی بات نہیں۔"

"تو کھانے کے وقت چائے کیوں لے آئی ہو ــــ کیا میں نے کہا تھا ــــ کہا تھا بولو؟"

"جی نہیں کہا تو نہیں۔"

"جب کہا نہیں تھا تو کھانے کے بجائے چائے کیوں لے آئی ہو؟"

"غلطی ہوئی دادا جان۔"

سلمیٰ شرمندہ ہو کر چلی گئی۔

"بات نہیں بنی۔" سلمیٰ نے رفیعہ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"تو اب کیا کیا جائے؟"

"میری سمجھ میں جو آیا تھا کہہ دیا تھا ــــ اصل میں دادا جان اپنی ضرورت خود بتانا چاہتے ہیں۔" اسی دوران اکرم بھی آ گیا۔

"سلمیٰ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ دادا جان نے ساری عمر دفتر میں بڑے افسر کا کام کیا ہے۔ اپنے عملے میں سے کسی کو کچھ کہنا ہوتا تھا تو وہ اسے بُلا کر کہہ دیتے تھے۔" اکرم نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"تو آپ کی رائے میں کیا کرنا چاہیے؟" سلمیٰ نے پوچھا۔

"بڑا آسان معاملہ ہے۔ دادا جان اپنے کمرے میں ہمیں بُلوا سکتے ہیں۔"

"کس طرح؟" یہ رفیعہ کا سوال تھا۔

"کس طرح۔ وہ لاٹھی کے سہارے چلتے ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"گویا لاٹھی ہر وقت ان کے پاس رہتی ہے۔ یہ لاٹھی وہ فرش پر مار کر اتنا شور پیدا کر سکتے ہیں جو باہر تک سنائی دے سکے۔"

"سمجھ گئی۔ سمجھ گئی۔" سلمیٰ نے اس تجویز کو بہت کامیاب قرار دیا اور وہ خود ہی انھیں یہ تجویز بتانے کے لیے چلی گئی۔

"بالکل احمقانہ۔" دادا جان سنتے ہی بولے۔

"جی احمقانہ کیوں؟"

"بیٹی، کچھ عقل سے کام لو۔ ہمسائے اس کھڑکی میں سے مجھے دیکھ سکتے ہیں۔ وہ جب مجھے دیکھیں گے کہ لاٹھی مار رہا ہوں تو وہ سمجھیں گے کہ میں کسی کو پیٹ رہا ہوں۔ میں نے زندگی بھر ایسی حرکت نہیں کی۔ بدنام کرنا چاہتی ہو مجھے۔ احمق کہیں کی۔ تم لوگوں کی مت ماری گئی ہے۔"

سلمیٰ مایوس ہو کر کمرے سے نکل گئی اور دادا جان کا مسئلہ جوں کا توں رہا۔

ایک روز حامد بڑا خوش خوش گھر آیا اور یہ خوش خبری سنائی کہ اس نے دادا جان
والا مسئلہ حل کر لیا ہے۔

"بتاؤ" اس کی آپا نے کہا۔

"آپا بتاؤں گا دادا جان کو اور سب کے سامنے بتاؤں گا۔"

اور تھوڑی دیر بعد سب کے سب دادا جان کے کمرے میں جمع تھے۔

"دادا جان! ہم سب کو معلوم ہوا ہے کہ آپ ساری عمر ایک دفتر میں بڑے افسر رہے
ہیں۔"

دادا جان چیں بہ چیں ہو گئے۔

"تقریر مت کرو۔ کہنا کیا چاہتے ہو" وہ بولے۔

"فوراً چپراسی آجاتا تھا" حامد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آجاتا تھا۔۔۔ پھر۔۔۔؟"

"چپراسی آجاتا تھا" حامد نے دوبارہ کہا۔

"گدھے تُو کہنا کیا چاہتا ہے۔ چپراسی آجاتا تھا۔۔۔ چپراسی آجاتا تھا۔۔۔ پھر
کیا ہوا؟"

"سُنیے دادا جان! آپ حکم دیتے تھے ۔۔۔ وہ ۔۔۔"

"تمھارا دماغ تو ٹھیک ہے لڑکے؟"

حامد کی گت بنتے دیکھ کر سب مسکرا رہے تھے۔

"دادا جان! آج بھی آپ ایسا کر سکتے ہیں" یہ کہتے ہوئے حامد نے جیب میں سے
ایک گھنٹی نکال کر دادا جان کے پلنگ کے پاس تپائی پر رکھ دی۔

دادا جان خاموشی سے گھنٹی کو دیکھنے لگے۔

"ارے تُو تو بڑا ذہین ہے" گویا دادا جان کو حامد کی تجویز پسند آگئی تھی۔

"دادا جان! آخر آپ کا پوتا ہوں بھلا ذہین کیوں نہ ہوتا" سب گھر والوں نے حامد
کو داد دی اور اس کی تجویز پر عمل شروع ہو گیا۔

دادا جان گھنٹی بجاتے تھے تو سلمیٰ یا رفیعہ فوراً کمرے میں پہنچ جاتی تھیں۔ دادا جان کا

…ل اور گھر والے بھی خوش۔

…ایک چھٹی کے روز اکرم، سلمیٰ، رفیعہ اور حامد بڑے مزے سے دوپہر کا کھانا کھا رہے
تھے کہ گھنٹی بج کر ایک دم چُپ ہو گئی۔

"ہیں یہ کیا ہوا؟"

سب کھانا چھوڑ کر جلدی سے دادا جان کے کمرے میں جا پہنچے۔ دادا جان گھنٹی کو کوس
رہے تھے "ذرا میرا ہاتھ لگا اور تپائی سے نیچے گر پڑی۔"

اور دو چار مرتبہ یہی ہوا اور ایک رات کو تو گھنٹی اس طرح بجی کہ سب سونے والے بھاگ
کر دادا جان کے ہاں پہنچ گئے۔

"یہ کم بخت میرے تکیے کے نیچے پڑی تھی۔ تکیہ درست کیا تو اسے ہاتھ جا لگا۔ کوئی
بات نہیں۔ جاؤ جا کر سو رہو۔"

دادا جان کے لیے تو کوئی بات نہیں تھی مگر گھر والوں کے لیے بڑی بات تھی وہ اس
گھنٹی کے ہاتھوں پریشان ہو گئے تھے۔

دو دن بیت گئے تھے اور گھنٹی نہیں بجی تھی۔ سب فکر مند ہو گئے تھے کہ دادا جان
کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔ تیسرے روز سلمیٰ چائے لے کر ان کے کمرے میں گئی تو ادب
سے پوچھنے لگی، "دادا جان، آپ ناراض ہیں؟"

"نہیں۔ بالکل نہیں" دادا جان کا جواب تھا۔

"وہ... دادا جان وہ گھنٹی نہیں بجی..." سلمیٰ نے ڈرتے ڈرتے کہا "دو دن گزر گئے
ہیں۔ ہمیں معاف کر دیں دادا جان۔ شاید ہم نے گھنٹی سُنی نہیں۔"

"یہ اب کبھی نہیں بجے گی۔ میں نے اسے کھڑکی سے باہر پھینک دیا ہے۔"

"کیوں دادا جان؟"

دادا جان بڑی ملائمت سے بولے، "بیٹا! اس نے تم لوگوں کو پریشان کر دیا تھا۔ مجھے
کوئی حق نہیں کہ اپنے بچوں کو پریشان کروں۔ چائے میں نے بہت کم کر دی ہے۔ کھانا میں
تمھارے ساتھ کھایا کروں گا..... اپنے بچوں میں بیٹھ کر بزرگوں کو سچی خوشی ملتی ہے۔"

سلمیٰ نے باہر آ کر یہ الفاظ دوسروں کو سنائے تو سب کے چہرے خوشی سے دمکنے لگے۔

طب کی روشنی میں

سوال و جواب

حکیم محمد سعید

کم کھانا اور لمبی عمر

کیا یہ صحیح ہے کہ کم کھانے والے انسان لمبی عمر پاتے ہیں؟

آفتاب احمد، کراچی

ہاں، یہ بات بالکل صحیح ہے۔ کم کھانا جسمانی و ذہنی صحت کی ضمانت ہے۔ زیادہ کھانے والے عموماً کند ذہن ہوتے ہیں۔ میں اسی لیے ایک ناشتا ایک کھانے کا مُبلّغ ہوں اور میری حتمی رائے یہ ہے کہ انسان اگر صبح ایک ناشتا کرے اور شام بعد مغرب ایک کھانا کھائے تو یہ غذا اُس کی جسمانی ضرورت کے لیے قطعاً کافی ہے۔

مستقل قبض

میری عمر تقریباً ۱۷ سال ہے۔ مجھے آئے دن قبض رہتا ہے۔ یہ کس وجہ سے ہوتا ہے۔ ازراہِ کرم اس کا کوئی علاج بتائیے۔

محمد حنیف، کراچی

قبض کی زیادہ عام وجہ پانی کم پینا ہے۔ جسم کو دن میں کم از کم ۱۰۔۱۲ گلاس پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جاڑوں میں کم، گرمیوں میں زیادہ، اس لیے کہ اس موسم میں پسینا بھی آتا ہے اور جسم کا پانی خارج ہوتا رہتا ہے۔ آپ پانی کافی مقدار میں پیجیے قبض نہیں ہوگا۔ جو لوگ زیادہ نفیس مزاج کے ہوتے ہیں اور جن کو پھول سونگھنے سے بھی زکام ہو جاتا ہے اُن کی غذا میں بھی نفیس چیزیں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر آٹا چھان لیتے ہیں اور باریک آٹے کو اچھا سمجھتے ہیں۔ یہی نفیس آٹا قبض پیدا کرتا ہے۔ انسان کی آنتوں کو ریشے یا پھوک کی ضرورت ہے۔ آٹے کی چھان بھوسی ریشہ ہوتی ہے۔ فطرت چاہتی ہے کہ انسان سالم گیہوں

اور پورا آٹا کھائیے۔ چھاننا غلط ہے۔ اسی طرح اور غذاؤں کا معاملہ ہے۔ آپ سبزیاں
زیادہ کھائیں۔ پانی خوب پئیں۔ موٹے آٹے کی روٹی کھائیں۔

کم زور مثانہ

میرا بھائی جس کی عمر نو سال ہے اُس کا مثانہ بہت کم زور
ہے۔ یہاں تک کہ رات کو سوتے ہوئے بستر گیلا کر دیتا ہے۔ پیشاب بہت آتا
ہے، جس کی وجہ سے امی بہت
پریشان ہیں؟

محمد علی، کراچی

آپ تو کراچی میں ہیں جہاں ضرورت بے ضرورت ایکس رے ہوا کرتے ہیں۔ یہ ایک
کاروبار ہے، جو دوسرے کاروباروں کی طرح اختیار کر لیا گیا ہے۔ ایکس رے مُضرِ صحت و جسم
ہیں اور ان شعاعوں سے انسانی جسم کے خلیات ضائع ہوتے ہیں، لیکن بہت ضروری ہو
تو اس ایجاد سے احتیاط کے ساتھ فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ آپ کے بھائی کا
مثانہ پیدائشی طور پر چھوٹا ہو۔ چھوٹا مثانہ پیشاب کی زیادہ مقدار برداشت نہیں کرتا اور
بار بار پیشاب آتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا چھوٹا بھائی کم زور ہو اور اس وجہ سے
پیشاب بے قابو ہو۔ میری رائے یہ ہے کہ کسی اچھے معالج سے مشورہ کر لینا چاہیے۔ ویسے
معجون کندر ۶ گرام روزانہ ۱۵۔ ۲۰ دن کھلانے سے شاید آرام آجائے۔

زخم معدہ

السر کیسی بیماری ہے۔ اس کی کیا علامات ہیں، نیز کیا اس بیماری کا علاج دریافت ہو
چکا ہے۔

شمائلہ ناز ملک، فیصل آباد

"السر" کی اردو زخم ہے اور عربی میں اس کو قرحہ کہتے ہیں۔ اب "السر" کا لفظ اردو زبان
میں عام ہو گیا ہے۔ آج کل پاکستان میں بہت زیادہ لوگوں کے معدوں اور آنتوں میں زخم
ہو رہے ہیں۔ ان زخموں کے بہت سے اسباب ہیں۔ ایک بڑا سبب ایسپرین کا غلط، بے
ضرورت اور ضرورت سے زیادہ استعمال ہے۔ پاکستانیوں کے ساتھ یہ بڑا ظلم ہے کہ یہاں
ایسپرین عام بکتی ہے، چنوں کی طرح ہر جگہ مل جاتی ہے۔ ذرا غور تو کرو انگلستان وغیرہ ملکوں
میں بغیر ڈاکٹری نسخے کے ایسپرین نہیں مل سکتی۔
زخم معدہ اس وجہ سے بھی ہو جاتا ہے کہ انسان کا معدہ غذا سے اکثر خالی رہے۔ جیسا کہ

روزے والے یا ایسے لوگ فاقے کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا معدہ جب خالی ہوتا ہے تو قدرتی طور پر
پیدا ہونے والا تیزاب معدے میں زخم ڈال دیتا ہے۔ جو لوگ مرچیں زیادہ کھاتے ہیں ان کے
معدے میں بھی زخم پڑ جاتے ہیں۔ ناقص غذائیں بھی معدوں پر خراب اثر کرتی ہیں۔

ہاتھ میں درد

میں جب صبح سو کر اُٹھتا ہوں تو میرے دائیں کندھے میں شدید درد ہوتا ہے اور
میں کرکٹ میں فاسٹ باؤلنگ کرتا ہوں۔ میری مدد فرمائیں۔

پرنس افضل شاہین، بہاول نگر

پرنس صاحب، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مونڈھے کے جوڑ میں کوئی کم زوری
آگئی ہے۔ شاید وہاں کوئی مَسل پُل ہو گیا ہو، یعنی گوشت یا رباط (بندھن) میں موچ آگئی
ہو۔ شاید یہ مفید ہو گا کہ آپ جیتے سوا جیتے بولنگ بند کر دیں۔ کندھے کے جوڑ کو آرام دیں۔
غالباً اس سے آرام آجائے گا۔ ویسے نمک ملے گرم پانی سے مونڈھے یا کندھے کو دھارنا
اور کوئی بام یا مرہم مالش کرنا بھی مفید ہو سکتا ہے۔ مگر آرام بہرحال ضرور ہو گا۔ میرا تو
دل چاہتا ہے کہ آپ پاکستان کے فاسٹ باؤلر بن کر نام پیدا کریں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی
ہو اور ہم آپ پر فخر کریں۔

پسینے کی بُو اور ناخن

میری عمر پندرہ سال ہے اور مجھے زیادہ پسینا آتا ہے، ذرا گھومنے جاتا ہوں تو پسینے
پسینے ہو جاتا ہوں۔ پسینا بدبُو دار ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ کوئی علاج بتائیے۔

شاہد مصطفیٰ شیخ، شکار پور

میرے پسینے میں بُو بہت ہوتی ہے، حال آنکہ میں روزانہ نہاتا ہوں اور مجھے ناخن کترنے
کی بھی بہت عادت ہے۔ جسے میں چھوڑنے کے باوجود بھی چھوڑ نہیں پاتا۔ اس کی وجہ
سے میرے ناخن بہت چھوٹے ہیں۔

محمود الرحمٰن، کراچی

ناخن کترنے کی عادت یقیناً اچھی عادت نہیں ہے۔ اس سے ایک بات تو ضرور واضح
ہو جاتی ہے کہ آپ کو ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ آپ میں فکر کی جو حس بڑھ گئی ہے وہ
حالات کے مطابق نہیں معلوم ہوتی اور اس کا ردِّ عمل بعض غیر معمولی حرکات کی صورت

میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً ناخن کترنا، تو آپ خود غور کر لیجیے کہ آپ کو گھر میں کیا چیز ناپسند ہے، کن حالات سے آپ ناخوش ہیں۔ بس آپ خود ہی ایسا رویہ اختیار کریں کہ حالات حسبِ معمول ہو جائیں یا آپ اُن کو خوشی سے قبول کر لیں۔

پسینے میں بُو کی زیادتی عصبی اسباب سے بھی ہو سکتی ہے۔ پریشان انسان کے جسم کے غدود غیر معمولی طور پر متحرک رہتے ہیں اور رایتی رطوبتوں کو قطرہ قطرہ خون میں شریک کر دیتے ہیں اور وہ پسینے کی بُو کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ ممکن ہے آپ کی آنتیں صاف نہ رہتی ہوں۔ قبض ہو تو اُسے دُور کریں۔

بال اور صحت

میری عمر ۲۰ سال ہے، میری صحت بھی اچھی نہیں۔ بالوں کے سروں پر دو منھ ہیں۔ براہِ مہربانی کوئی ایسا علاج بتائیں کہ میرے بال تمام بیماریوں سے صحت یاب ہو جائیں۔

شکیلہ عبد الخالق، حیدر آباد

انسان فطرت سے باغی ہو کر چین نہیں پا سکتا۔ فطرت کا احترام کرنا چاہیے۔ فطرت چاہتی ہے کہ انسان رات کو آرام کرے، صبح جلد بیدار ہو کر ورزش کرے، پھر غسل کر کے کام سے لگ جائے۔ دن میں ذرا سا آرام کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، کم کھانا صحت کے لیے اچھا ہے۔ "ایک ناشتا ایک کھانا۔" بس صحت کا راز اسی میں ہے۔ زیادہ کھا کر انسان صحت مند نہیں، بیمار ہوتا ہے۔ کم کھا کر انسان تن درست رہتا ہے۔

میں موٹا ہوں

میری عمر ۱۳ سال ہے، لیکن میں بہت موٹا ہوں۔ میں بچپن ہی سے موٹا ہوں۔ ازراہِ کرم مجھے کوئی ورزش اور دوا لکھ دیجیے۔

م۔ ع، سرگودھا

موٹا ہونا واقعی اچھی بات نہیں ہے اور نہ یہ صحت کی علامت ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی پیدائشی خرابی ہو، مثلاً غدہ (تھائرائڈ) کا فعل غیر متوازن ہو یا جسم غذا کو صحیح طریقے سے قبول نہ کر رہا ہو۔ مناسب ہے کہ کم سے کم غذائیں کھائیں، میٹھا (شکر، مٹھائی وغیرہ) کم کر دیجیے، ان سے وزن بڑھتا ہے۔ زیادہ روٹیاں بھی وزن بڑھا سکتی ہیں، گھی، تیل کی زیادتی بھی وزن میں اضافہ کرتی ہے۔ صبح کم از کم ایک میل تیز قدمی سے ٹہلنا اچھا ہو گا۔

گھریلو چٹکلے

مرسلہ: شاہدہ لطیف، کراچی

- پانی میں نمک ملا کر فرش دھونے سے دیمک، چیونٹی اور دوسرے کیڑے نہیں آتے۔
- سیاہ بوٹ پالش میں تھوڑا سا سرکہ ملا دیا جائے تو جوتوں پر خوب چمک آجاتی ہے۔
- لیموں کے عرق میں ملتانی مٹی پیس کر چہرے پر لیپ کرنے سے جلد شگفتہ اور خوب صورت ہو جاتی ہے۔

مرسلہ: دل عزیز احمد صدیقی، لیاقت آباد

- چاولوں کو اُبالتے وقت اگر ان میں ایک چمچہ لیموں کا رس ڈال دیں تو ان کی رنگت صاف ہو جاتی ہے۔
- ٹھنڈے پانی میں لیموں کا رس نچوڑ کر اس میں باسی سبزی ایک گھنٹہ رکھ دیں، تازہ ہو جائے گی۔
- پیاز اور لہسن کھانے کے بعد اگر ذرا سی مولی کھالی جائے تو بُو نہیں آئے گی۔
- سرکے اور نمک سے شیشے کی صراحیاں اور بوتلیں خوب صاف ہوتی ہیں۔ تانبے اور پیتل کے برتن بھی سرکے سے صاف ہوتے ہیں۔
- چینی کے ٹوٹے ہوئے برتن جوڑنا ہوں تو انڈے کی سفیدی میں تھوڑا سا اَن بُجھا چونا ملا کر لئی بنا لیں اور پھر رکھ کر چھوڑ دیں۔ سوکھ کر سخت ہو جائے گا۔
- کوٹلوں کا سفوف گُل دان میں ڈال دیں۔ اس میں جو گل دستہ لگایا جائے گا وہ ایک ہفتے تازہ رہے گا۔

- اگر لیموں کا چھلکا دانتوں پر ملیں تو دانت چمک دار ہو جائیں گے۔
- پیاز کاٹنے سے پہلے ہاتھوں پر نمک مل لیا جائے تو آنسو نہیں نکلتے۔

مرسلہ: صالحہ حسن، کراچی

- تل کے پتوں کو مہندی کے ساتھ پیس کر بالوں میں لگانے سے بال سیاہ ہو جاتے ہیں۔
- بیسن سے منھ دھونے سے چہرے کے داغ دھبّے دُور ہو جاتے ہیں اور رنگ نکھر آتا ہے۔
- روشنائی کے دھبّے دُور کرنے کے لیے آلو اُبال کر اس کے پانی میں دھبّوں والا حصہ ڈال دیں، صاف ہو جائے گا۔
- پرانے گوٹے پر صابن لگا کر سلور کے برتن دھونے سے وہ بے حد چمک دار ہو جاتے ہیں۔
- گوشت دھونے کے بعد اس کا پانی گلاب کے پودے میں ڈالنے سے پھول کی رنگت نکھر آتی ہے۔
- تازہ سنگترے کے چھلکے کچّے دودھ میں پیس کر چہرے پر لگانے سے رنگ صاف ہو جاتا ہے اور جلد ملائم ہو جاتی ہے۔
- مچھلی تلنے سے پہلے اگر اسے آدھا گھنٹہ سرکہ میں بھگوئیں تو بے حد لذیذ ہو جاتی ہے۔
- رات کے بچے ہوئے آٹے پر ہلکا سا گھی کا ہاتھ لگا دیں اس طرح یہ صبح تک سوکھنے سے محفوظ رہے گا۔
- کریلے کے چھلکے نچوڑ کر اس کا پانی دو چمچے پینے سے خون صاف ہو جاتا ہے اور رنگت نکھر جاتی ہے۔
- بھونتے وقت گوشت جل جانے کی صورت میں تھوڑا سا دودھ ڈالنے سے جلنے کی بُو نہیں آئے گی۔
- گوشت نہ گلے تو چٹکی بھر چینی ڈال دیں۔

- اگر غسل خانے یا باورچی خانے میں کائی جم جائے تو بلیچنگ پاؤڈر لگا کر چھوڑ دیں اور پندرہ منٹ بعد جھاڑو سے رگڑیں، فرش بالکل صاف ہو جائے گا۔
- جلنے کے داغ پر پستے پیس کر لگائیں چند ہفتوں میں داغ دُور ہو جائیں گے۔

پان یا کتھے کا داغ دُور کرنے کے لیے کپڑے کو چھلکی میں دبا کر دودھ سے دھوئیں داغ دُور ہو جائے گا۔

- چیزیں تلنے سے پہلے اگر تیل یا گھی میں نمک ملا دیا جائے تو تیل یا گھی کم جلے گا۔

مرسلہ: روبینہ فرید، لیاقت آباد

- گھروں میں عام ضرورت کی بعض دوائیں رکھی رہتی ہیں۔ ان میں گلیسرین اور پوٹاشیم (اس کو عام زبان میں لال دوا یا پنکی بھی کہتے ہیں) بھی ہوتی ہیں۔ منھ کے چھالوں میں یا تو گلیسرین لگاتے ہیں یا لال دوا پانی میں ملا کر کلّیاں کرتے ہیں، لیکن میں جس بات پر اس وقت توجہ دلانا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ یہ دونوں دوائیں کبھی ایک ساتھ نہ ملائیں اور نہ ساتھ استعمال کریں ورنہ ان سے نقصان ہو جاتا ہے اور تکلیف کم ہونے کے بجائے بڑھ سکتی ہے۔ آپ اس کا تجربہ اس طرح کر سکتی ہیں کہ ایک کاغذ کے ٹکڑے پر تھوڑی سی لال دوا ڈالیں، پھر اس کے اوپر گلیسرین ڈالیں۔ تھوڑی دیر میں جھاگ بننے لگیں گے اور کاغذ جلنے لگے گا۔

دراصل کوئی بھی دوا حکیم یا ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر استعمال نہیں کرنی چاہیے۔

شبینہ خورشید، ماڈل کالونی

- کھٹملوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے پلنگ کے پایوں میں اجوائن کی چار پوٹلیاں باندھ دیں۔ اس کے علاوہ گرم پانی میں پھٹکری گھول کر ڈالیں۔
- چائے کی استعمال کی ہوئی پتی گملے یا کیاری کی مٹی میں ملانے سے گلاب کا پھول بڑا اور خوش نما نکلتا ہے اور پتی کا پانی ڈالنے سے پودا تیزی سے بڑا ہوتا ہے۔
- صابن کے جھاگ میں تھوڑا سا نیل ملانے سے کپڑے زیادہ چمک دار اور اُجلے ہو جاتے ہیں۔

اقوالِ حکیم

حکیم محمد سعید کی تحریروں کے ٹکڑے

- علم کی محبت اور استاد کی عزت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
- علم ایک ایسا سمندر ہے، جس میں چھلانگ لگانے کے بعد ہی اس کی وسعت و عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔
- دنیا میں دو سب سے اچھے کام ہیں: ایک تو اخلاق و کردار کی اصلاح دوسرے علم کی روشنی پھیلانا۔
- سچ بات کہنے کی عادت ڈالو۔ چاہے وہ کتنی ہی کڑوی ہو۔ سچ سننے کی عادت ڈالو چاہے وہ تمھارے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔
- دوست ہی نہیں اگر کوئی دشمن بھی اچھا کام کرے تو اس کی تعریف کیجیے۔
- کتابیں ہمیں نہ صرف زندگی کی سیر کرا سکتی ہیں بلکہ گزری ہوئی باتیں بھی بتاتی ہیں۔
- محنت کرنے والا کبھی پریشان نہیں ہوتا اور سست آدمی کبھی خوش نہیں رہتا۔
- سچ بات سُن کر سچ بات کہنے کی ہمت ہوتی ہے۔
- بُرائی، بُرائی ہی ہے۔ چاہے وہ دوست کرے یا دشمن۔ اچھائی تعریف کی مستحق ہے چاہے وہ کسی نے کی ہو۔
- دوستوں کی طرح کتابوں کا انتخاب بھی پوری احتیاط اور توجہ سے کرنا چاہیے
- جب کبھی فرصت ملے اُسے سُستی اور بے کاری میں مت گزارو۔ اس کو کسی اچھے کام پر صَرف کرو، چاہے اپنے لیے چاہے دوسروں کے لیے۔
- احسان کرنے والے کو چاہیے کہ وہ یہ ظاہر نہ کرے کہ اس نے احسان کیا ہے۔ جس پر احسان کیا گیا ہے اس کو چاہیے کہ وہ احسان کو یاد رکھے۔
- غور کیا جائے تو اکثر لڑائی جس بات پر ہوتی ہے وہ بالکل معمولی بات ہوتی ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

مرسلہ: ثمرہ نعیم، کراچی

زبان کتنی چھوٹی سی چیز ہے اور بہ ظاہر کتنی حقیر معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ انسان کو حیوانِ ناطق کہا گیا ہے گویا انسان اور حیوان میں تمیز اسی زبان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر زبان نہ ہوتی تو آدمی اپنے دل کی بات نہیں کہہ سکتا تھا۔ بات کرنے ہی سے آدمی پہچانا جاتا ہے اور اس کی اچھائیوں برائیوں کا دوسروں کو اندازہ ہوتا ہے۔ زبان ایک نعمت ہے۔ ہمیں اس نعمت کا شکرانہ ادا کرنا چاہیے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی زبان سے اچھے کام لے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرے۔ زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکالے جس سے کسی کو تکلیف یا رنج ہو۔ کسی کی غیبت یا شکایت نہ کرے۔ زبان سے جو بات ایک بار نکل جاتی ہے اس کا اثر بہت دن تک قائم رہتا ہے، چاہے وہ اثر اچھا ہو یا بُرا۔

مرسلہ: سعید خالق، گڑھی اختیار خان

محنت ہی سے میں نے علم حاصل کیا اور محنت ہی سے میں طِب کے فن میں آگے بڑھا۔ مسلسل محنت نے ہر پتھّر کو میرے راستے سے ہٹا دیا۔ بے شک کوشش کرنا اور آگے بڑھنے کے لیے محنت کرنا اچھی عادت ہے۔

دولت حاصل کرنے کے لیے یہ تین چیزیں ضروری ہیں: (۱) احترام — احترام سے اعلا کوئی وصف نہیں ہے۔ (۲) اطمینان — میرے دوستو! دولت کے بجائے اطمینان کو تلاش کرو۔ (۳) ہمّت — زندگی میں جو بھی مشکل آتی ہے وہ ہمت اور محنت ہی سے دُور ہو سکتی ہے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کام کرنے والے غلطی کرنے سے نہیں ڈرتے اور غلطی کرنے سے آدمی سبق سیکھتا ہے۔

زیادہ سوال کرنا بھی عقل کی کمی کی علامت ہے۔ بات کو اگر غور سے سُنا جائے تو سوال کرنے کی بہت کم ضرورت پیش آتی ہے۔

سادگی کو اپناؤ، اپنا حُسن بڑھاؤ۔

انسان کے اچھے دوستوں اور رفیقوں میں کتاب بھی ہے۔

آؤ عہد کریں کہ پاکستان سے محبّت کریں گے اور اس کو تعمیر کریں گے۔

مرسلہ: سید مبشر احمد قادری، کراچی

سمندر کی دُنیا

نوالہ در نوالہ

ڈاکٹر سہیل برکاتی

دنیا میں اگر ایک حصّہ خشکی ہے تو تقریباً تین چوتھائی پانی، یعنی سمندر ہے۔ اس سے سمندر کی دنیا کی وسعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سمندر میں ہزاروں قسم کے چھوٹے بڑے جان دار پائے جاتے ہیں۔ مگر وہ زندہ کیسے رہتے ہیں؟ کیا صرف پانی پی کر؟ ظاہر ہے کہ صرف پانی سے تو کام نہیں چل سکتا۔ اصل میں وہ ایک دوسرے کو کھاتے ہیں۔ گویا سمندر میں ایک غذائی چکّر جاری ہے۔ ایک کا نوالہ دوسرا بنتا ہے، دوسرے کا تیسرا۔ اس چکّر کو ہم نوالہ در نوالہ کہیں تو غلط نہ ہوگا۔ اس غذائی چکر کا مطالعہ مفید بھی ہے اور دل چسپ بھی۔ سمندری جان داروں میں حیوانات اور نباتات دونوں شامل ہیں۔ ہم یہاں ان کے ایک دوسرے کی غذا بننے کے عمل کی تھوڑی سی تفصیل لکھتے ہیں۔

ڈایاٹم

دوسوطیہ

سمندر میں بھی ہماری زمین کی طرح ایک دنیا آباد ہے۔ پانی میں بھی ہماری زمین کی طرح عجیب و غریب مخلوقات پائی جاتی ہیں۔ سمندر میں سرسبز اور لہلہاتے باغات بھی ہیں اور اونچے نیچے پہاڑ بھی۔ سمندر کی تہ کہیں ہموار ہے اور کہیں سخت چٹانوں کی طرح پتھریلی۔ کسی جگہ یہ نرم مٹّی سے بنی ہے اور کہیں ریتیلی ہے۔ سمندر کا پانی کسی مقام پر بہت گرم ہوتا

ہے اور کہیں اتنا ٹھنڈا کہ برف بن جاتا ہے۔ سمندر کے پانی کی ایک خصوصیت اس کی نمکینیت ہے جو مختلف قسم کے کیمیائی عناصر شامل ہونے سے پیدا ہوئی ہے۔ ان عناصر میں سوڈیم اور کلورائڈ دوسرے عناصر کی بہ نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ تو تمھیں معلوم ہی ہوگا کہ کھانے کے نمک کا کیمیائی نام سوڈیم کلورائڈ ہے۔ سمندر کے پانی میں ان کے علاوہ اور بہت سے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ میگنیشیم، کیلشیم، پوٹاشیم، اسٹرونشیم، سلفیٹ، برومائڈ، کاربن وغیرہ ان عناصر کو اصلی اجزا کہا جاتا ہے ان کے علاوہ دوسرے بہت سے عناصر نہایت قلیل مقدار میں شامل ہوتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض کی موجودگی سمندر میں نباتات کے نشوونما کے لیے بہت ضروری ہوتی ہے اس لیے ان اجزا یا عناصر کو ضروری یا اساسی اجزا کہا جاتا ہے، ان میں نائٹریٹ، فاسفیٹ، آئرن، زنک، مینگانیز، کوپر اور کوبالٹ شامل ہیں۔ اب تک جن عناصر کے نام تم نے پڑھے ہیں یہ سب غیر نامیاتی عناصر (INORGANIC ELEMENTS) ہیں۔
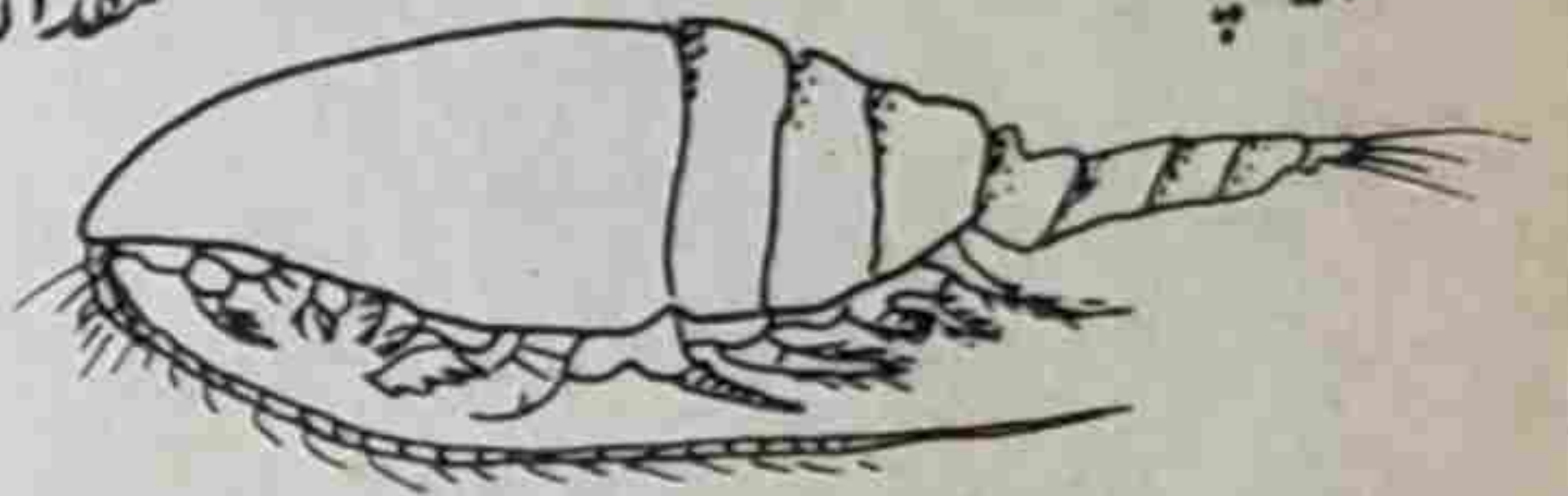
چیوپا

ہماری زمین پر نباتات اور حیوانات مل کر ایک نظام قائم کرتے ہیں جس سے زمین پر زندگی کا سلسلہ قائم رہتا ہے اور آگے بڑھتا ہے۔ اسی طرح سمندر میں بھی مختلف قسم کے حیوانات اور نباتات آباد ہیں۔ یہ سمندر کے ماحول میں ایک باقاعدہ نظام کی شکل میں رہتے ہیں۔ گویا ان میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کے لئے ضروری ہے۔ یہ کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی تفصیل ہم اس مضمون میں بتائیں گے۔

سمندری نباتات میں ایک سبز رنگ کا مادّہ ہوتا ہے، جسے کلوروفل کہتے ہیں۔ اس مادّے کی مدد سے نباتات سمندر میں موجود کاربن ڈائی اوکسائڈ اور غیر نامیاتی عناصر کو نامیاتی عناصر میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس سارے عمل میں سورج کی روشنی استعمال ہوتی ہے۔ گویا سمندری نباتات شمسی توانائی کو کیمیائی توانائی میں تبدیل کرتے ہیں۔ اس عمل کو ضیائی تالیف کہا جاتا ہے۔ اس عمل سے جو نامیاتی عناصر یا مرکبات وجود میں آتے ہیں ان میں تین نہایت اہم ہیں یعنی لحمیات (پروٹینز)، نشاستے (کاربوہائڈریٹس) اور روغنیات (فیٹس)۔ اس طریقے سے تیار ہونے والے نامیاتی مادّے کا کچھ حصّہ تو پودے خود

اپنے نشوونما کے لیے استعمال کرتے ہیں اور کچھ حصّہ اس دوران دوبارہ غیر نامیاتی مادّے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

سمندر میں جو بے شمار قسم کے نباتات ہوتے ہیں اُن میں سے بعض اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان کو صرف خردبین سے دیکھا جا سکتا ہے۔ انھیں نباتی تیراکہ (PHYTO-PLANKTON) کہا جاتا ہے۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں ڈایاٹم (DIATOM) (شکل نمبر ۱) اور دوسوطیہ (DINOFLAGELLATE) شکل نمبر ۲)۔ ان دونوں بحری نباتات کی دوسری قسموں میں فرق اس لیے کیا گیا ہے کہ ان کی تیرنے کی صلاحیتوں میں فرق ہے۔
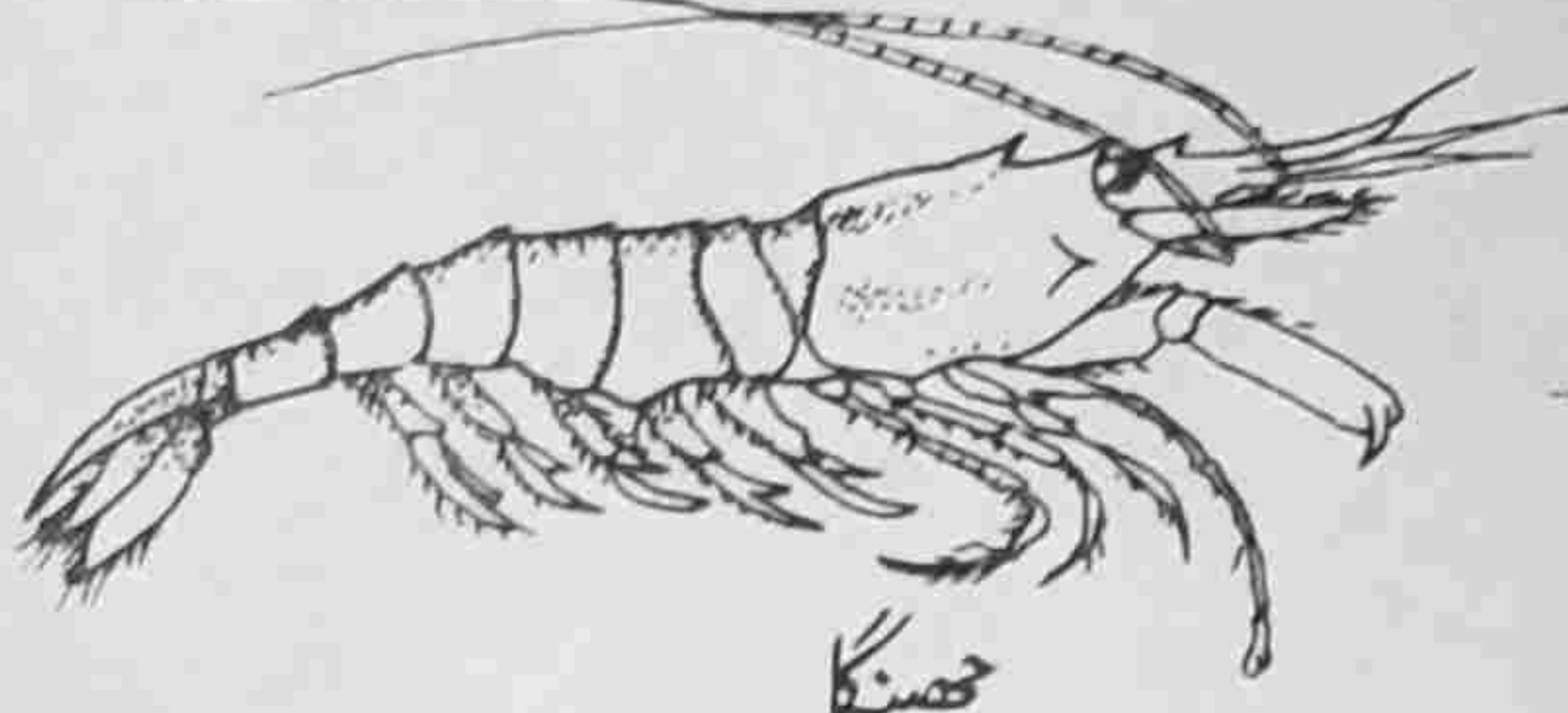
قسم وہ ہے جو سمندر کے کنارے یا سمندر کی تہ میں اُگتی ہے۔ اسے اُشنہ (الجی) کہا جاتا ہے۔ یہ جسامت میں بڑے ہوتے ہیں اور زمینی پودوں کی طرح ان میں پھل اور پھول لگتے ہیں۔ یہ تین مختلف رنگوں میں پائے جاتے ہیں یعنی سبز، بھورے اور سرخ۔

جھینگا

سمندری پیداوار یعنی نامیاتی مادّے کی تیاری کا زیادہ تر کام نباتی تیراکے' ہی انجام دیتے ہیں۔ نامیاتی مادّے کی نباتات کے ذریعے سے تیاری کو سائنسی زبان میں ابتدائی پیداوار (پرائمری پروڈکشن) کہا جاتا ہے۔ نباتی تیراکہ کو بعض سمندری جانور غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کو بنات خور حیوان کہا جاتا ہے۔ اس طرح بناتی مادّہ حیوانی مادّے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس طریقہ سے جو فصل وجود میں آتی ہے اس کو ثانوی پیداوار (سیکنڈری پروڈکشن) سے تعلق رکھنے والے چپّو پا (شکل نمبر ۳) (COPEPODS) کی ہوتی ہے۔ یہ جھینگوں (شکل نمبر ۴) کی شکل کے لیکن بہت چھوٹے سائز کے ہوتے ہیں۔ یہ نبات خور ہیں یعنی نباتی تیراکے ان کی غذا ہے۔ چپّو پا اور دوسرے چھوٹے سائز کے جانور حیوانات کے جس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں انھیں جل چر یا حیوانی تیراکہ (ZOO PLANKTON) کہا جاتا ہے۔ جل چر میں چپّو پا کے علاوہ اور بہت سے حیوانوں کی قسمیں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض عارضی طور پر حیوانی تیراکوں کے درجے میں شامل رہتے ہیں اور

بعض پوری زندگی تیراکوں کی حیثیت سے گزار دیتے ہیں۔ عارضی تیراکوں میں اُن
جانوروں کے چھوٹے بچے شامل ہوتے ہیں جو بڑے ہو کر سمندر کے کنارے چلے
جاتے ہیں۔

نباتی تیراکوں کو اپنی غذا بنانے والوں میں کئی قسم کے جانور آتے ہیں۔ ان
جانوروں کی مشترکہ خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ قدرت نے ان کو چھلنی کی طرح کا عضو
عطا کیا ہے۔ جس کے ذریعہ سے یہ پانی میں موجود نباتی تیراکوں کو چھان کر روک
لیتے ہیں۔ چپّو پا کی ایک قسم کیلے نس (CALANUS) کے منھ کے بعض حصّے مل کر ایک
خاص قسم کی چھلنی کی مدد سے جانور پانی میں آگے بڑھتا ہے اور پانی جسم میں داخل ہوتا
ہے۔ سمندر کے ساحل پر زمین کی تہ سے مستقل طور پر چپک کر رہنے والے جانوروں کی
خوراک بھی نباتی تیراکے ہی ہوتے ہیں۔ چوں کہ یہ جانور غذا حاصل کرنے کے لیے اپنی
جگہ سے ہل نہیں سکتے، اس لیے ان کی غذا کا دار و مدار پانی میں موجود نباتی تیراکوں پر
ہے۔ ان جانوروں میں مختلف قسم کی سیپیاں
(شکل نمبر ۵) اور سرخاب (BARNACLE)
شامل ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ سمندر
کے پانی میں موجود غذا حاصل کرنے کے لیے
ہر قسم کے حیوانات کی چھلنی الگ قسم کی ہوتی
ہے۔ اور حیوانات کی مختلف قسمیں مختلف نباتی
تیراکوں کا انتخاب کرتی ہیں۔ یہ نہیں کہ نباتی تیراکہ کی جو قسم ہاتھ لگ گئی کھالی۔
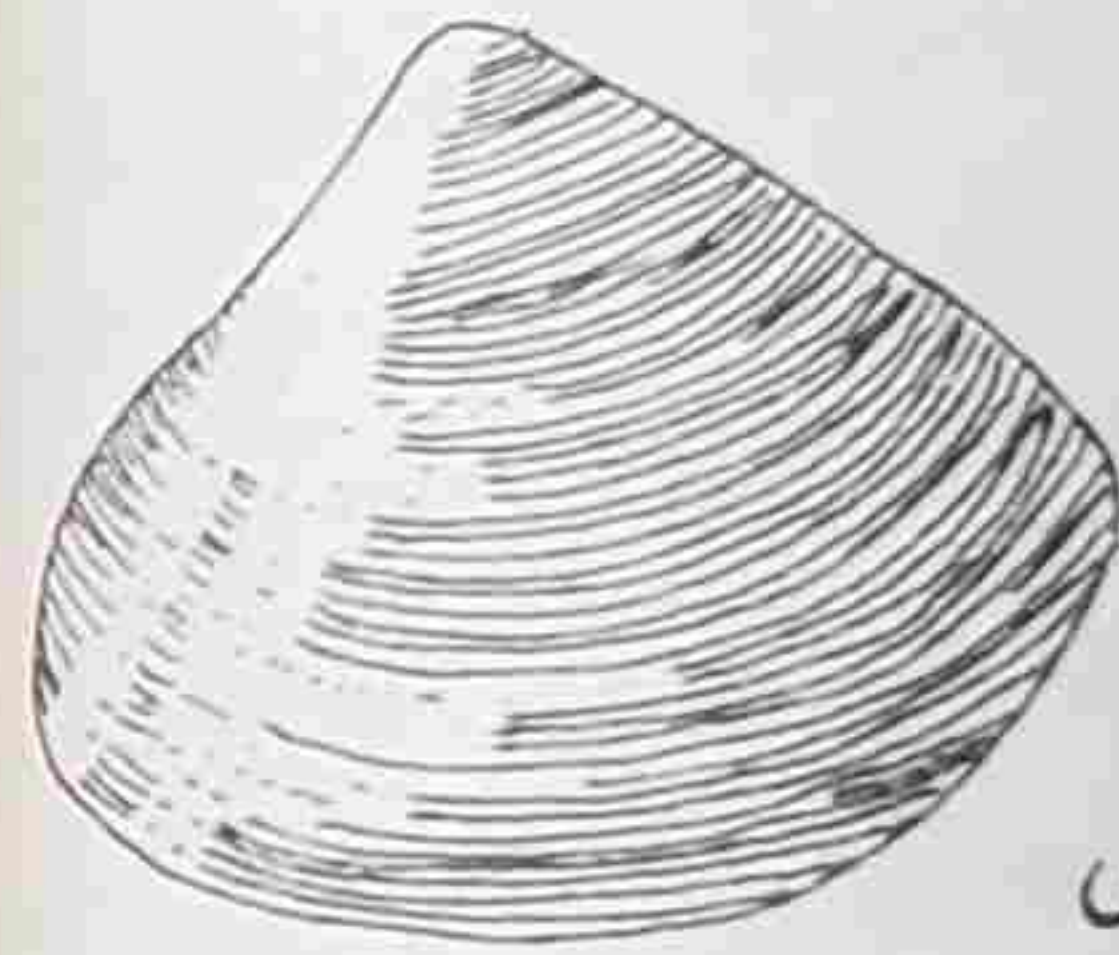
سیپی

یہ تو ذکر تھا نبات خور حیوانوں کا۔ سمندر میں پائے جانے والے حیوانوں کی دوسری
قسم گوشت خور کہلاتی ہے۔ ان کی بھی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہوتی ہے جن کی غذا
نبات خور حیوان ہوتے ہیں۔ اس طریقے سے جو نامیاتی مادّہ تیار ہوتا ہے اُسے ثلاثی پیداوار (TERTIARY PRODUCTION)
کہا جاتا ہے۔ اس فہرست میں مچھلیوں اور وھیل کی
کچھ قسمیں، چپّو پا، جیلی فش (شکل نمبر ۶) دوسرے جانور ہوتے ہیں۔ جیلی فش کے شکار کرنے
کا انداز بڑا نرالا ہوتا ہے۔ ان کے جسم میں لمبے اور دھاگے نما محاس (TENTACLES)

ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایسے خلیے ہوتے ہیں جو چھوٹے حیوانی
تیراکوں کے لیے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ جیلی فش اپنے محاس
کے ذریعہ سے ان حیوانات کو سمیٹ لیتی ہے اور کھا جاتی
ہے۔ بعض مچھلیاں بھی حیوانی تیراکوں کو بطور غذا استعمال
کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر سارڈین، میکرل (شکل نمبر ۷)،
ہیرنگ (شکل نمبر ۸) وغیرہ۔ ان مچھلیوں کے کھانے کا طریقہ یہ
ہوتا ہے کہ سمندری پانی ان کے منھ سے ہوتا ہوا گلپھڑوں

جیلی فش
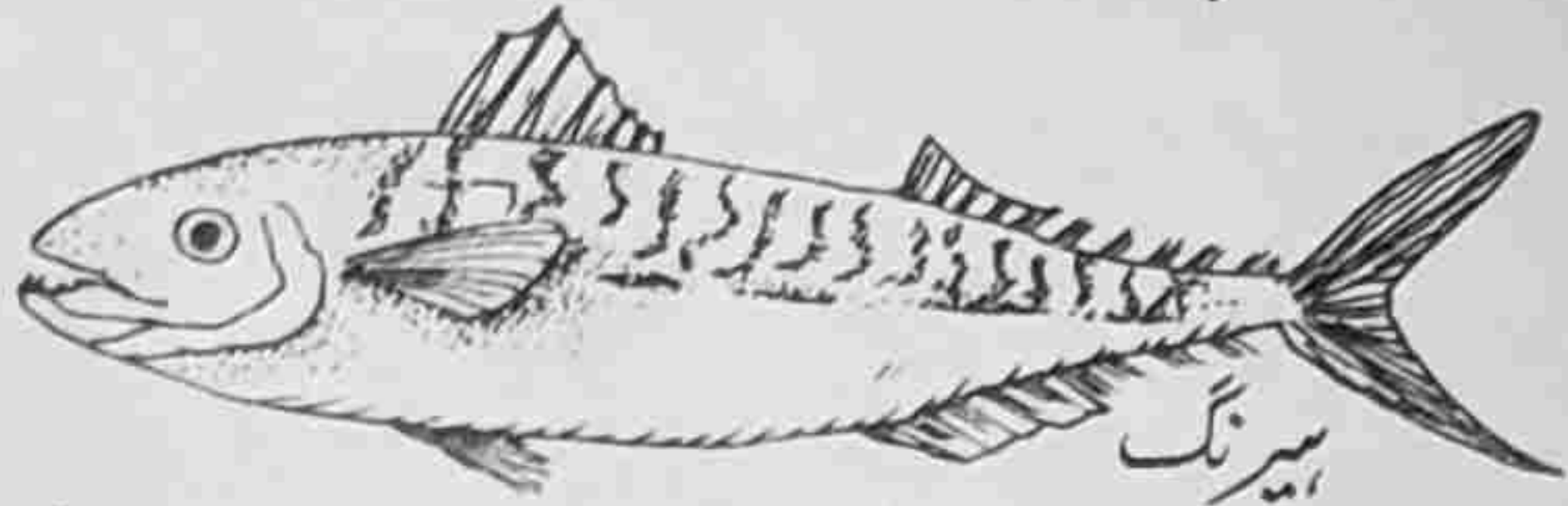
ہیرنگ

سے گزرتا ہے۔ مچھلی کے
گلپھڑے اور بعض دوسرے حصّے ایک جالی کا کام دیتے ہیں جن میں سے پانی تو
گزر جاتا ہے لیکن پانی میں موجود ایک خاص سائز کے حیوانی تیراکے رک جاتے ہیں۔ یہ
تیراکے مچھلی کی غذا بن جاتے ہیں۔ ایک ہیرنگ مچھلی کے معدہ میں ساٹھ ہزار تک چپّو پا
پائے گئے ہیں۔ وھیل بون وھیل جو دنیا کا سب سے بڑا جانور کہلاتی ہے۔ اس کی غذا
کا بڑا حصّہ بھی جل چر ہوتے ہیں۔ اس مچھلی کے منھ میں ہڈی کی پلیٹیں اس طرح لگی ہوتی
ہیں کہ ان میں سے پانی تو گزر جاتا ہے لیکن چھوٹے چھوٹے بے شمار جل چر رک جاتے ہیں۔
گوشت خور جانوروں کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جو چھوٹے چھوٹے حیوانوں کو پانی
میں سے چھان کر پکڑنے کے بجائے اپنے جیسے حیوانوں کا شکار کرتی ہے۔ یہ شکار بڑے
سائز کے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی۔ ان شکاری حیوانوں کی آنکھوں اور دانتوں کو
قدرت نے ضرورت کے مطابق بدل دیا ہے۔ اس گروپ میں سالمن (شکل نمبر ۹)
(SALMON)، ٹونا (TUNA) اور باراکوڈا (BARRACUDA) جیسی مچھلیاں آتی ہیں۔ یہ
مچھلیاں عام طور سے اُن مچھلیوں کا شکار کرتی ہیں جن کی غذا حیوانی تیراکے ہوتے ہیں۔
بعض دودھ دینے والے جانور جیسے دانتوں والی وھیل (SPERM WHALE) بھی گوشت

خور گروہ میں شامل ہے۔ اس کے نچلے جبڑے میں دانت ہوتے ہیں۔ اپنے شکار کے لیے یہ سمندر کی گہرائی میں بھی جاتی ہے جہاں ایک اور سمندری جانور قیرماہی (SQUID) ملتا ہے جو اس کی محبوب غذا ہے۔

سمندر کے غذائی نظام میں ایسے حیوانات کی کمی نہیں جو ساحل پر رہتے ہیں ایک دوسرے کا شکار کر کے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ ستارہ مچھلی (شکل نمبر ۱۰) اپنی پڑوسی سیپیوں کی دشمن ہوتی ہے۔ اپنے بازوؤں سے سیپی کا خول کھول کر اس کا گوشت چٹ کر جاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ گھونگے (شکل نمبر ۱۱) بھی سیپیوں کے دشمن ہوتے ہیں اور اپنے جسم کے ایک حصّے سیفنی عضو (SIPHON) کے ذریعہ سے سیپی کے خول میں سوراخ کر کے سارا گوشت ہڑپ کر جاتے ہیں۔ سمندر کی تہ میں رہنے والی بعض مچھلیاں بھی چھوٹے حیوانوں کا شکار کرتی ہیں۔

سالمن
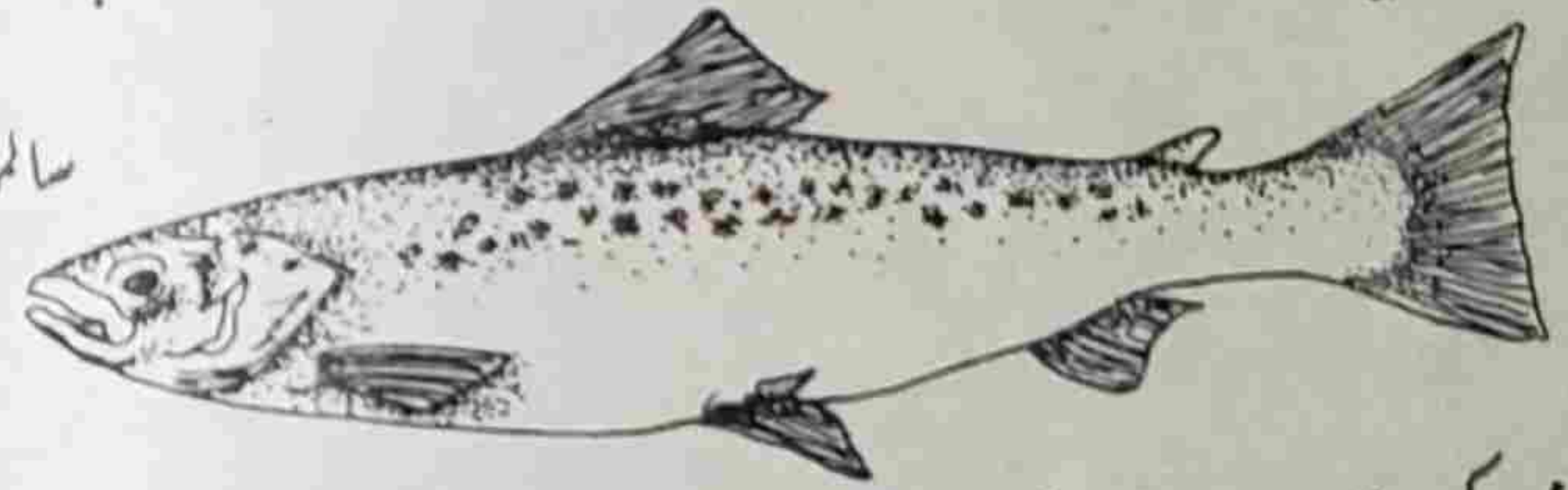
سمندر کی دنیا میں جہاں مختلف قسم کے جانور اور پودے ایک دوسرے کو اپنی غذا بناتے ہیں وہاں جانور اور پودے قدرتی موت بھی مرتے ہیں۔ اس طرح زندہ اور مُردہ جسم سمندر کی تہ میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں اُن نباتات و حیوانات کے مردہ اجسام بھی شامل ہو جاتے ہیں جو سمندر کی تہ ہی میں رہتے ہیں یہ سب مل کر جو چیز بناتے ہیں اُسے چُورا (DETRITUS) کہتے ہیں۔ اس مادّے کو استعمال کرنے والے جان دار بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں جنھیں ریخت خور حیوان کہا جاتا ہے۔ اس گروپ میں دوسرے حیوانوں کے علاوہ بیکٹیریا کی کثرت ہے۔ کیچوا سمندر کی نرم مٹّی کھود کر کھاتا ہے اور اس طرح اس مٹّی کے غذائی اجزا بھی اس کی خوراک بن جاتے ہیں اسی طرح ایک سیپی یا صدف

ماکوما (MACOMA) نام کی ہوتی ہے جو کم گہرے پانی میں مٹّی کے اندر دبی پڑی رہتی ہے۔ ماکوما اپنے سائفن کے ذریعہ سے مٹّی کی سطح پر موجود غذائی مادّے کو سمیٹ کر کھا لیتی ہے۔ سمندری کھیرا غذا کی تلاش میں اپنے اطراف کی مٹّی کو نگلتا رہتا ہے۔ ایک سائنس داں کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ برمودا کے ساحل پر سمندری کھیرا ایک سال میں ایک مربع میٹر رقبے میں سے چھے سات کیلو مٹّی کھاتا ہے۔ اس طرح کے اور بہت سے جانور ہیں جو سمندر کی تہ پر موجود غذا کو استعمال کرتے ہیں۔

تارا مچھلی

گھونگا

آپ نے شروع میں پڑھا تھا کہ سمندری نباتات غیر نامیاتی عناصر کی مدد سے نامیاتی مرکبات تیار کرتے ہیں۔ سمندر میں ان غیر نامیاتی عناصر کا ہر وقت موجود رہنا ضروری ہے۔ ایک بار استعمال ہونے کے بعد دوبارہ یہ کہاں سے آتے ہیں؟ یہ بڑا اہم سوال ہے کیوں کہ اگر یہ ختم ہو جائیں تو سمندر میں موجود تمام نباتاتی اور حیواناتی زندگی ختم ہو جائے۔ ان عناصر کے پیدا ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ بعض عناصر جیسے فاسفورس، امونیا، یوریا اور امینو ترشے ایسے ہیں جو سمندری جانور اپنے جسم سے خارج کرتے ہیں۔ ان عناصر کو سمندری نباتات اسی شکل میں استعمال کر لیتے ہیں۔ دوسری صورت جس کے ذریعہ سے عناصر کا بڑا حصّہ وجود میں آتا ہے یہ ہے کہ سمندر میں موجود جراثیم مردہ حیوانی اور نباتی اجسام پر عمل کر کے غیر نامیاتی عناصر بناتے ہیں۔ یہ مردہ اجسام اور فضلہ سمندر کے پانی میں شامل ہوتا رہتا ہے لیکن اس میں پوری طرح حل نہیں ہو پاتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ کچھ حصّہ تو حل ہو جاتا ہے لیکن اصل کام جراثیم انجام دیتے ہیں۔ یہ جراثیم زیادہ تعداد میں سمندر کی تہ میں موجود

ہوتے ہیں۔ اور وہاں پہنچنے والے مُردہ اجسام کو پہلے حل ہونے والے نامیاتی مادّے
میں اور پھر غیر نامیاتی مادّے میں تبدیل کرتے ہیں۔ جراثیم اس عمل کے دوران خود بھی نشوونما
پاتے ہیں۔ اس طرح سمندری جراثیم دو کام انجام دیتے ہیں۔ پہلا یہ کہ نامیاتی مرکبات کو
غیر نامیاتی عناصر میں تبدیل کرتے ہیں تاکہ وہ نباتات کے کام آسکیں۔ دوسرا یہ کہ نامیاتی مادّے
کو استعمال کرکے وہ اپنی جسامت بڑھاتے ہیں اور ان جراثیم کو دوسرے حیوان بطور غذا
استعمال کرتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ سمندری دنیا میں کھانے اور کھائے جانے کا ایک مسلسل عمل جاری
ہے۔ سمندر کی اوپری سطح پر پودے غذا تیار کرنے میں مصروف ہیں جو مختلف جانور سلسلہ وار
کھاتے ہیں اور پھر مردہ اجسام سمندر کی تہ میں پہنچتے ہیں، جہاں جراثیم دوبارہ ان کو اس
قابل بناتے ہیں کہ وہ اوپر پہنچ کر نباتات کے استعمال کے قابل بن سکیں۔

اگست ۸۵ء کا جواب

(سات چڑیاں)

تحفے

مسکراتے جملے — عظیم اقوال — انوکھے نکتے — دل چسپ تحریریں

ایک شعر

مرسلہ: محمد عدنان شیخ، نواب شاہ

پھول کی پتّی سے کٹ جاتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

— اقبال

تُو کیوں روتا ہے

مرسلہ: عبدالرشید تبسم، حاصل پور

ایک آدمی حضرت سعیدؓ بن العاص کے پاس کچھ مانگنے آیا۔ آپ نے اسے پانچ سو ..... دینے کا حکم دیا اور کسی کا نام نہ لیا۔ نوکر نے پوچھا، "درہم دوں یا دینار؟" آپ نے جواب دیا، "میرا درہم کا خیال تھا، لیکن تمھیں اس میں شک ہوا ہے اور اس نے بھی سُن لیا ہے اس لیے دینار ہی دے دو۔" سائل بیٹھ کر رونے لگا۔ حضرت سعیدؓ نے پوچھا، "تُو کیوں روتا ہے؟" اس نے کہا، "میں اس لیے روتا ہوں کہ تیرے جیسا سخی زمین میں اُترے گا اور مٹی اسے کھائے گی۔"

تحسین کے پھول

مرسلہ: محمد پرویز، نثر پھور خورد

بڑے عرصے کی بات ہے کہ ایک نوجوان کے دل میں افسانہ نگار بننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ حالات اس کے لیے سازگار نہ تھے۔ اس کی تعلیم پرائمری تک تھی۔ قرض ادا نہ کرنے کے باعث اس کا باپ قیدخانے میں تھا۔ اُسے خود کئی کئی روز فاقے کرنے پڑے۔ اُسے پیٹ پالنے کے لیے ایک کارخانے میں بوتلوں پر لیبل چسپاں کرنے کی ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ وہاں اُس نے ایک افسانہ لکھا اور رات کے اندھیرے میں اُسے سپردِ ڈاک کیا۔ کہیں اُسے کوئی دیکھ نہ لے اور اُس کا مذاق نہ اُڑائے۔ وہ افسانہ شائع نہ ہوا۔ اُس کے دو اور افسانے بھی رَد ہوئے، لیکن وہ مایوس نہیں ہوا اور برابر لکھتا رہا۔ اُس کا ایک افسانہ چھپ گیا۔ معاوضہ اسے ایک پائی بھی نہ ملا، لیکن ایڈیٹر نے اس کی تعریف کے چند الفاظ ضرور لکھ دیے تھے۔ نوجوان اس سے اتنا متاثر ہوا کہ رسالہ لے کر بازار میں بے تحاشا دوڑنے لگا اور خوشی کے آنسو اُس کی آنکھوں سے بے تحاشا گر رہے تھے۔ تعریف کے ایک پھول نے اس کی زندگی کے دھارے کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ اگر وہ اس داد سے محروم رہتا تو دنیا اُس کی ادبی خدمات سے محروم رہتی اور وہ بوتلوں پر لیبل لگانے میں عمر گزار دیتا۔ آپ نے بھی اس نوجوان کا نام ضرور سُنا ہوگا۔ یہ انگریزی کا مشہور ادیب چارلس ڈکنز تھا۔

پچاس رُپے والا کام

مرسلہ: محمد عادل منظور، ڈھوک کھبہ

ایک نواب صاحب کو اپنے بچّے کے لیے ایک عدد استاد کی ضرورت تھی۔ ایک استاد صاحب کو انٹرویو کے لیے طلب فرمایا گیا۔ استاد صاحب پرانی شیروانی کی شکنوں کو ٹھنڈی استری سے درست کر کے وہاں پہنچ گئے۔ تنخواہ کی بات ہوئی۔ کہا گیا، پچاس رُپے۔ استاد صاحب راضی ہو گئے۔ راضی ہونا ہی تھا۔ علم بیچنے آئے تھے فلم نہیں۔ چلتے چلتے استاد نے ڈرتے ڈرتے پوچھا، "سائیں! جو سائیس گھوڑے کی مالش کر رہا ہے اس کی تنخواہ کیا ہے؟" جواب ملا، "پانچ سو رُپے۔" استاد صاحب نے نوکری کی امان پا کر عرض کیا، "حضور! بندہ نواز! اپنے لختِ جگر کو پانچ سو رُپے والا کام کیوں نہیں سکھا دیتے، میں تو اسے ۵۰ رُپے کا آدمی بنا سکوں گا۔"

بِل

مرسلہ: اعجاز بشیر، ماڈل کالونی

گلی کے ایک خالی بورڈ کے نزدیک سے ایک پادری کا گزر ہوا تو اس نے بورڈ پر لکھ دیا، "میں سب کے لیے دُعا کرتا ہوں۔" اس کے بعد ایک وکیل وہاں سے گزرا تو اس نے اس کے نیچے اپنی طرف سے لکھا، "میں سب کے مقدمے لڑتا ہوں۔" وکیل کے بعد ایک ڈاکٹر اس طرف آنکلا تو اس نے وہاں لکھا، "میں سب کا علاج کرتا ہوں۔" جب ایک شہری نے وہاں سے گزرتے ہوئے یہ تحریریں پڑھیں تو اس نے آخر میں لکھ دیا، "میں ان سب شرفا کے بِل ادا کرتا ہوں۔"

صرف ایک عیب

مرسلہ: سیما خانم، کراچی

ایک بڑی اداکارہ سے انٹرویو کے دوران پوچھا گیا:

"کیا آپ واقعی چائے نہیں پیتیں؟"

"جی نہیں۔"

"اور سگرٹ؟"

"جی وہ بھی نہیں۔"

"شراب بھی نہیں؟"

"میں شراب اور شرابیوں پر لعنت بھیجتی ہوں۔"

"تو کیا آپ میں کوئی عیب نہیں؟"

"جی نہیں، مجھ میں ایک عیب ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں جھوٹ بولتی ہوں۔" اداکارہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

واہ صاحب

مرسلہ: اشوک بابو، سانگھڑ

ٹکٹ چیکر ڈبّے میں داخل ہوا تو پروفیسر صاحب اخبار پڑھنے میں معروف تھے۔ ٹکٹ چیکر ان کے سامنے پہنچا تو وہ اخبار سے نظریں اُٹھا کر اپنی جیب میں ٹکٹ تلاش کرنے لگے۔ کوئی پانچ منٹ بعد ٹکٹ چیکر

نے کہا، "رہنے دیجیے پروفیسر صاحب، میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ نے ٹکٹ ضرور خریدا ہو گا۔" پروفیسر صاحب چیں بہ چیں ہو کر بولے:

"واہ صاحب آپ بھی کمال کرتے ہیں اگر ٹکٹ نہ ملا تو یہ کیسے پتا چلے گا کہ مجھے کون سے اسٹیشن پر اُترنا ہے۔"

سائنس داں متوجہ ہوں

مرسلہ: مونا عروج بٹ، لاہور

نَر اور مادہ مکّھی کی پہچان کے لیے ایک شخص نے عجیب طریقہ نکالا۔ ایک روز اس نے اعلان کیا کہ آج میں نے چھے مکّھیاں ماریں۔ تین نر تھیں اور تین مادہ!

اس کی بیوی نے پوچھا، "لیکن نر اور مادہ کا پتا آپ کو کیسے چل گیا؟" اس نے جواب دیا، "بڑی آسانی سے تین مکّھیاں مٹھائی پر بیٹھی تھیں اور تین آئینے پر۔"

تیسری بار پھل

مرسلہ: شیر بہادر افغانی شیر زادہ، لانڈھی

نوشیروان عادل ایک روز شکار کے لیے جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے ایک بوڑھے کو دیکھا۔ یہ بوڑھا اپنے باغ میں ایک پودا لگا رہا تھا۔ بادشاہ نے اپنا گھوڑا روک کر بوڑھے سے سوال کیا، "بابا! کیا تمھیں یقین ہے کہ تم اس پودے کے پھل کھانے کے لیے زندہ رہو گے۔" بوڑھے نے فوراً جواب دیا، "جہاں پناہ! ہم زندگی بھر دوسروں کے لگائے ہوئے درختوں کے

پھل کھاتے رہے ہیں۔ اب ہمارے لگائے ہوئے درختوں کے پھل دوسرے کھائیں گے۔" بوڑھے کی حاضر جوابی سے نوشیرواں بہت خوش ہوا اور اُسے انعام میں سو دینار دیے۔

بوڑھے نے جھک کر بادشاہ کو سلام کیا اور کہا، "حضورِ عالی، میرا لگایا ہوا درخت تو زندگی میں ہی پھل لے آیا۔" بوڑھے کی اس بات سے بادشاہ اور زیادہ خوش ہوا اور دوبارہ سو دینار بوڑھے کو دیے۔ بوڑھے نے کہا، "سرکار، دوسروں کے لگائے ہوئے درخت تو سال میں صرف ایک ہی بار پھل لاتے ہیں، لیکن میرا لگایا ہوا درخت لگاتے ہی ایک دن میں دو مرتبہ پھل لے آیا۔"

بادشاہ کو بوڑھے کی یہ بات بھی پسند آئی۔ چناں چہ اس نے تیسری بار بھی سو دینار بوڑھے کو دیے اور جواب کا انتظار کیے بغیر ہی چلا گیا۔

ایک شعر

مرسلہ، حمیرا معظم، ہیرآباد

ابتدا یہ تھی کہ میں تھا اور دعوا علم کا
انتہا یہ ہے کہ اس دعوے پہ شرمایا بہت

—— جگن ناتھ آزاد

آپ کو کہیں دیکھا ہے

مرسلہ، عبدالقادر، بیلہ

ایک دفعہ میں سودا سلف لینے انارکلی جا رہا تھا کہ راستے میں مجھے کپور تھلہ ہاؤس کے پاس ادھیڑ عمر

کے خوش شکل اور خوش پوش معزز آدمی ملے۔ اپنی موٹر کار سے نیچے اُتر کر مجھے سر سے پاؤں تک بغور دیکھنے لگے۔ آخر حافظے پر پورا پورا زور ڈال کر صرف اتنا کہا: "میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے!"

"دیکھا ہوگا حضور! مجھے تو یاد نہیں۔" میں نے ادب سے جواب دیا۔

"کیا آپ اور میں ملبورن کے سیسل ہوٹل میں نہیں ملے تھے؟" اس نے دوبارہ مجھ سے پوچھا۔

"مگر میں تو کبھی ملبورن نہیں گیا۔" میں نے متعجب ہو کر کہا۔

اس کے بعد اس نے اپنی نئی موٹر کار کو اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا: "جاتے جناب! اپنا راہ لیجیے، اوسٹریلیا تو کبھی میں بھی نہیں گیا تھا۔ ہماری شکل و صورت کے کوئی اور دو آپس میں ملے ہوں گے۔"

آزادی کی روح

مرسلہ: عبد الرؤف، ٹیکسلا

بادشاہ نے منڈی سے ایک غلام پسند کیا اور اسے ایک زور دار ٹھوکر ماری۔ غلام نے بھی جواب میں بادشاہ کو ایک لات رسید کی۔ بادشاہ کے چہرے پر تبسم کی لہر دوڑ گئی۔ اُس نے غلام کی قیمت ادا کی اور اُسے یہ کہتے ہوئے آزاد کر دیا کہ اس میں آزادی کی روح چمکتی ہے۔

جیل کے اندر

مرسلہ: محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

دنیا کے بہت سے مشہور لوگوں نے جیل کے اندر ایسی ایسی عمدہ کتابیں لکھی ہیں کہ جن سے نفسیات کے ماہرین کو یقین ہو گیا کہ جیل کے اندر عظیم ادب تخلیق کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ جیل کے اندر قیدی کا صرف ایک ہی طرف دھیان رہتا ہے۔ اوسٹریلیا کا ایک غریب شخص جو بڑی مشکل سے اپنا گزارا کرتا تھا ایک چوری کے الزام میں جیل چلا گیا۔ جس کمرے میں وہ قید تھا اُس میں کچھ چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے بھی تھے۔ وہ بیٹھے بیٹھے بہت دیر تک ان کیڑے مکوڑوں کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ بعد میں اس نے کیڑے مکوڑوں کی عادات پر ایک کتاب لکھی۔ ایگونی گاف نام کے اس شخص کی یہ کتاب اوسٹریلیا کے سارے اسکولوں کے نصاب میں شامل ہے۔ اور کتاب کی رائلٹی سے وہ غریب شخص کروڑ پتی بنا ہوا ہے۔

پھل دار درخت

مرسلہ: دل عزیز صدیقی، لیاقت آباد

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "بیٹے! ایمان کے بعد سب سے پہلے ایک مخلص اور دانا دوست تلاش کرو۔ ایسا دوست ایک پھل دار درخت کی مانند ہے، اُس کے نیچے بیٹھو گے تو سایہ دے گا اور اوپر چڑھو گے تو پھل ملیں گے۔"

جواب

مرسلہ: شازیہ کنول، نواب شاہ

حضرت خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز شام ڈھلے میں نے ایک بچے کو دیکھا کہ روشن شمع لیے

جا رہا ہے۔ میں نے اسے روک کر پوچھا: "بیٹے! تم بتا سکتے ہو کہ یہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے؟" بچے نے میرا سوال سنتے ہی ایک لمحے توقف نہ کیا، فوراً پھونک مار کر شمع گل کر دی اور مجھ سے کہنے لگا: "آپ مجھے بتائیں کہ روشنی کہاں چلی گئی تو میں آپ کو بتا دوں کہ روشنی کہاں سے آ رہی تھی۔" اور میں یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔

انمول موتی

مرسلہ: شہناز پروین ہاشمی، کراچی

* کوشش ہر بند دروازے کو کھول دیتی ہے۔
* ناقابلِ اعتماد دوستوں کے ساتھ رہنے سے تنہا رہنا بہتر ہے۔
* بے غرض محبت عظیم انسان کی خصوصیت ہے۔
* اپنے رنج والم غرق کرنے کی بہترین جگہ دوسروں کی مصیبتوں کے سمندر میں ہے۔
* جو اپنی موجودہ حالت پر مطمئن نہیں اُسے بہتر حالت بھی مطمئن نہیں کر سکتی۔

گل اور خار

مرسلہ: زینب یوسف، عثمانیہ کالونی

گُل اور خار میں بہت گہرا رشتہ ہے۔ دونوں کی پرورش میں ایک ہی مٹی، پانی اور ہوا شامل ہیں۔ دونوں باغ کی آبرو ہیں۔ ایک سے باغ کی زینت ہے اور دوسرا اس زینت کا محافظ ہے۔

شرم

مرسلہ: رانا صفوت سجاد احمد، چک نمبر ۸ فتح

معروف کرخیؒ کے ماموں شہر کے حاکم تھے۔ ایک روز وہ راستے سے گزر رہے تھے۔ دیکھا کہ معروف کرخیؒ روٹی تناول فرما رہے ہیں اور اُن کے سامنے ایک کتا بیٹھا ہے۔ وہ ایک لقمہ کتے کو ڈالتے اور ایک لقمہ اپنے منھ میں رکھ لیتے۔ یہ حال دیکھ کر ماموں نے کہا: "شرم نہیں آتی، کتے کے ساتھ روٹی کھا رہے ہو!"

معروف کرخیؒ نے جواب میں فرمایا: "شرم ہی کے باعث میں اس کے ساتھ کھاتا ہوں" (یعنی اکیلا کیسے کھاؤں؟)

اس کے بعد سر اُٹھا کر ایک اُڑتے ہوئے پرندے کو اشارے سے بلایا۔ پرندہ آپ کے ہاتھ پر آ بیٹھا اور اپنا منھ پروں میں چھپا لیا۔ معروف کرخیؒ نے فرمایا: "دیکھو جو اللہ تعالیٰ سے شرم رکھتا ہے اس سے تمام چیزیں شرم رکھتی ہیں۔"

حلوہ اور وصیت

مرسلہ: سیدہ سعدیہ انجم

ایک اعرابی (عرب کا دیہاتی) حجاج بن یوسف کے پاس آیا اور باتیں کرنے لگا۔ اتنے میں کھانے کا وقت ہو گیا چناں چہ دسترخوان چُنا گیا اور حاضرین آکر بیٹھ گئے، وہ اعرابی بھی کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔ آخر میں حلوہ لایا گیا۔ حجاج نے اعرابی سے منھ موڑ کر

ایک لقمہ حلوے سے کھایا، پھر کہا، "اس حلوے میں جس نے ہاتھ لگایا اُس کی گردن اُڑا دوں گا!"

چناں چہ جو لوگ دسترخوان پر بیٹھے تھے انھوں نے اپنے ہاتھ روک لیے اور حلوہ کھانے کے ارادے سے باز آ گئے۔

اعرابی کی کیفیت سب سے جُدا تھی۔ ایک طرف حلوے کی کشش دوسری طرف حجاج کا ڈر۔ کبھی وہ حلوے کی طرف دیکھتا کبھی حجاج کی طرف۔ کبھی جی چاہتا کھا جاؤں۔ یہی سوچتا تھا۔ اِس جراتِ رندانہ کی قیمت جان ہے!

آخر اعرابی نے حجاج سے کہا:

"اے امیر المومنین! اپنی اولاد کے لیے آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اُس سے اچھا برتاؤ کیجیے گا!"

یہ کہہ کر سارا حلوہ ایک ہی دفعہ میں چٹ کر گیا۔ حجاج ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔

عاقل اور پاگل بہلول

مرسلہ: عبد الرشید اسماعیل، کراچی

ایک دن بغداد کے ایک سوداگر سے بہلول کی ملاقات ہوئی۔ سوداگر نے کہا، "جناب شیخ بہلول! آپ مجھے مشورہ دیجیے کہ میں کیا چیز خریدوں جس سے مجھے زیادہ نفع ہو؟"

بہلول نے جواب دیا، "لوہا اور روئی۔"

اس شخص نے کافی لوہا اور روئی خرید کر ذخیرہ کر لیا اور کچھ مہینے بعد بیچ کر کافی نفع کمایا۔ ایک دن پھر بہلول سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ اس دفعہ اس نے پھر پوچھا:

"اے پاگل بہلول! میں کیا چیز خریدوں جس سے مجھے نفع ہو؟" بہلول نے اس دفعہ کہہ دیا، "پیاز اور تربوز خرید لے۔"

اس بار سوداگر نے تمام سرمائے سے پیاز اور تربوز خرید لیے۔ تھوڑے ہی دنوں میں پیاز اور تربوز سڑ گئے اور کافی نقصان ہوا۔ وہ فوراً بہلول کے پاس گیا اور بولا، "جب میں نے تم سے مشورہ کیا تھا تو تُو نے کہا تھا کہ لوہا اور روئی خرید لو، لیکن دوسری مرتبہ تم نے مجھے غلط مشورہ دیا۔ اور میری تمام پونجی ضائع ہو گئی۔"

بہلول نے اس سے کہا پہلے تُو نے مجھے جناب شیخ بہلول (عقل مند) کہا تھا، اس لیے میں نے عقل کے مطابق مشورہ دیا تھا، لیکن دوسری بار تُو نے مجھے پاگل بہلول کہا تو میں نے تجھے پاگل بن کر مشورہ دیا۔ یہ سُن کر وہ شخص اپنے طرزِ خطابت سے شرمندہ ہوا اور بات سمجھ گیا۔

دو نکتے

مرسلہ: فرحانہ رشید، کراچی

نظربندی: قیدی کی زندگی اپنی تمام تر بندشوں اور تنہائیوں کے ساتھ انسان کو باغی بنا دیتی ہے۔ نظربندی کا سب سے ہول ناک پہلو یہ نہیں کہ اس سے انسان کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ دل تو بناتے ہی

گئے ہیں توڑنے کے لیے۔ بلکہ یہ کہ نظربندی انسان کے دل کو پتھر بنا دیتی ہے۔ مسرتیں خوب صورت جسموں کے لیے اور غم خوب صورت دلوں کے لیے ہوتے ہیں۔ (آسکر وائلڈ)

خوشیاں: خوشیوں کا ذرا سا احساس بھی انسان کو کسی قدر مسرور بنا دیتا ہے۔ انسان ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ چاہے یہ خوشیاں عارضی ہی کیوں نہ ہوں۔ ویسے بھی خوشیاں انسانی زندگی میں بہت کم آتی ہیں۔ بعض اوقات لمبے عرصے کے لیے، کبھی ایک دن کے لیے اور بعض اوقات تو صرف ایک لمحے کے لیے۔ اور گزرتے لمحے کا پتا بھی نہیں لگتا کہ اُڑتا ہوا لمحہ ایک دم غائب ہو جاتا ہے اور انسان نہ چاہتے ہوئے بھی ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتا ہے۔ (سعید امیر احمد)

صاف گوئی

مرسلہ: فضل ربی راہی، مینگورہ

حجاج بن یوسف بہت ظالم حکم راں تھا۔ ایک بار وہ دو آدمیوں کو سزا دے رہا تھا کہ ان میں سے ایک نے کہا، "اے حجاج، مجھ کو سزا نہ دے، میرا ایک حق تیرے اوپر ہے۔" حجاج نے دریافت کیا، وہ کون سا حق ہے؟ اس آدمی نے جواب دیا کہ ایک شخص تجھے گالیاں دے رہا تھا۔ میں نے اسے گالیاں دینے سے روکا تھا۔ حجاج نے پوچھا، کوئی گواہ ہے؟ اس شخص نے کہا، "میرا گواہ یہی قیدی ہے جو میرے برابر کھڑا ہے۔" قیدی نے کہا، واقعی یہ ٹھیک کہتا ہے۔

حجاج نے اس گواہ سے پوچھا، تُو نے گالیاں دینے والے شخص کو خود کیوں گالیاں دینے سے منع نہ کیا؟

اس نے جواب دیا، چوں کہ میں تجھ کو دشمن سمجھتا ہوں، اس وجہ سے خاموش رہا۔ حجاج نے سنگ دل اور سفّاک ہونے کے باوجود ان کی صاف گوئی پر دونوں کو رہا کر دیا۔

دوستی

مرسلہ، خالد فیض، ٹیکسلا

دوستی ایک حسین عمارت ہے جو اعتماد اور خلوص کی بنیاد پر قائم کی جاتی ہے۔ یہ کوئی ریت کی دیوار نہیں جو معمولی شک اور شبے کی بنا پر ہی زمین بوس ہو جائے۔ یہ تو پیار کی ایک جلتی جوت ہے جو دلوں کو گرماتی ہے۔ پھولوں کی خوش بُو ہے جو ذہنوں کو معطر رکھتی ہے اور بارش کی ایسی پھوار ہے جو جسموں کو تازگی اور سرور بخشتی ہے۔ دوستی ایک ایسا مرہم ہے جو یادوں کے زخم مندمل کر کے ذہن کے الاؤ کو پُرسکون کر دیتا ہے۔

لیکن یہ سب اسی صورت ممکن ہے جب دوست تبسّم کے نقاب میں پنہاں تڑپ اور درد کا اندازہ کر سکے اور خوشیوں کے چراغ جلتے دیکھ کر شک اور نفرت سے منھ موڑنے کے بجائے اُن کی لَو بڑھانے میں مدد دے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوستی انسانیت کا ایسا رشتہ ہے جس پر فرشتے بھی سلام بھیجتے ہیں۔ جو

ریاکاری سے مُبرّا، فریب سے عاری اور جذبات سے لبریز ہے۔ صرف اسی دوستی کی اساس پر دنیا قائم ہے ورنہ کب کی نیست و نابود ہو چکی ہوتی۔

بھیک مانگنا قابلِ سزا

مرسلہ: ندیم احمد خان زادہ، سکرنڈ

افغانستان میں بھیک مانگنا قابلِ سزا جرم ہے۔ اس کے باوجود ایک فقیر نے ایک دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کُھلا اور ایک شخص نے پوچھا "فرمائیے!"

فقیر نے نظریں جُھکا لیں۔ کہنے لگا، جناب! میں کئی وقتوں کا بھوکا ہوں، آج کا پورا دن بھوک میں گزر گیا اور کل......؟

فقیر کی زبان یکایک رُک گئی۔ ہوا یہ کہ اس کو ایک طرف سے کانسٹیبل آتا ہوا دکھائی دیا۔ فقیر ذرا سنبھلا اور اس نے چستی سے گردن اکڑائی اور سینہ تان کر بولا "اور اگر کل بھی مجھے کھانے کو کچھ نہ ملے تو کوئی پروا نہیں میرا حوصلہ بہت بلند ہے!"

پہاڑ اور غار

مرسلہ: شارقہ قمر، شاہ فیصل کالونی

بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں، جو اپنے سروں کو اتنا بلند کر لیتے ہیں کہ پہاڑوں کی چوٹیاں بھی نیچے رہ جاتی ہیں، لیکن اگر ان کی روحوں کی پیمائش کرو تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک تاریک غاروں میں بھٹک رہی ہیں۔

بارش کا گیت

مرسلہ: زہرہ جبیں ناز، کراچی

میں وہ چاندی کے تار ہوں جنھیں دیوتا بلندیوں سے پھینکتے ہیں اور فطرت انھیں لپک کر ان سے وادیوں کی آرائش کرتی ہے۔ میں تاجِ عشرت کے بکھرے ہوئے حسین موتی ہوں جنھیں بنتِ سحر نے چرا کر ان سے کھیتوں کو آراستہ کیا ہے۔ میں روتی ہوں تو ٹیلے مسکرانے لگتے ہیں۔ گرتی ہوں تو پھول سربلند ہو جاتے ہیں۔ میں سمندر کا ٹھنڈا سانس، آسمان کا آنسو اور سبزہ زار کا تبسم ہوں۔ جس طرح محبت جذبات کے سمندر کا ٹھنڈا سانس، تفکر کے آسمان کا آنسو اور روح کے سبزہ زار کا تبسم ہے۔

— خلیل جبران

خیالاتِ زریں

مرسلہ: شیخ زبیدہ صدیق زیبی، میاں چنوں

* جب خلوص اور اعتماد ختم ہو جائے تو انسان زندگی کی کسی بھی شاہ راہ پر کام یاب نہیں ہو سکتا۔
* خدمتِ خلق، خلوص اور رحم کے جذبے کو اپنی راہوں میں بچھاتے جاؤ کہ راستے میں چبھنے والے کانٹے پھول بن جائیں۔
* زندگی کا مقصد مال و دولت اور خوشی و مسرت نہیں ہے بلکہ زندگی کا مقصد ہے انسانیت کی تکمیل۔
* تجربہ ایک اچھا استاد ہے، مگر اس کی اُجرت مہنگی ہے۔

مزاحیہ غزل

محمد یوسف پاپا

امتحاں ہم نے دیے ہیں نوجوانی میں بہت
اور نمبر لے چکے ہیں لن ترانی میں بہت

دشمنوں کی دشمنی میرے لیے آسان تھی
خرچ آیا دوستوں کی میزبانی میں بہت

اُن کے رُخ کی جاذبیت کا سبب پوشیدہ ہے
آنکھ میں کم اور چشمے کی کمانی میں بہت

مہربانی کر، مجھے اپنی کہانی میں نہ رکھ
بے تکے کردار ہیں تیری کہانی میں بہت

دارِ فانی ایسی آسانی سے کیسے چھوڑ دوں
دوستو! دل چسپیاں ہیں دارِ فانی میں بہت

ہم کہ ہیں بے گھر کوئی وارنٹ لائے گا کہاں
مُجرم کی آسانیاں ہیں لامکانی میں بہت

خبریں اور تصویریں

SONY

دنیا کا سب سے بڑا ٹیلی وژن
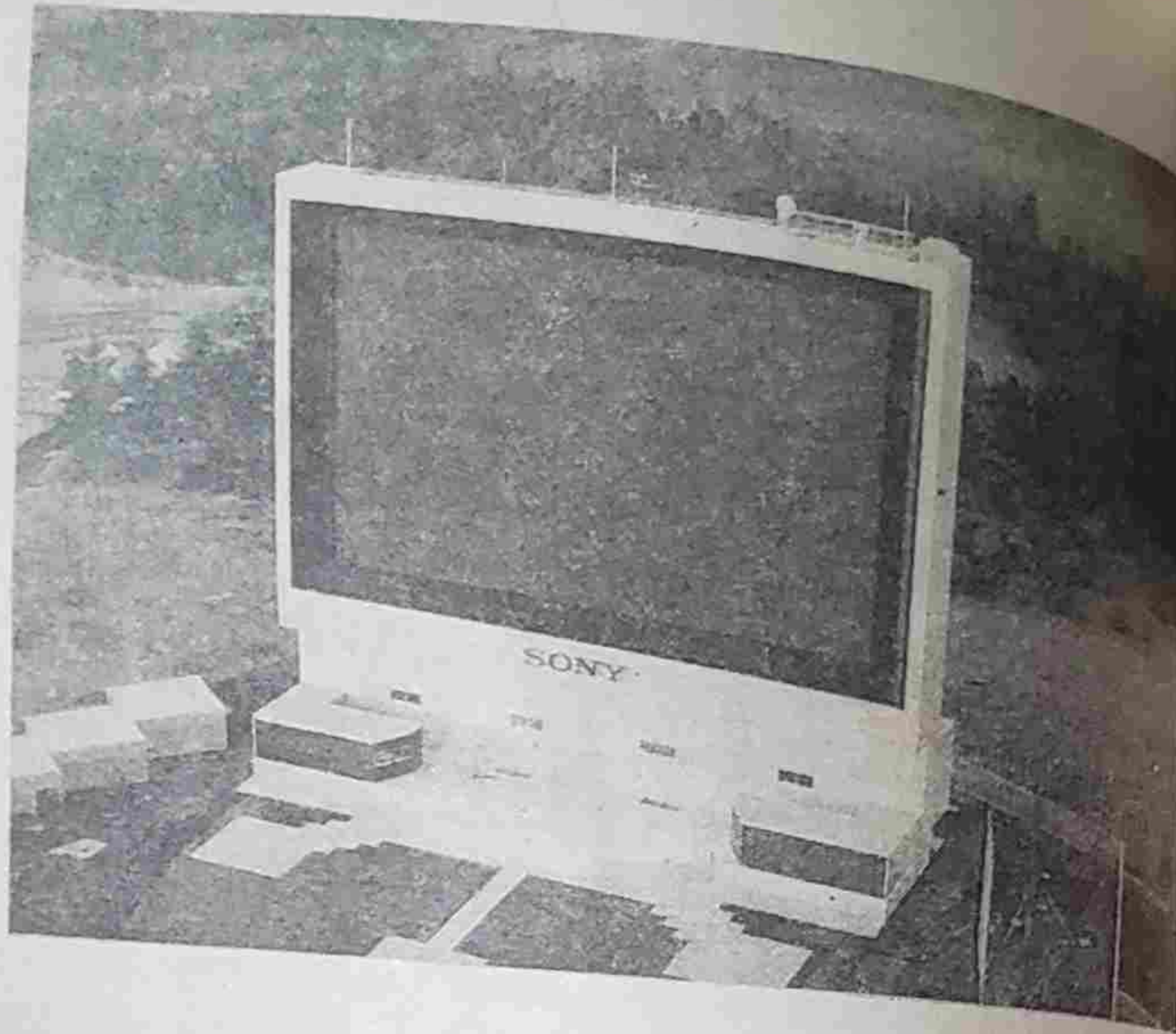
مصنوعی یا مشینی آدمیوں کو روبوٹ (ROBOT) کہتے ہیں۔ یوں تو روبوٹ دنیا کے کئی ترقی یافتہ ممالک میں بنائے جا رہے ہیں، لیکن جاپان نے روبوٹ بنانے میں بہت ترقی کی۔ جاپان میں حال ہی میں ایک بڑی نمائش لگی تھی، جس میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ اس نمائش میں جاپان کے بنے ہوئے عجیب و غریب روبوٹ رکھے گئے تھے۔ ایک روبوٹ تو ایسا ہے جو موسیقی کے اشارے پڑھ کر خود ساز بجاتا ہے۔ اُسے کاغذ پر جو دُھن لکھ کر دے دی جائے وہی دھن کسی دشواری کے بغیر خود بجائے گا۔ جاپان کی ایک کمپنی نے ایسے روبوٹ تیار کیے ہیں جو اپنے آپ سوچ سکتے ہیں اور جیسی ضرورت پیش آئے ویسا کام خود کر سکتے ہیں۔ یہ روبوٹ آدمیوں سے بات چیت بھی

بولنے والا کمپیوٹر جس کی آواز ہیڈ فون لگا کر سنی جاسکتی ہے۔
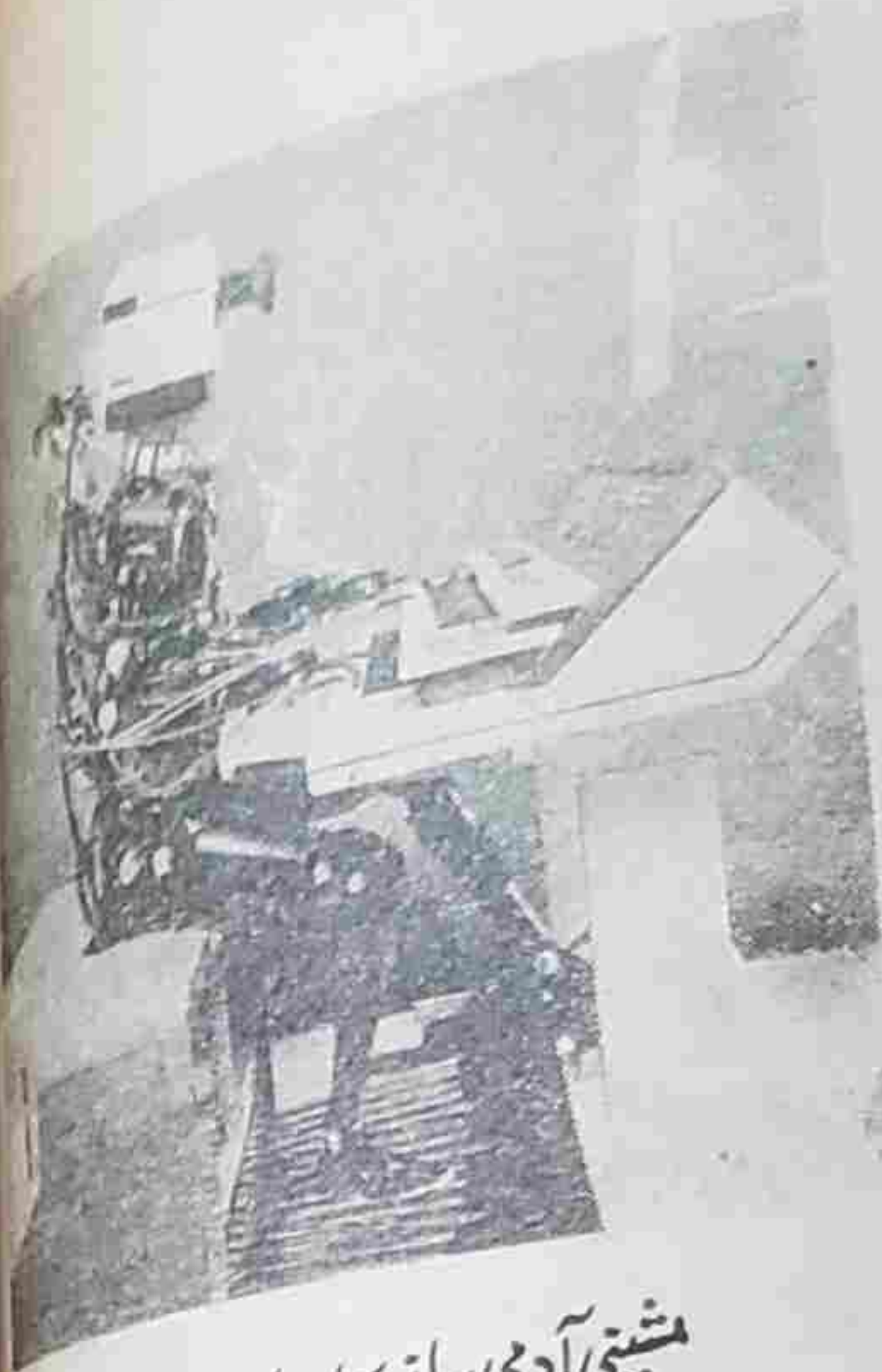
مشینی آدمی ساز بجا رہا ہے

کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں اور کسی اسٹیج یا اکھاڑے میں کھیل بھی سکتے ہیں۔ اسی نمائش میں ایک بہت بڑا ٹیلے ویژن بھی لگایا گیا تھا۔ یہ اتنا بڑا ہے کہ تم نے شاید کبھی اتنے بڑے ٹیلے ویژن کے متعلق سوچا بھی نہ ہو۔ اس کا نام جمبوٹرم رکھا گیا ہے۔ اس ٹیلے ویژن کا اسکرین ۱۳۰ فیٹ چوڑا اور ۸۳ فیٹ اونچا ہے۔ ٹیلے ویژن بنانے والی کمپنی کا کہنا ہے کہ اس میں ایک خرابی ہے اور وہ یہ کہ یہ ٹیلے ویژن چوں کہ کھلے میدان میں لگایا جاتا ہے، اس لیے اس کی روشنی سے دور دور سے پروانے اس ٹیلے ویژن پر جمع ہوجاتے ہیں۔

بولنے والا کمپیوٹر

امریکا، یورپ، جاپان اور دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں کمپیوٹروں کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے۔ لوگ تو اپنے گھروں میں بھی کمپیوٹر لگانے لگے ہیں، تاکہ جب اور جیسی ضرورت ہو ویسی معلومات کمپیوٹر کے ذریعے سے معلوم کر لی جائیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کمپیوٹروں کی ایجاد نے انسان کی بہت سی مشکلیں آسان کر دی ہیں اور بہت سے کام جلدی اور آسانی سے ہوجاتے ہیں، لیکن ایک دشواری اب تک موجود تھی یعنی کمپیوٹر صرف وہی لوگ استعمال کر سکتے

تھے جن کی آنکھیں ٹھیک ہوں، لیکن نابینا لوگ یا ایسے آدمی جنھیں بہت کم نظر آتا ہے کمپیوٹر سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے، لیکن اب ایسے کمپیوٹر بھی ایجاد کر لیے گئے ہیں جو نابینا لوگوں کے بھی کام آسکتے ہیں۔ کمپیوٹر کی اسکرین پر نظر آنے والے حروف پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ جو لفظ ٹائپ کیا جائے گا یہ کمپیوٹر ایک مخصوص آواز میں یہ لفظ دہرا دیں گے۔ ایک کمپنی نے ایسے کمپیوٹر ایجاد کیے ہیں، جن میں مصنوعی آوازیں بھری گئی ہیں۔ یہ کمپیوٹر ہر لفظ کا تلفظ ادا کر سکتے ہیں۔ انھیں استعمال کرنے کے لیے ٹائپ رائٹر مشینوں کی طرح کے ایسے بٹن لگے ہیں جنھیں نابینا آدمی استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ کمپیوٹر بہت تیز تیز بھی بول سکتے ہیں اور بہت آہستہ بھی یعنی ایک منٹ میں ۷۲۰ الفاظ بھی ادا کر سکتے اور رفتار کم کر دو تو ایک منٹ میں صرف ۴۵ الفاظ بولتے ہیں جنھیں ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ کمپیوٹر استعمال کرنے والا ہیڈ فون کی مدد سے یہ آوازیں سُن لیتا ہے۔

کوکو کی بلی

کیلے فورنیا (امریکا) میں گوریلوں کی تربیت کا ایک مرکز قائم ہے۔ یہ گوریلا اسی مرکز میں رہتا ہے۔ اس کا نام کوکو ہے۔ اس مرکز میں گوریلوں کو باتیں کرنا بھی سکھایا جاتا ہے۔ کوکو وہاں بولنے والا گوریلا مشہور ہے۔ یہ اشاروں کی زبان میں بات کرتا ہے، جیسے گونگے بات کرتے ہیں۔ اس کو پانچ سو الفاظ یاد ہیں، جن کے ذریعے سے یہ بات چیت کرتا ہے۔ کوکو کا وزن ۲۳۰ پاؤنڈ ہے، یعنی تقریباً سوا دو من۔ پہلی تصویر میں کوکو بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے ایک چھوٹی سی بلی لیٹی ہوئی ہے۔ یہ بلی کوکو کی پلی ہوئی بلی تھی۔ کوکو اس سے کھیلا کرتا تھا۔ بغیر دُم کی اس بلی کا نام کوکو نے "آل بال" رکھا تھا۔

کوکو اپنی بلّی کو سینے سے لگائے بیٹھا ہے۔

ایک دن ہوا یہ کہ گوریلوں کے مرکز کے قریب جس کا نام گوریلا فاؤنڈیشن ہے یہ بلّی کسی موٹر کے نیچے آ گئی۔ بلّی کی موت کا کوکو کو بہت دکھ ہوا۔ فاؤنڈیشن کے نگرانوں کا کہنا ہے کہ بلّی کی موت کے بعد کوکو دس منٹ تک تو بالکل گُم سُم رہا۔ اُسے مخاطب بھی کیا گیا تو بھی اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس نے سُنا ہی نہ ہو۔ اس کے بعد گوریلا ایسی آوازیں منمنانے لگا جیسے وہ بلّی کی موت پر ماتم کر رہا ہو۔ کہتے ہیں کہ گوریلوں کو جب کوئی صدمہ پہنچتا ہے تو وہ جنگل میں بھی ایسی آوازیں نکالنے لگتے ہیں۔ کئی مہینے تک کوکو کی یہی حالت رہی۔ آخر گوریلا فاؤنڈیشن کے نگرانوں نے اس کے لیے کوکو پھر بولنے لگا اور اپنی اشاروں کی زبان میں "میری بلّی اچھی ہے" کہہ کر اس نے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ دوسری تصویر میں کوکو اپنی نئی بلّی کو سینے سے لگائے لیٹا ہے۔ چھوٹی بغیر دُم کی ایک اور بلّی کا انتظام کیا۔ بغیر دُم کی بلّی ایک خاص نسل سے ہوتی ہے جسے میکس (MANX) کہتے ہیں۔ بلّی کے ملتے ہی

چھے من وزنی پہلوان

کشتی تو بہت سے لوگ لڑتے ہیں۔ اپنے ملک پاکستان میں بھی کتنی نامی گرامی پہلوان ہیں، جنھوں نے دنیا میں شہرت پائی ہے۔ ٹیلے ویژن پر بھی مختلف ملکوں کے کشتیوں کے مقابلے دکھائے جاتے ہیں۔ ان سب میں پہلوان خاصے بھاری بھرکم ہوتے ہیں۔ اتنے تن درست اور طاقت ور نہ ہوں تو بھلا کشتی کیسے لڑیں، لیکن تصویر میں یہ جو پہلوان صاحب نظر آ رہے ہیں یہ شاید دنیا میں سب سے زیادہ طاقت ور پہلوان ہیں۔ ان کا وزن ۴۸۹ پاؤنڈ ہے یعنی تقریباً چھے من۔ یہ اصل میں جزائر ہوائی (امریکا) کے رہنے والے ہیں۔ ان کا اصل نام اینٹی سالو ہے، لیکن وہ کونی شیکی کے نام سے کشتی میں

۶ من وزنی پہلوان شیکی کُشتی لڑنے کے لیے تیار ہے۔

[illegible] یہ ہیں۔ ان کی عمر صرف اکیس سال ہے۔ [illegible] سے اینٹی سالو جاپان کی مشہور کشتی سومو کے ماہر ہیں۔ جاپان کی یہ خاص قسم کی کشتی سیکڑوں سال سے لڑی جاتی ہے۔ جاپان میں ہر سال ان کشتیوں کے مقابلے ہوتے ہیں جنھیں "اکی یاشو" ٹورنامنٹ کہا جاتا ہے۔ کونی شیکی یا اینٹی سالو نے ان مقابلوں میں ۱۵ میں سے ۱۴ مقابلے جیت لیے، لیکن پھر بھی انھیں پورا ٹورنامنٹ جیتنے کا موقع نہیں ملا۔ ہوا یہ کہ ایک مقابلے میں ان کی ٹانگ زخمی ہو گئی۔ انھوں نے کوشش کی کہ انھیں عارضی طور پر چھٹی مل جائے، لیکن ڈاکٹروں نے اس کی اجازت نہیں دی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کونی شیکی چوں کہ جاپان میں غیر ملکی ہیں اور سومو خالص جاپان کی کشتی ہے، اس لیے انھیں جان بوجھ کر مقابلے سے دُور رکھا گیا ہے۔ جاپان کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کونی شیکی بھاری معاوضہ دے کر سومو کشتیوں سے ہمیشہ کے لیے الگ کر دیا جائے، لیکن جاپان ہی کے کچھ لوگ اس بات کے خلاف ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کونی شیکی دو تین بار ان مقابلوں میں حصہ لیں گے تو ان کی مخالفت ختم ہو جائے گی۔ بہرحال یہ پہاڑ جیسے پہلوان صاحب اس وقت بھی جاپان میں پسند کیے جانے لگے ہیں۔

اخبارِ نونہال

دنیا کا سب سے موٹا بچہ

دنیا میں سب سے موٹا بچہ چین میں ہے۔ اس بچے کا نام جین روئی ہے۔ اس کی عمر سات سال ہے اور وزن ۶۸ کیلو۔ پیدائش کے وقت اس بچے کا وزن چھ کیلو تھا۔ اس چار سال کی عمر میں جین روئی بیس کیلو وزن آسانی سے اُٹھا لیتا تھا۔ اس بچے کو آیندہ بارہ سے زیادہ آدمیوں کے برابر خوراک کی ضرورت ہوگی۔ یہ دیوارِ چین سے بھی زیادہ عجیب و غریب سمجھا جا رہا ہے۔

پیرس میں دس لاکھ کتے

فرانس کے دارالحکومت پیرس میں کتوں کی آبادی ۵ تا ۱۰ لاکھ کتوں پر مشتمل ہے اور یہ آبادی دنیا کے کسی بھی شہر کی کتوں کی آبادی سے زیادہ ہے۔ بتایا گیا ہے کہ کتوں کے مالکان اپنے کتوں کی خوراک پر سالانہ دو ہزار تا ڈھائی ہزار فرانک خرچ کرتے ہیں۔

مرسلہ: نادیہ محمد سعید، سیال کوٹ

مکھی مار درخت

بورنیو کے ایک جزیرے کے جنگل میں ایک ایسا درخت پایا جاتا ہے، جس کے پتے

آفتاب کی شکل کے ہوتے ہیں۔ اس کے اوپر کا ڈھکنا کھلا رہتا ہے، جہاں کوئی مکھی یا کیڑا داخل ہوا تو ڈھکنا فوراً بند ہو جاتا ہے اور کیڑا اس درخت کی خوراک بن جاتا ہے۔

مرسلہ: قائم الدین کلوڑ، کشمور

معمر ترین طالبِ علم

وفاقی جمہوریہ جرمنی کی ایک بہت پرانی یونی ورسٹی میں ایک ایسا طالبِ علم تعلیم حاصل کر رہا ہے، جو غالباً مغربی جرمنی کا معمر ترین طالبِ علم ہے۔ ۱۹۸۴ء میں ہائیڈل برگ یونی ورسٹی کو قائم ہوتے پورے چھے سو سال ہو گئے۔ اس سال یونی ورسٹی میں ایک چھیاسی سالہ طالبِ علم بھی قانون کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ یہ عمر رسیدہ شخص جو قانون میں دل چسپی رکھتا ہے، مذہب، فلسفے اور طب میں پہلے ہی اچھے نام سے پہچانا جاتا ہے اور وہ ان میں مختلف اعزازات بھی حاصل کر چکا ہے۔ یونی ورسٹی میں ایک ایسا طالبِ علم بھی ہے، جس نے اب ریاضی میں سند حاصل کی ہے، لیکن اس سلسلے میں ایک دل چسپ بات یہ ہے کہ اس نے تعلیم باسٹھ سمسٹروں میں مکمل کی۔ اگر حساب لگایا جائے تو یہ مدت اکتیس سال بنتی ہے۔

مرسلہ: محمد اکرم قریشی، کراچی

بھارتی نوجوان اپنے جسم سے بجلی خارج کرتا ہے

نئی دہلی کی جواہر لال نہرو یونی ورسٹی کا ۲۸ سال کی عمر کا بھارتی نوجوان ستیا پرکاش سریمتیا اپنے جسم کے کسی بھی حصے سے ۴۰ اور ۲۰۰ واٹ کا بجلی کا بلب اور الیکٹرک ٹیسٹر روشن کر سکتا ہے۔ اپنی اس صلاحیت کا مظاہرہ کرنے کے لیے ستیا پرکاش پہلے ایک بند کمرے میں انتہائی توجہ کے ساتھ دو منٹ تک سانس کی مشق کرتا ہے۔ اس کے بعد مجمع کے سامنے چند سیکنڈ کے لیے اپنے جسم سے بجلی خارج کرنے کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ۲۸ سالہ نوجوان کا دعوا ہے کہ دو دن کا روزہ رکھ کر بجلی خارج کرنے کا مظاہرہ کرنے سے اس کی مدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ فضا میں نمی نہ ہو۔

مرسلہ: عمران منشا اللہ، کراچی

نونہال مصوّر

محمد سلیم ہمدم، بیلان

فرزانہ غوری، کراچی

شیخ ادریس احمد قدوائی، کراچی

جمیل احمد خان، کراچی

مزمل محمد، سکھر
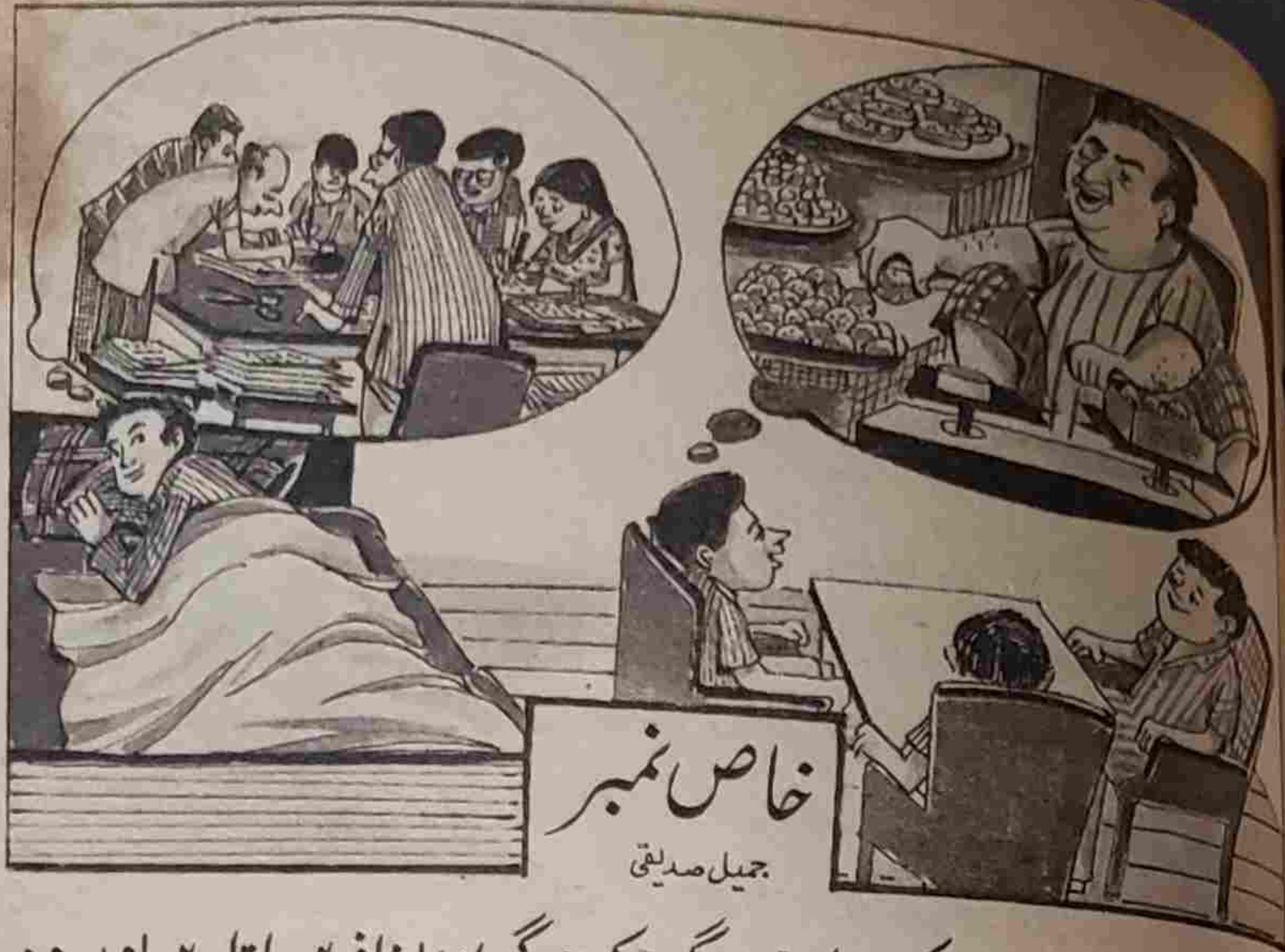
خاص نمبر

جمیل صدیقی

جس طرح بچّوں کے سامنے بزرگوں کی بزرگی میں اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ سنجیدگی اور رکھ رکھاؤ کا مظاہرہ کرتے ہیں اسی طرح بچّے بھی بڑوں کے سامنے بچّے بن جاتے ہیں، لیکن جب کوئی بزرگ موجود نہ ہو یا وہ یہ سمجھ رہے ہوں کہ کوئی بڑا ان کی باتیں نہیں سُن رہا ہے تو وہ ایک دم بڑے ہو جاتے ہیں اور ان کی گفت گو زیادہ پُر اعتماد اور دل چسپ ہو جاتی ہے۔

ایک دن ہم جاگتے میں سو رہے تھے یعنی آنکھیں بند کیے لیٹے تھے۔ ہمیں سوتا سمجھ کر بچّوں نے جو آپس میں گفت گو شروع کی وہ اتنی دل چسپ تھی کہ جاگنے کے باوجود ہم دَم سادھے لیٹے رہے۔

ایک بچّے نے پوچھا "آخر خاص نمبر کو خاص نمبر کیوں کہتے ہیں؟"

دوسرے نے جواب دیا "اس لیے کہ وہ خاص نمبر ہوتا ہے۔"

پہلا بچّہ بولا "واہ وا، یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ میں اگر "مس" ہوتا تو تم کو ابھی کلاس سے نکال دیتا۔"

"تو پھر تم بتاؤ خاص نمبر کو خاص نمبر کیوں کہتے ہیں؟"

"بتا دوں؟"

"ہاں بتاؤ نا!"

"اس لیے کہ وہ موٹا ہوتا ہے۔"

"موٹا ہونے سے خاص نمبر بنتا ہے؟"

"تو اور کیا!"

"اچھا تو یہ سامنے والا حلوائی خاص نمبر ہوا۔ موٹا جو ہے۔" پھر دونوں زور سے ہنسے اور ابّو کے جاگ جانے کے ڈر سے بھاگ گئے۔ بچّے اگر بھاگ نہ جاتے تو ہم انھیں بتاتے کہ خاص نمبر اس لیے خاص نمبر ہوتا ہے کہ اس میں کچھ خاص باتیں ہوتی ہیں مثلاً اسی نمبر کو دیکھ لیجیے، حکیم محمد سعید صاحب نے جاگو جگاؤ کے علاوہ خاص نمبر کے لیے ایسی ایسی خاص باتیں تحریر کر دی ہیں جو اُن کے خاص دوستوں کو بھی معلوم نہ تھیں۔ میرزا ادیب صاحب جو بچّوں کے پسندیدہ ادیب ہیں اس خاص نمبر میں ایک نہیں، دو نہیں، تین تین کہانیوں کے ساتھ شریک ہیں۔ مسعود احمد برکاتی صاحب نے جن کا پورا وقت نونہالوں کو نونہال کے ذریعے سے نہال کرنے پر صرف ہوتا ہے، نہ معلوم کس طرح خاص نمبر کے لیے کتنی تحریریں لکھی ہیں۔ پھر انعامی سلسلے الگ۔ ایسی خاص خاص باتیں جب یک جا ہوتی ہیں تو خاص نمبر بنتا ہے، بلکہ اگر اسے خاص الخاص نمبر بھی کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔

بچّو! ایک پتے کی بات اور آپ کو بتانے کو جی چاہ رہا ہے کہ جب کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ ہمدرد نونہال کا خاص نمبر آنے والا ہے تب ہمیں پتا چل جاتا ہے۔ آپ سوچیں گے کیسے؟ تو وہ ایسے کہ جیسے ہی خاص نمبر کی تیاری شروع ہوتی ہے تو نونہال میں کام کرنے والوں کا اندازِ گفت گو ہی بدل جاتا ہے۔

ہم سلام کرتے ہیں۔ جواب ملتا ہے، سرورق چار رنگ کا۔

مزاج پوچھتے ہیں تو کتابت کا قصّہ سننے کو ملتا ہے۔

وقت معلوم کیا جائے تو بتایا جاتا ہے ۲۴۰۔ معلوم ہوا کہ خاص نمبر کے صفحات کی تعداد بتائی گئی ہے۔

غرض مصروفیت اس قدر کہ دیکھنے سے خوف آتا ہے، لیکن یہی لگن اور مصروفیت ہے جو خاص نمبر کی صورت میں بچّوں تک پہنچتی ہے اور انھیں اگلے خاص نمبر کا مشتاق بناتی ہے۔

ہمدردِ انسائکلوپیڈیا
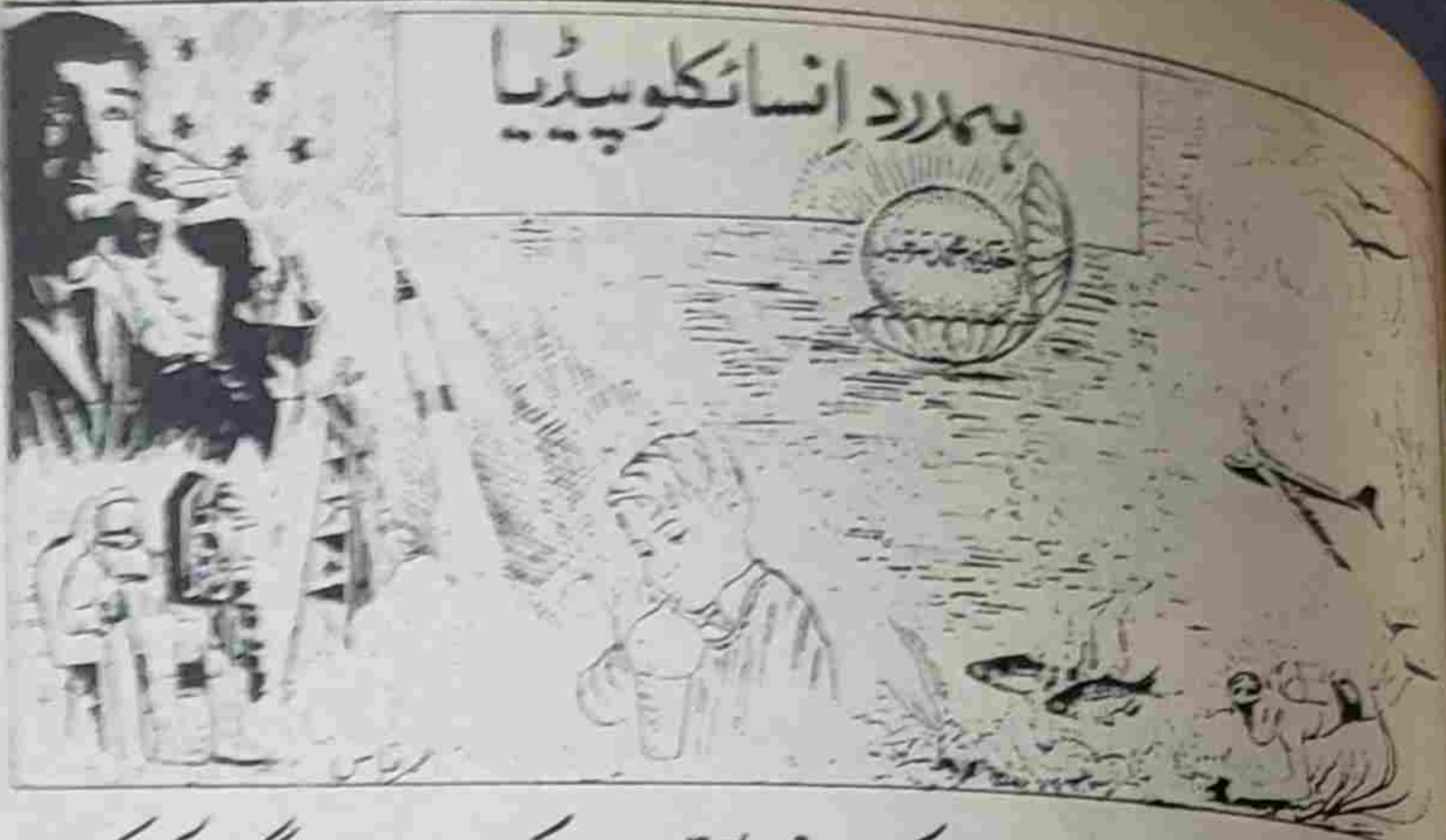
س: آگ عام طور پر سرخ اور پیلی کیوں نظر آتی ہے؟ کسی دوسری رنگت کی کیوں نظر نہیں آتی؟

فاروق ندیم رحمانی، میاں چنوں

ج: رنگوں کا تعلق اُن شعاعوں سے ہے جو ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہیں۔ کوئی چیز سرخ اس لیے نظر آتی ہے کہ صرف سرخ رنگ کی شعاعیں ہم تک آرہی ہیں۔ آگ سے جو تاب کاری ہوتی ہے اُن شعاعوں کا مقام ایسا ہے کہ جب وہ ہماری آنکھوں میں داخل ہوتی ہیں تو ہمیں سرخ اور پیلے پن کا احساس ہوتا ہے اسی لیے دہکتی آگ ہمیں سرخ معلوم ہوتی ہے۔

س: چاند گرہن کب اور کیوں ہوتا ہے؟

مہردل پیرزادہ، جیکب آباد

ج: چاند گرہن اس وقت ہوتا ہے جب زمین چاند اور سورج کے درمیان آجاتی ہے اور زمین کا سایہ چاند پر پڑتا ہے۔ اگر زمین پورے چاند کو ڈھانپ لیتی ہے تو پورا چاند گرہن ہوتا ہے۔ زمین اور چاند دونوں سورج کے گرد گھومتے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ چاند زمین کے چاروں طرف بھی گردش کرتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی زمین چاند اور سورج کے درمیان آجاتی ہے تو چاند گرہن ہوتا ہے۔

س: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جب چاند گرہن یا سورج گرہن ہونے والا ہوتا ہے تو سائنس دانوں کو پہلے سے کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟

مختار احمد شہباز احمد، نواب شاہ

ج: زمین سورج کے چاروں طرف گردش کرتی ہے اور چاند زمین کے چاروں طرف گھومتا ہے۔ سائنس داں حساب لگا کر سورج، چاند اور زمین کا محلِ وقوع معلوم کر سکتے ہیں، اس لیے انھیں پہلے سے پتا چل جاتا ہے کہ زمین کب سورج اور چاند کے درمیان آکر چاند گرہن کر دے گی اور چاند سورج اور زمین کے درمیان آکر سورج گرہن کر دے گا۔

س: سونے کو پرکھ کر اُس کے خالص ہونے کا اندازہ کس طرح لگاتے ہیں اور اس کے خالص ہونے کی اکائی کو کیا کہتے ہیں؟
شیخ طارق ضیا، فیصل آباد

ج: سُنار سونے کا خالص پن جاننے کے لیے اُسے ایک پتھّر پر رگڑتے ہیں جسے کسوٹی کہتے ہیں۔ پتھّر پر رگڑنے سے جو نشان پڑتا ہے اُس کی رنگت سے سُنار کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ سونا خالص ہے یا نہیں۔ بالکل خالص سونا ۲۴ کیرٹ یا قیراط کا کہلاتا ہے، لیکن زیور عام طور سے ۲۲ قیراط کا بنایا جاتا ہے یعنی خالص سونے میں تھوڑا سا تانبا ملا کر اُسے سخت کر لیا جاتا ہے۔ اگر زیور بہت ملائم ہو تو آسانی سے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

س: کچھ لوگ رنگوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔ انھیں ہر چیز سفید یا بھوری دکھائی دیتی ہے۔ اور ایسے لوگوں کو رنگ اندھا (کلر بلائنڈ) کہا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجوہ ہیں؟
محمد سعید عباس، کراچی

ج: بعض دوسری پیدائشی خامیوں کی طرح یہ بھی ایک پیدائشی خرابی ہے جو بچّہ اپنے ساتھ لے کر آتا ہے۔ اس کی کوئی وجہ اب تک معلوم نہیں ہو سکی۔ یہ پیدائشی ہوتی ہے۔

س: نہانے کے بعد نیند کیوں آتی ہے؟
فہیم احمد، کراچی

ج: نہانے سے جسم میں چستی آجاتی ہے اور نیند اور سُستی بالعموم غائب ہو جاتی ہیں، لیکن اگر آپ کو نہانے کے بعد نیند آتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا جسم تھکا ہوا ہوتا

ہے۔ نہانے سے سکون ملتا ہے اور آپ سو جاتے ہیں۔ سکون کا نام ہی نیند ہے۔

س: جب ہم بجلی کے تار کو ہاتھ لگاتے ہیں تو ہماری جان خطرے میں پڑ جاتی ہے، لیکن جب کوئی پرندہ برقی تار پر بیٹھتا ہے تو اُسے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟
عقیل احمد، کراچی

ج: زمین بجلی کا بہت اچھا موصل ہے یعنی وہ برقی رو کو ہضم کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ جب آپ ننگی زمین پر کھڑے ہو کر بجلی کے تار کو چھوتے ہیں تو بجلی آپ کے جسم میں سے گزر کر زمین میں اُترنے کی کوشش کرتی ہے۔ درمیان میں آپ کے جسم کو نقصان پہنچ جاتا ہے، کیوں کہ ہم اتنا زیادہ برقی صدمہ برداشت نہیں کر سکتے۔ پرندہ جب تار پر بیٹھتا ہے تو اسے صرف ایک ہی کرنٹ سے واسطہ پڑتا ہے، مثبت یا منفی۔ وہ زمین کو نہیں چھوتا۔ ایک تار پر بیٹھنے سے بجلی کا سرکٹ مکمل نہیں ہوتا اور پرندہ محفوظ رہتا ہے۔

س: شیل کیا ہے؟ اس کے کیا فائدے اور نقصانات ہیں؟
عبدالوکیل عبدالوحید، کراچی

ج: شیل سے عام طور سے گولا مُراد ہوتا ہے جو توپ سے نکلتا ہے۔ وہ اپنے نشانے پر گر کر پھٹ جاتا ہے اور تباہی پیدا کرتا ہے۔ اس عمل کو شیلنگ کہتے ہیں۔

س: زیرِ زمین رہنے والے جانور اور حشرات الارض اوکسی جن کس طرح حاصل کرتے ہیں؟
خالد مجید مغل، کراچی

ج: زمین کے نیچے رہنے والے زیادہ تر جانور بِل کھود کر رہتے ہیں۔ اس بِل کا منھ کُھلا ہوتا ہے اور اُس میں ہوا داخل ہو سکتی ہے۔ رہا حشرات الارض کا معاملہ تو انھیں اوکسی جن کی اس طرح ضرورت نہیں ہوتی جس طرح ہمیں ہوتی ہے۔ وہ بند رہ کر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔

سہیلیوں کی دعوت

ہاجرہ بیگم

کیوں بھئی، تم اپنی سہیلیوں کی دعوت تو کرتی ہو گی، لیکن چائے تیار کرنے کا بوجھ امّی پر پڑتا ہو گا۔ دل تو تمھارا یہی چاہتا ہو گا کہ ایسی دعوت کرو جس میں تم سارا کام اپنے ہاتھ سے کرو۔ تمھاری مدد کے لیے میں یہ مضمون لکھ رہی ہوں۔ پہلے کچھ ہدایتیں سُن لو:

۱. دعوت دینے سے پہلے امّی کی اجازت لے لو۔
۲. پہلی مرتبہ زیادہ مہمان نہ بُلاؤ گڑبڑ ہو جائے گی۔
۳. کُل سامان کی فہرست ایک مرتبہ اپنی امی کو دکھا دو۔ گھڑی گھڑی مانگ کر انھیں دِق نہ کرو۔ اب ترکیب سنو!

راحتِ جان

سامان:۔ دو بڑے یا چار چھوٹے سنترے یا اگر سنترے نہ ملیں تو تین بڑے پکے امرود اور ایک نیبو۔ (لیموں) چار چمچے بھر شکر۔ دو چمچے (چائے کے) بھر نمک۔ ایک چمچہ گول مرچ پسی ہوئی۔

ترکیب:۔ سنترے کو چھیل کر پھانکوں کو خوب صاف کر لو اور چٹکی سے پکڑ کر پھانک کا باریک چھلکا الگ کر لو کہ گودا رہ جائے۔ اس گودے کو ایک بڑے شیشے یا چینی کے پیالے میں ڈالتی جاؤ۔ اگر امرود ہے تو امرود چھیل کر باریک باریک قتلے کاٹ لو۔ بیج والا حصّہ الگ کر دو اور پیالے میں ڈال دو۔ اوپر سے نمک اور مرچ ڈال دو اور نیبو کاٹ کر نچوڑ دو۔ سنترے میں نیبو کی ضرورت نہیں۔ اب ڈھک کر رکھ دو اور کوئی پندرہ منٹ کے بعد چمچے سے ملا دو۔ تم دیکھو گی کہ پیالے میں رس بھرنا شروع ہو گیا ہے۔ جتنی دیر رکھا رہے گا اتنا ہی مزے کا ہو گا۔ اس لیے چائے کے وقت سے دو گھنٹے پہلے تیار کرنا چاہیے۔

گڑیا کیک

سامان:۔ تین گول بسکٹ، چھے چھوٹے چمچے بھر شکر، تین چمچے بھر ملائی، ایک پیالی دودھ، ذرا سا کترا ہوا ناریل اور بادام اور آٹھ دس کشمش۔

ترکیب:۔ بسکٹوں کو صاف تشتریوں میں ایک ایک الگ الگ رکھ دو۔ اب تھوڑا تھوڑا دودھ تینوں تشتریوں میں ڈال دو اور اوپر سے ایک ایک چمچہ بالائی ڈال کر پھیلا دو۔ پھر دو دو چمچے شکر چھڑک دو، سب کے اوپر سے ناریل اور بادام اور کشمش تھوڑا تھوڑا ڈال دو اور رکھ دو۔ یہ بھی دو گھنٹے پہلے بنانا چاہیے تو بسکٹ پھول کر ملائم ہو جائیں گے اور چمچے سے کھاؤ گی تو پیسٹری کا مزہ دیں گے۔

سینڈوچ

سامان:۔ چھے پتلے پتلے ڈبل روٹی کے توس بغیر سِکے ہوئے۔ آدھی گولی مکھن، آدھا

چمچہ پسا ہوا نمک، آدھا چمچہ کالی مرچ پسی ہوئی، آدھا چمچہ پسی ہوئی رائی، دو بڑے بڑے ٹماٹر۔

ترکیب:۔ ٹماٹر کے پتلے پتلے ٹکڑے کاٹ لو۔ مکھن کو ذرا آگ کے سامنے ملائم کر کے نمک مرچ اور رائی ملا دو۔ اب توس پر ایک ایک طرف تھوڑا تھوڑا یہ مکھن لگا دو۔ پھر ایک توس کے اوپر ٹماٹر کے تھوڑے قتلے رکھ کر اوپر سے دوسرا توس رکھو اور چھری سے بیچ میں سے کاٹ دو۔ اگر ایسا کاٹو گی تو اچھا رہے گا۔ اب ان دُہرے تکونوں کو آہستہ سے اُٹھا کر پلیٹ میں سجا دو۔

میٹھے توس

سامان:۔ چھے پتلے پتلے ڈبل روٹی کے توس بغیر سِکے ہوئے آدھی گولی مکھن یا ملائی چھے چمچے۔ چار چھوٹے چمچے جام یا جیلی۔

ترکیب:۔ مکھن اور جام یا مکھن اور ملائی کو چھری سے خوب ملا لو۔ اب ایک توس کے اوپر تھوڑا سا لگاؤ۔ پھر اس کے اوپر دوسرا توس رکھو اور اس پر لگاؤ۔ اور اس کے اوپر تیسرا توس رکھو اور چھری سے تین ٹکڑے کر دو۔ اب یہ تین تہ کے ٹکڑوں کو سنبھال کر ایسے ہی اوپر نیچے رکھے ہوئے پلیٹ میں سجا دو۔ اسی طرح باقی تین توس کا بناؤ۔

تمھاری دعوت جبھی کام یاب ہو گی جب دسترخوان اور برتن صاف ستھرے ہوں گے۔ صاف کپڑے سے ایک ایک پیالی اور تشتری کو پوچھنا چاہیے۔ پھر بیچ میں کھانے کی چیزیں اور ہر مہمان کے سامنے ایک ایک پیالی اور ایک ایک خالی تشتری چاہیے۔ بیچ میں اگر چھوٹے سے گُل دان میں پانی بھر کر دو چار پھول لگا دو گی تو کیا ہی بہار دے گا۔

اخبار نونہال کے لیے خبریں اور معلومات بھیجنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خبر یا معلومات جس اخبار یا رسالے وغیرہ سے لیتے ہیں اس کا تراشہ یا کم از کم اخبار یا رسالے کا نام اور تاریخ ضرور لکھیں۔ بعض نونہال من گھڑت یا غیر معتبر خبریں بنا کر بھیج دیتے ہیں جو شائع نہیں کی جا سکتیں۔ خبریں اور معلومات معیاری اور دل چسپ ارسال کرنی چاہییں، تاکہ دل چسپی سے پڑھی جا سکیں۔ جہاں تک ہو سکے اصل اخبار کا تراشہ بھی بھیج دیجیے۔ (ادارہ)

انعامی سوالات

اس بار صرف بیس انعامی سوالات دیے جا رہے ہیں۔ پورے بیس سوالات کے صحیح جوابات پر سلغ ایک ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔ ایک سے زیادہ نونہالوں کے صحیح جوابات موصول ہوئے تو انعام کی رقم برابر تقسیم کر دی جائے گی۔ کم سے کم ۱۶ صحیح جوابات والوں کو جناب حکیم محمد سعید کی دستخط شدہ ایک ایک کتاب دی جائے گی۔ ۱۶ یا زیادہ صحیح جوابات والوں کی تصویریں یا نام شائع کیے جائیں گے۔ ادارہ جو بھی فیصلہ کرے گا وہ قطعی اور آخری مانا جائے گا۔ جوابات بھیجنے کی آخری تاریخ ۱۵۔ ستمبر ۸۵ء ہے۔ سوالات کے آخر میں لگا ہوا کوپن صاف صاف بھر کر سوالات کے آخر میں چپکا دیجیے۔ ناقص اور نامکمل تحریر کو مقابلے میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ ۱۲ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔

۱۔ کسوف اور خسوف کی نمازیں کس موقع پر پڑھی جاتی ہیں؟

۲۔ خلیفہ عبدالملک مروان کے زمانے میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف تھے۔ وہ ظالم مشہور تھے۔ لیکن قرآن شریف کی ایک خدمت کا فخر بھی انھیں حاصل ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں وہ خدمت کیا تھی؟

۳۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد صوبۂ مغربی پنجاب کے گورنر کون صاحب تھے؟

۴۔ پاکستان بننے کے بعد صوبۂ سندھ کے پہلے وزیر اعلا کون صاحب تھے؟

۵۔ کرکٹ کے کس کھلاڑی نے پاکستان کے مشہور و مقبول بولر عمران خاں کو آؤٹ کر کے اپنی سوئیں وکٹ حاصل کی تھی؟

۶۔ دنیا بھر میں مشہور مُکّے باز (باکسر) محمد علی چوتھی بار عالمی چیمپین بننے میں کس تاریخ کو ناکام رہے؟

۷۔ بادل کی گرج پہلے سنائی دیتی ہے یا بجلی کی چمک؟ اس کی وجہ بھی بتائیے۔

۸۔ ملکۂ وکٹوریا نے کس سنہ میں ملکۂ ہند کا خطاب اختیار کیا تھا؟

۹۔ انگریزوں نے پہلے تو صوبۂ بنگال کو دو حصّوں میں تقسیم کیا تھا، پھر اس تقسیم کو خود ہی منسوخ کر دیا۔ بتائیے منسوخ کس سنہ میں کیا تھا؟

۱۰۔ براعظم ایشیا میں تین ملک ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک کا کچھ حصّہ کسی دوسرے براعظم میں بھی ہے۔ ان ملکوں کے نام بتائیے؟

۱۱۔ مسلم لیگ کے ایک بڑے رہنما اور قائدِ اعظم کے ساتھی جناب سید حسین امام کا کس تاریخ کو اور کہاں انتقال ہوا تھا؟

۱۲۔ سمندر میں معدنیات میں سے کون سی چیز سب سے زیادہ ہوتی ہے؟

۱۳۔ ایک بہت مشہور مصرع ہے:

جن پہ تکیہ تھا وہی پتّے ہوا دینے لگے

اس کا پہلا مصرع لکھیے۔

۱۴۔ "شیش محل" ایک کتاب کا نام بھی ہے۔ بتائیے یہ کس ادیب نے لکھی تھی؟

۱۵۔ ان مشہور ادیبوں اور شاعروں میں سے صرف دو کے اصلی نام بتا دیجیے۔

(الف) ماہر القادری (ب) پروفیسر انجم اعظمی (ج) ڈاکٹر فرمان فتح پوری (د) صہبا لکھنوی (ہ) میرزا ادیب (و) رئیس امروہوی (ز) رضا ہمدانی۔

۱۶۔ غازی صلاح الدین ایوبی کس سنہ میں مصر اور شام کے حکم راں بنے؟

۱۷۔ جو مادّہ آتش فشاں پہاڑوں سے نکلتا ہے اُس کو لاوا کہتے ہیں۔ بتائیے یہ کس زبان کا لفظ ہے؟

۱۸۔ مشہور بزرگ اور شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ کے مجموعۂ کلام "شاہ جو رسالو" کا اردو ترجمہ سندھ کے کس مشہور شاعر نے کیا ہے؟

۱۹۔ صنعا کس ملک کا دارالحکومت ہے؟

۲۰۔ ریڈیو پاکستان کا مونو گرام کس مشہور مُصوّر نے بنایا تھا؟

انعامی معلوماتِ عامہ ۲۳۳، ستمبر ۱۹۸۵ء

نام ______________________

والد کا نام ______________________

پتا ______________________

چور پکڑو

مسعود احمد برکاتی
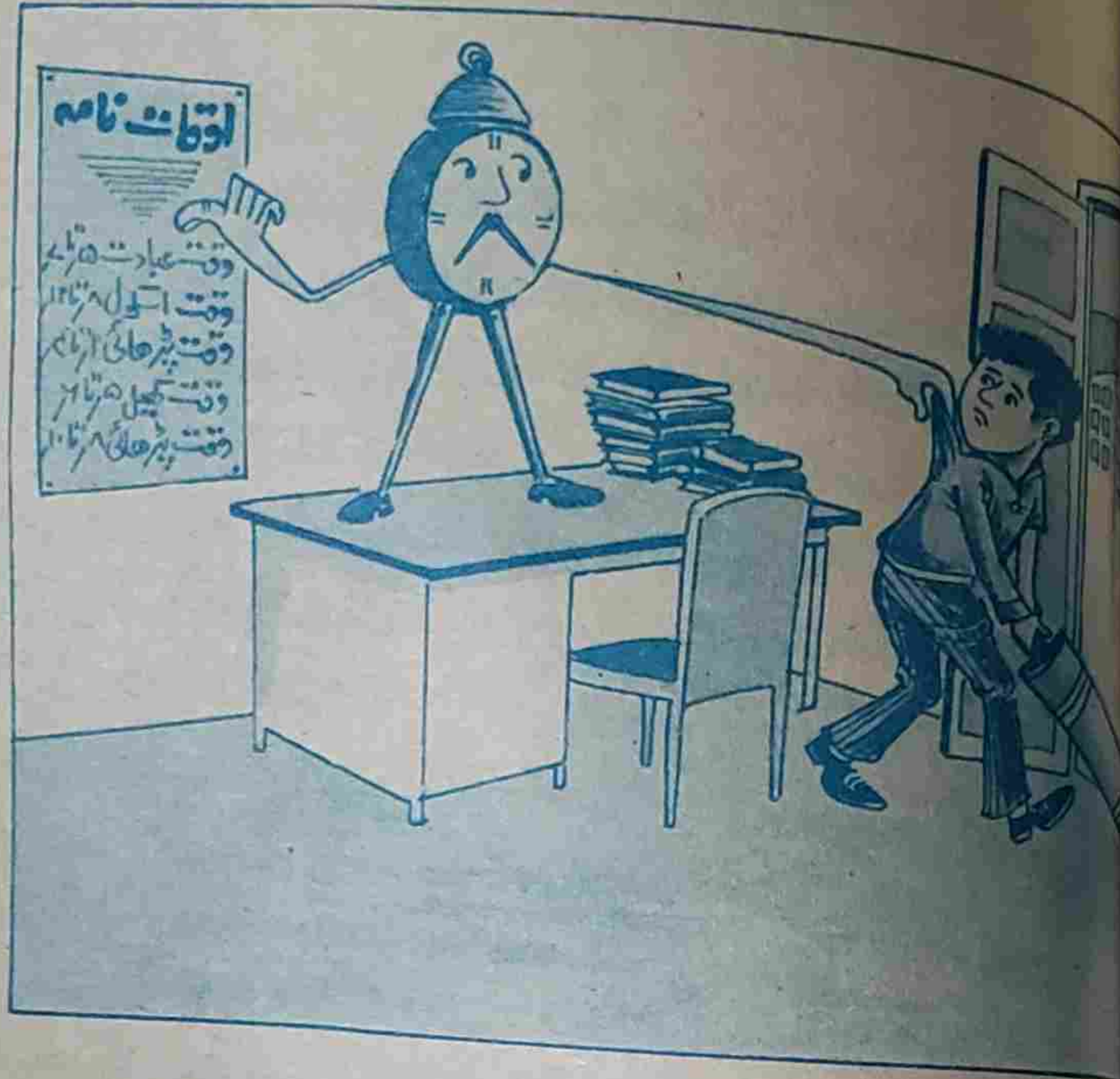
گھر میں چوری ہو گئی۔
چور سامان لے گئے۔ شور مچ گیا۔ جس کو معلوم ہوا اس نے ہمدردی ظاہر کی۔ پولیس
ار پورٹ کی گئی۔ سامان کی تلاش شروع ہوئی۔ پوچھ گچھ ہونے لگی۔ ہر ایک نے تفصیل
چی۔ چوری کس وقت ہوئی، کیسے ہوئی۔ کس پر شبہ ہے۔ پولیس نے اُن لوگوں کے نام
ے جن پر شبہ ہو سکتا ہے تاکہ چور پکڑنے میں آسانی ہو۔

ایک چیز ایسی ہے جو بہت قیمتی ہے۔ وہ کھو جاتی ہے، چوری ہو جاتی ہے، لیکن
ود مالک کو فکر ہوتی ہے اور نہ کسی دوست کو پروا۔ نہ کوئی یہ پوچھتا ہے کہ یہ دولت

کس نے چُرائی۔

سمجھے وہ دولت کون سی ہے؟

نہیں سمجھے۔ سمجھنا بھی مشکل ہے۔ اگر یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے تو پھر وہ چیز چوری ہی نہ ہو۔

وہ چیز ہے وقت!

وقت ایک قیمتی چیز ہے، ایک نایاب مال ہے، ایک انمول موتی ہے۔ ایک بیش بہا دولت ہے۔ قاعدہ ہے کہ قیمتی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے۔ دولت کو تالوں میں چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ سونا چاندی تجوری میں بند کر کے رکھتے ہیں۔ زیور کی حفاظت جان سے بڑھ کر کی جاتی ہے۔ ہر کسی کے ہاتھ میں نہیں دیا جاتا۔ گھر میں سب سے محفوظ جگہ رکھا جاتا ہے، لیکن کیا وقت کی دولت کی بھی ایسی ہی حفاظت کی جاتی ہے؟ کیا اس کو بھی ایسی ہی احتیاط سے بچایا جاتا ہے؟ کیا اس کو بھی کسی کے سپرد کرنے سے پہلے چھان پھٹک کر لی جاتی ہے؟

نہیں، بالکل نہیں

میں نہیں کہتا کہ ہر ایک ایسا کرتا ہے۔ کچھ لوگ وقت کی قدر بھی مال و دولت کی طرح کرتے ہیں اور صحیح کرتے ہیں، لیکن زیادہ تر لوگ وقت کو مفت کی چیز سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں اس کی کوئی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ یہ ہمارے پاس بہت ہے۔ اس کی کمی نہ ہے اور نہ ہو گی، لیکن ایسا سوچنا صحیح نہیں ہے۔ وقت قیمتی چیز ہے اور ہر قیمتی چیز کم ہی ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب وہ چیز موجود ہوتی ہے تو اس کی قدر نہیں ہوتی، لیکن وقت کی دولت ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ یہ ہر لمحہ کم ہوتی رہتی ہے۔ بعض چیزیں تو خرچ کرنے سے کم ہوتی ہیں لیکن وقت کو استعمال کرو یا نہ کرو یہ کم ہوتا جاتا ہے۔ آج یہ دولت جتنی ہمارے پاس ہے کل اتنی نہ رہے گی، پرسوں اور بھی کم ہو جائے گی۔ جس نے اس کو استعمال کر لیا وہ فائدے میں رہا، جس نے یونہی گنوا دیا وہ نقصان میں رہا۔

بعض لوگ وقت کی قدر تو جانتے ہیں، اس کی اہمیت سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کو ضائع ہونے سے بچانے کے طریقے نہیں جانتے، یا یہ نہیں جانتے کہ یہ کس طرح ضائع یا چوری ہو جاتا ہے۔

آپ کو وقت کی قدر معلوم ہے اور اس کو گمانا نہیں چاہتے تو اس چور کو بھی پکڑنے کی کوشش کیجیے جو بڑی ہوشیاری سے اس کو آپ سے چھین لیتا ہے یا چُرا لیتا ہے اور آپ کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ آپ اس کو چوروں سے بچانے کے لیے ہر وقت چوکنّے رہیے۔ یہ چور آپ کے گھر میں بھی ہو سکتا ہے۔

جب کوئی بڑا سودا کرنا ہوتا ہے یا کسی سے معاہدہ کرنا ہو تو لکھا پڑھی کرتے ہیں۔ وقت کو بچانے کا بھی سب سے اچھا طریقہ یہ ہے لکھا لیا جائے۔ اسی کو "اوقات نامہ" یا ٹائم ٹیبل کہیں گے۔ اوقات نامہ ہمارا بڑا اچھا مددگار ہوتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہمیں اس وقت یہ کام کرنا ہے۔ یہ بھی بتاتا بلکہ جتاتا ہے کہ اس کام کے لیے جتنا وقت مقرر کیا تھا وہ ختم ہو رہا ہے۔ اوقات نامے کو دیکھ کر ہم جلدی جلدی کام پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اِدھر اُدھر نہیں بھٹکتے، نہ اُس وقت کوئی دوسرا کام کرتے ہیں۔

صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے اور ہر روز اسی طرح ہوتا ہے، لیکن ہم غور نہیں کرتے۔ ایک روز غور کیجیے بلکہ چند روز تک غور کیجیے کہ کتنا وقت کام میں صَرف ہوا اور کتنا بے کار گیا۔ کس کام میں کتنا وقت لگا۔ کتنے کام پورے ہو گئے، کتنے ادھورے رہ گئے، کتنے بالکل ہی نہیں ہو سکے۔ اس طرح غور کرنے سے آپ کو غور کرنے کی عادت ہو جائے گی اور آپ کی سمجھ میں آنے لگے گا کہ وقت کہاں چلا جاتا ہے اور کس طرح چلا جاتا ہے۔ گویا آپ چور پکڑنے کے قابل ہو جائیں گے۔ جب آپ کو چور پکڑنے کا طریقہ آجائے گا تو وقت کی چوری بھی کم ہو جائے گی اور آپ اپنی دولت سے پورا فائدہ اُٹھا سکیں گے۔

بعض نونہال ایک ہی کاغذ پر بہت سی چیزیں لکھ دیتے ہیں۔ خط، لطیفے، تحفے کہانی سب ایک ہی کاغذ پر لکھتے چلے جاتے ہیں، بلکہ بعض نونہال تو کاغذ کے دونوں طرف لکھ دیتے ہیں۔ ہم چوں کہ ہر چیز کو الگ الگ ترتیب سے رکھتے ہیں، اس لیے ایک کاغذ پر کئی چیزیں ہونے کی وجہ سے دقّت ہوتی ہے۔ مہربانی کر کے اپنی ہر تحریر الگ کاغذ پر لکھا کیجیے۔

ہر خط اور ہر تحریر کے نیچے اپنا پورا پتا بھی ضرور لکھیے۔

کھیل جو گھوڑے پر سوار ہو کر کھیلے جاتے ہیں

ساجد علی ساجد

دنیا کے سو بہترین کھلاڑیوں میں ایک گھوڑا بھی شامل ہے

یوں تو جانوروں کی دنیا بہت بڑی دنیا ہے، جس میں قسم قسم کے جانور پائے جاتے ہیں مگر کھیل کے مقابلوں میں جو جانور انسان کا ساتھی رہا ہے وہ گھوڑا ہے۔ گھوڑا ایک سے زیادہ کھیلوں میں انسان کا ساتھ دیتا ہے بلکہ بعض کھیلوں میں انسان کی کارکردگی کا انحصار اسی کی کارکردگی پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً پولو میں اگر گھوڑا اچھی طرح نہیں دوڑے گا تو اچھے سے اچھا کھلاڑی بھی گول نہیں کر پائے گا۔

کھیلوں کی دنیا میں "کھلاڑی گھوڑوں" کو جو مقام حاصل ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ دنیا کے سو بہترین کھلاڑیوں میں ایک گھوڑا "مینی فیسٹو" بھی شامل ہے۔ اس حیرت انگیز گھوڑے کے بارے میں ہم آپ کو بعد میں بتائیں گے پہلے ان کھیلوں کا

تذکرہ سُنیے جو انسان اور گھوڑے مل کر کھیلتے ہیں۔

ایسے کھیل پولو، گھُڑ کود (ہارس جمپنگ) اور پونی ٹریکنگ شامل ہیں۔ ان کو کھیلنے کے لیے انسان کو اچھے تربیت یافتہ اور کھیل کود کے شوقین گھوڑوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ان میں پولو پاکستان میں بھی کھیلا جاتا ہے اور پاکستان نے پولو کے کئی نامور کھلاڑی پیدا کیے ہیں۔ سب سے زیادہ شہرت بریگیڈیر ہسکی بیگ نے پائی۔ جن کو پولو کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں ان کی خدمات پر حُسنِ کارکردگی کا اعزاز بھی دیا گیا۔

پولو دنیا کے قدیم ترین کھیلوں میں سے ایک ہے جس کا ذکر شاہ داریوس (۵۲۵ ق م) کے دور میں ملتا ہے۔ اس کھیل کا ذکر کئی فارسی شاعروں نے بھی کیا ہے۔ مشہور شاعر فردوسی نے بھی اپنے شاہ نامے میں پولو سے مِلتے جُلتے کھیل کا ذکر کیا ہے جو ایرانیوں اور ترکوں کے درمیان کھیلا جاتا تھا۔ ایران سے یہ کھیل مصر، قسطنطنیہ اور مشرق میں جاپان اور چین کی طرف پھیل گیا۔ مغل بادشاہ اسے ہندستان لے آئے اور یہ چوگان کے نام سے کھیلا جانے لگا۔ شہنشاہ اکبر خاص طور پر اس کھیل کے شوقین تھے اور اِسے فیصلہ کرنے کی قوت اور نظم و ضبط پیدا کرنے کا ایک عمدہ ذریعہ سمجھتے تھے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ قطب مینار کے معمار قطب الدین ایبک پولو کھیلتے ہوئے ہلاک ہوئے تھے۔ شہنشاہ جہانگیر اور شاہ جہاں کی وفات کے بعد ہندستان میں اس کی مقبولیت کم ہونے لگی، لیکن یہ شمال کے پہاڑی علاقوں اور تبت میں کھیلا جاتا رہا۔ مانی پور اور آسام میں بھی لوگ پولو کھیلتے رہے۔ وہیں چائے کی کاشت کرنے والے انگریزوں نے سب سے پہلے پولو کا کھیل دیکھا۔ لیفٹیننٹ کرنل رابرٹ اسٹیوارٹ اور لیفٹیننٹ جون شیرر نے تو اسے ہندستان میں مقبول بنانے میں پورا پورا حصّہ لیا۔

گھوڑوں کی بڑھتی ہوئی قیمت اور صنعتی ترقی کی وجہ سے برصغیر میں اس کی مقبولیت میں کمی ہوئی۔ البتہ ارجنٹائن اور دوسرے جنوبی امریکی ملکوں میں یہ اب بھی بڑے ذوق شوق سے کھیلا جاتا ہے۔ آج کل پولو کے بہترین کھلاڑی ارجنٹائن اور امریکا کے مانے جاتے ہیں اور ارجنٹائن پولو کا عالمی چیمپئن ہے۔

یوں تو زیادہ تر کھیل ایسے ہیں جو انگلستان سے سفر کر کے برصغیر (پاکستان، ہندستان)

میں آئے ہیں مثلاً کرکٹ کا کھیل انگریز فوجی اپنے وطن انگلستان سے یہاں لائے تھے، مگر پولو وہ کھیل ہے جسے انگریز فوجی اپنے ساتھ برصغیر سے انگلستان لے گئے۔ قدیم ہندستان میں یہ کھیل چوگان کے نام سے کھیلا جاتا تھا۔ خود پولو تبتی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی گیند کے ہیں۔ پولو کا قدیم ترین کلب سلچار پولو کلب بھی ہندستان میں ہے جو ۱۸۵۹ء میں قائم ہوا تھا۔ پولو کے کھیل میں ایک الم ناک واقعہ بھی پیش آچکا ہے۔ ہندستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان نواب پٹوڈی سینیئر پولو کھیلتے ہوئے ہلاک ہو گئے تھے۔ کسی پولو میچ میں اب تک سب سے زیادہ یعنی تیس گول ارجنٹائن اور امریکا کے ایک میچ میں بنائے گئے جو ۱۹۳۶ء میں کھیلا گیا۔ اس میچ میں ارجنٹائن نے امریکا کو نو کے مقابلے میں اکیس گول سے ہرایا تھا۔

پولو پانچ اولمپک کھیلوں میں بھی کھیلا گیا۔ یہ اولمپک کھیل ۱۹۰۰ء، ۱۹۰۸ء، ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۴ء اور ۱۹۳۶ء کے تھے۔ اب تک پولو کی سب سے بڑی ٹرافی "بنگلور لمیٹڈ ہینڈی کیپ پولو ٹورنامنٹ" کی ٹرافی ہے جو چھے فیٹ لمبی ہے۔ دنیا میں اب تک سب سے زیادہ قیمت ایک گھوڑے "جوپیٹر" کی ادا کی گئی۔ پولو کھیلنے والا یہ گھوڑا اسٹیفن سیفورڈ نے ۱۹۲۸ء میں بیس ہزار ڈالر دے کر خریدا تھا۔

پولو چار چار کی ٹیمیں کھیلتی ہیں۔ پولو گراؤنڈ تمام کھیلوں میں سب سے بڑا میدان ہوتا ہے، جس کی لمبائی تین سو گز اور چوڑائی ایک سو ساٹھ گز ہوتی ہے۔ شیر پاؤ گارڈن ایک زمانے میں پولو گراؤنڈ کہلاتا تھا۔ پولو میں گھُڑ سوار کھلاڑیوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی طرح ایک لمبی اِسٹک سے گیند کو مار کر اُسے چوبیس فیٹ چوڑے گول میں پہنچا دیں جس کے لیے انھیں کبھی کبھار گیند، اِسٹک اور گھوڑے سمیت پینتالیس میل فی گھنٹے کی رفتار سے بھی دوڑنا پڑتا ہے۔ یہ کھیل مختلف وقفوں میں کھیلا جاتا ہے۔ ہر دفعہ ایک چکر (CHUKKA) کہلاتا ہے۔

پونی ٹریکنگ

اس کھیل کی ابتدا ۱۹۵۳ء میں اسکاٹ لینڈ میں ہوئی۔ یہ کھیل اونچے نیچے پہاڑی علاقوں

جنگلوں اور میدانوں میں گھوڑے پر سوار ہو کر کھیلا جاتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ آپ پیدل چلنے کی رفتار سے گھوڑے کو چلائیں۔ رفتار ذرا تیز ہوئی تو یہ کھیل پونی ٹریکنگ نہیں بلکہ کچھ اور بن جاتا ہے۔ اس کھیل کے میدان اسکاٹ لینڈ کے علاوہ ویلز اور انگلستان کے بعض دوسرے صوبوں میں بھی ہیں۔ جن کو متعلقہ تنظیم باقاعدہ منظور کرتی ہے۔

گھڑسواری

گھوڑے پر سواری کرنا اور اپنے ساتھ گھوڑے کو چھلانگ لگوانا بھی ایک کھیل ہے۔ پہلے گھوڑے جنگ لڑنے اور سواری کرنے کے لیے استعمال ہوتے تھے، مگر جب موٹر کاریں ایجاد ہو گئیں تو گھوڑوں کو کھیل تفریح میں وقت دینے کا موقع مل گیا۔ اب یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ ہارس جمپنگ وہی کر سکتا ہے جو گھڑسواری (ہارس رائیڈنگ) جانتا ہو۔ گھڑسواری خاصا مشکل فن ہے۔ گھڑسوار کو سب سے پہلے یہ مقولہ یاد کرایا جاتا ہے: "اپنے دل اور دماغ کو بلند رکھو۔ (ہمت سے کام لو) ہاتھ پیروں کو نیچے کرو۔ (جم کر بیٹھو، گھوڑے کو اپنے اوپر سوار ہونے کا موقع نہ دو) اپنے گھٹنے سے گھوڑے کو دبا کر رکھو۔" ماہر گھڑسوار دنیا بھر میں دوڑ کے مقابلوں میں حصّہ لیتے ہیں۔ دوڑتے ہوئے انھیں رکاوٹیں بھی عبور کرنی پڑتی ہیں۔ البتہ "شو جمپنگ" میں گھڑسوار کو کھلا میدان دے دیا جاتا ہے کہ وہ تن تنہا اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر مختلف کرتب دکھائے۔

مینی فیٹو گھوڑا — بہترین کھلاڑی

اب ہم آپ کی ملاقات ایک ایسے گھوڑے سے کرا رہے ہیں، جس کا شمار دنیا کے ایک سو بہترین کھلاڑیوں میں ہوتا ہے۔ اس گھوڑے کا نام مینی فیٹو تھا۔ اب یہ دنیا سے تو رخصت ہو گیا، مگر اس کی کارکردگی لوگوں کو آج تک یاد ہے۔ اس کو لوگ "لاکھوں میں کا ایک گھوڑا" کہا کرتے تھے۔ مینی فیٹو جب پہلی بار گرانڈ نیشنل ریس میں دوڑا تو کُہر اتنی زیادہ تھی کہ گھڑسوار غلط چھلانگیں لگا رہے تھے۔ پھر بھی "مینی فیٹو" اعتماد سے دوڑا اور چوتھے نمبر پر رہا۔ اس وقت وہ سات سال کا تھا۔ پھر اگلے سال ہی یعنی ۱۸۹۷ء میں اس نے

بہترین کارکردگی دکھاتے ہوئے ساتھیں گھوڑوں کو پیچھے چھوڑا اور اوّل آیا۔ ۱۸۹۸ء میں جب چوتھی سالانہ دوڑ ہونے والی تھی، مینی فیٹو مستی کے عالم میں اپنے اصطبل سے نکلا۔ اس کا ارادہ چوری چھپے مشق کرنے کا تھا، مگر بدقسمتی سے وہ پانچ فیٹ اونچے گیٹ سے جا ٹکرایا۔ زخمی ہوا اور ریس میں حصّہ نہ لے سکا۔

۱۸۹۹ء میں مینی فیٹو پھر جیت گیا۔ البتہ ۱۹۰۰ء اور ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۳ء میں وہ یہ کمال نہ دکھا سکا۔ پھر ۱۹۰۴ء میں سولہ سال کی عمر میں بھی جب گھوڑے ریٹائر ہو کر گھر بیٹھ جاتے ہیں، مینی فیٹو ریس میں دوڑا اور ۲۶ گھوڑوں میں نویں نمبر پر رہا۔ یہ ایک ایسا ریکارڈ ہے جو شاید ہی کوئی توڑ سکے یعنی آٹھ مرتبہ میں وہ سات مرتبہ فنشنگ لائن پر پہنچا۔ دو مرتبہ جیتا، تین مرتبہ تیسرے نمبر پر رہا اور جاتے جاتے پھر نویں نمبر پر آگیا۔ ایک گھوڑے سے ہم اس سے زیادہ کیا کارکردگی کی توقع کر سکتے ہیں۔
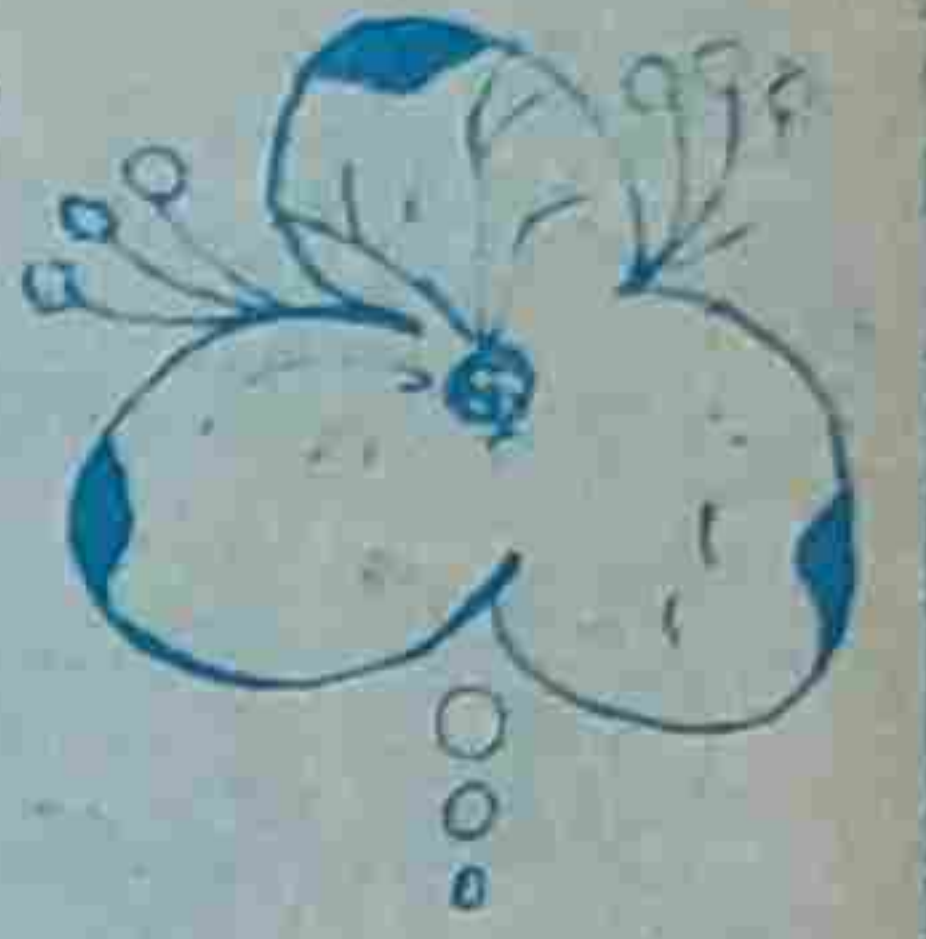
پاکستان کے جیالے بچّو

غنی دہلوی

اپنے وطن کے جیالے بچّو — دریا بن کر نور کا پھیلو

پاکستان کے پیارے بچّو — سورج بن کر گھر گھر چمکو

کپڑے پہنو صاف اور سُتھرے — بن کے رہو تم دن بھر اُجلے

نِکھرے نِکھرے آؤ نظر تم — ایسے چمکو جیسے انجم

اُبھرو گے تم سورج بن کر — جاؤ گے اِک دن چاند کے اوپر

چمکو بن کر چاند ستارے — چہرے ہوں پُر نور تمھارے

تم ہی ہو تنویر وطن کی — تم ہی ہو تقدیر وطن کی

اپنی کاوش اپنی محنت — اپنے بازو اپنی طاقت

راہِ عمل میں قدم بڑھاؤ — اپنے وطن کو اور سجاؤ

منزل منزل بڑھتے جاؤ — پربت پربت چڑھتے جاؤ

اپنے وطن کے نغمے گاؤ — علم و عمل کی شمع جلاؤ
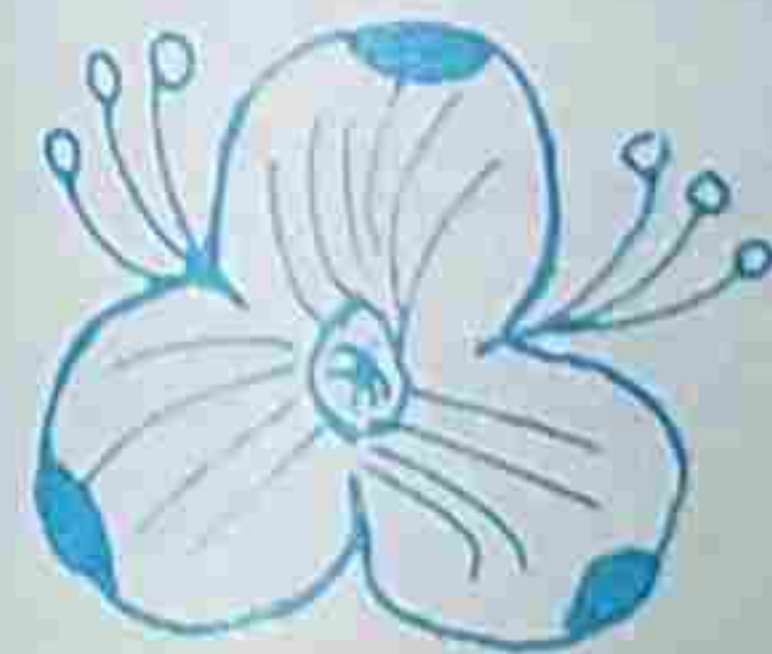
اپنے وطن کی راہیں روشن

تم سے ہوں گے صحرا، گلشن
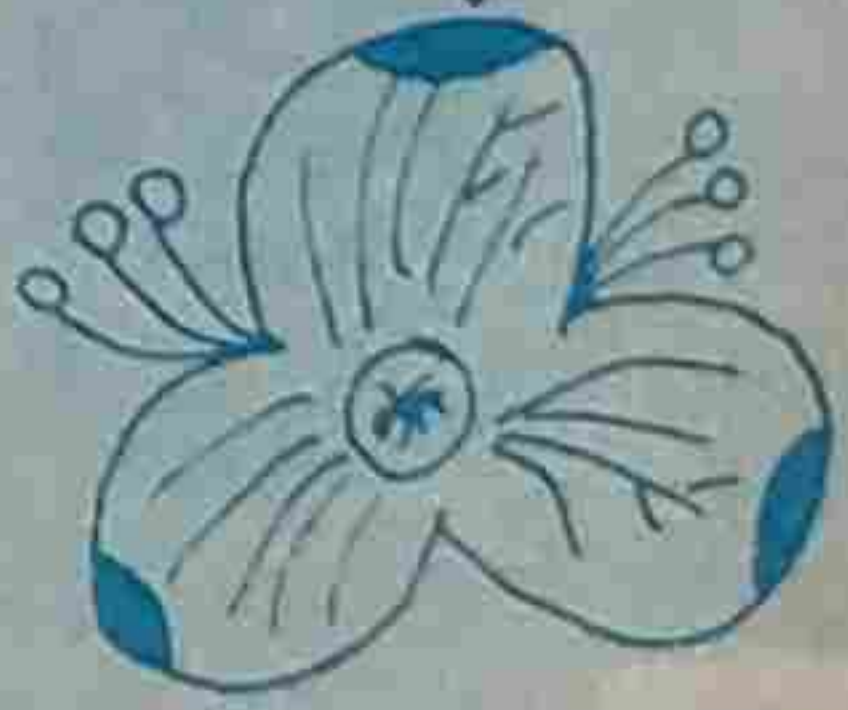
ایک لاکھ رُپے کا ڈھیر

ریاست اوَدھ کے حکم راں نواب آصف الدولہ اپنی سخاوت اور دریا دِلی کی وجہ سے سارے ہندُستان میں مشہور تھے۔ ایک بار ایک مفلس و نادار شخص ان کے دربار میں حاضر ہوا۔ وہ شکل و صورت سے کسی اعلا خاندان کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنا حالِ زار بیان کرتے ہوئے کہا:

"یہ بات سرکار کی شان کے خلاف ہو گی کہ میں اپنا حسب و نسب بیان کروں۔ ویسے بھی ابرِ کرم کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ وہ کھیتوں پر برس رہا ہے یا پہاڑوں کی چٹانوں پر۔ میں ایک ضرورت مند ہوں۔ میری تین بیٹیاں ہیں، جن کی شادی کی عمریں تیزی سے گزرتی جا رہی ہیں۔"

آصف الدولہ اس کی باتوں سے بے حد متاثر ہوئے اور ایک لاکھ روپے
عطیہ دینے کا حکم دیا۔ ایسے موقع پر خوشامدی اور نکمّے درباریوں کو بہت تکلیف پہنچی ہے
ایک لاکھ روپے کا سُن کر وہ بری طرح جل اُٹھے۔ آخر افسر خزانہ اور دوسرے مُصاحبوں
نے آپس میں مشورہ کر کے ایک منصوبہ تیار کیا۔ خزانے سے ایک لاکھ روپے کی رقم نکال
کر اُس راستے میں ڈھیر کر دی جہاں سے نواب صاحب کا گزر ہوتا تھا۔ کسی نے اس
تماشے کا سبب پوچھا تو کہا گیا کہ شاید نواب صاحب نے اپنی آنکھ سے ایک لاکھ روپے
نہیں دیکھے ہیں۔ اگر وہ ایک بار بھی چاندی کے سکّوں کے اس سوا گز چوڑے سوا گز
لمبے اور سوا گز اونچے چبوترے کو دیکھ لیتے تو اتنی بے دردی کے ساتھ شاہی خزانے
کو نہ لُٹاتے۔ ہم آج سرکار کو یہی دِکھانا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ہونٹوں کی ایک جنبش سے
جو چیز لوگوں کو بخش دیتے ہیں اُس کی عملی شکل کیا ہوتی ہے۔ تمام حاسدوں نے منصوبے کی
بہت تعریف کی اور اس عجیب و غریب تماشے کا انجام دیکھنے کے لیے رُک گئے۔ آخر دربار ختم
ہوا۔ نواب آصف الدولہ دربار ہال سے نکل کر ایوانِ خاص کی طرف بڑھے۔ اچانک اُن کی نظر
روپوں کے ڈھیر پر پڑی۔ چونک کر رُکے اور افسرِ خزانہ سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہے؟ جواب
میں اُس نے بتایا کہ آج سرکار نے ایک شخص کو ایک لاکھ روپے عنایت کرنے کا حکم دیا ہے
یہ وہی رقم ہے جو خزانے سے نکالی جا رہی ہے۔

نواب صاحب چند لمحوں تک چاندی کے اس انبار کو دیکھتے رہے اور پھر ندامت آمیز
لہجے میں کہنے لگے، "ہم تو سمجھتے تھے کہ ایک لاکھ روپے بہت زیادہ ہوتے ہیں، مگر آج اپنی
غلطی کا اندازہ ہوا۔ خیر، ابھی وقت ہے، اس شخص کو مزید ایک لاکھ روپے دے دو کیوں کہ
اس کی ضرورت زیادہ ہے اور روپے کا ڈھیر کم۔" یہ کہہ کر نواب آصف الدولہ اپنے ایوان
خاص میں داخل ہو گئے۔

(نامعلوم نونہال ادیب)

سونے کے پروں والا کبوتر

میرزا ادیب

یہ پرانے زمانے کا قصہ ہے۔ ایک تھا گاؤں اور اس گاؤں کے اندر رہتا تھا ایک
کسان۔ یہ کسان اولاد سے محروم تھا۔ بس وہ تھا اور اس کی بیوی تھی۔ کسان اپنے کھیت میں
کام کر کے جو کچھ کما لیتا تھا اُس سے اچھی خاصی گزر بسر ہو جاتی تھی۔ میاں بیوی کو کسی قسم
کی فکر نہیں تھی اور فکر ہوتی بھی کیوں کر۔ گھر کے اخراجات بس اتنے تھے کہ کسان کی آمدنی سے
سہولت کے ساتھ پورے ہو جاتے تھے۔ ان کی زندگی ٹھیک ٹھاک گزر رہی تھی کہ ایک روز
کسان نے اپنے گھر سے دُور ایک امیر آدمی کو دیکھا جو بڑی شان دار حویلی میں رہتا تھا، شان دار
لباس پہنتا تھا اور جب بھی گھر سے باہر نکلتا تھا اِرد گرد لوگ ادب سے کھڑے ہو کر اسے
سلام کرتے تھے۔ اس آدمی کو دیکھ کر کسان کے دِل میں ایک خواہش پیدا ہو گئی، اور خواہش
یہ تھی کہ وہ بھی اس امیر آدمی کی طرح ٹھاٹ سے زندگی گزارے، عالی شان مکان میں رہے
اعلیٰ درجے کا لباس پہنے اور امیر آدمی کی طرح اس کی بھی لوگ عزّت کریں۔ چند روز تک تو
کسان کی یہ خواہش اس کے دِل ہی میں رہی، کسی سے بھی اس نے اس کا ذکر نہ کیا۔ پھر ایک
دن اُس نے اپنی بیوی کو یہ بات بتا دی۔ اس کی بیوی نے ساری زندگی غریبی کی حالت میں شوہر کا ساتھ
دیا تھا۔ دولت مند بننے کی آرزو اس کے دل میں بھی تھی، تاہم وہ اس حقیقت سے اچھی طرح
واقف تھی کہ ہر انسان کو اپنی چادر کے مطابق پاؤں پسارنے چاہییں۔ چادر سے زیادہ پاؤں
پسارنے کی کوشش کی جائے گی تو ضرور چادر پھٹ جائے گی اور کوئی بے وقوف ہی ایسی حرکت کرے
گا۔ اس نے شوہر کو سمجھایا کہ ہماری اچھی بھلی بیت رہی ہے۔ نہ تو کسی کا قرض دینا ہے نہ
کسی کی محتاجی ہے۔ ہمیں تو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جس نے ہمیں عزّت و آبرو کے ساتھ
زندگی بسر کرنے کی توفیق دی ہے۔

کسان بیوی کی بات سُن کر اس وقت تو چپ ہو گیا مگر وہ خواہش اس کے دل میں ہی

رہی بلکہ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، یہ خواہش بڑھتی ہی گئی۔ رات کو سونے کے لیے بستر پر
لیٹتا تو شان دار مکان، شان دار لباس اور مکان کے اندر بیش قیمت فرنیچر کے خواب دیکھنے لگتا۔
بیوی اطمینان سے سو جاتی مگر وہ بار بار کروٹیں بدلتا رہتا۔

وہ جو کچھ کماتا تھا اس میں زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ کچھ رقم بچا کر اپنی بیوی
کے ساتھ شہر کی سیر کر آئے، یا ذرا بڑھیا لباس پہن لے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔
آمدنی میں اتنا اضافہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کا خواب پورا ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس
کے اندر ایک کشمکش سی برپا رہنے لگی اور یہ اسی کشمکش کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنا کام بے دلی سے
کرنے لگا۔ آمدنی میں اضافے کے بجائے کمی آ گئی۔ بیوی کو افسوس ہوا مگر وہ بے چاری شوہر کو
سمجھانے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

کسان آدمی نیک دل اور نیک چلن تھا۔ دوسروں کے ساتھ ہمدردانہ برتاؤ کر کے اسے خوشی
ہوتی تھی۔ اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے لوگ اسے اچھا آدمی سمجھتے تھے اور دل میں اس کی عزت
بھی کرتے تھے۔

ایک روز کسان شام کے قریب بازار سے سودا سُلف لے کر گھر لوٹ رہا تھا۔ سردی کا موسم
تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ تیز ہوا بھی چل رہی تھی۔ اس نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا کہ
ایک تھڑے کے اوپر بیٹھا سردی سے کانپ رہا ہے۔ کسان نے اس بوڑھے کی یہ حالت دیکھی
تو دل میں کہا، یہ آدمی ہمدردی کا مستحق ہے۔ اس کی مدد کرنی چاہیے اور اس نے جب اس
بوڑھے سے بات کی تو اسے معلوم ہو گیا کہ یہ واقعی ہمدردی کا مستحق ہے۔ بہت دُور ایک
گاؤں میں رہتا ہے۔ گرم کپڑے اس کے پاس نہیں ہیں اور سفر کافی لمبا ہے۔ بے چارہ صبح سے
بھوکا بھی ہے۔

کسان اسے اپنے گھر لے آیا، اسے کھلایا پلایا، آرام دہ بستر پر لٹایا۔ صبح جب سورج چمک
رہا تھا تو مسافر بولا،

"اے نیک دل انسان! تم نے میری بڑی مدد کی ہے۔ میں اس وقت تو تمھارے احسان
کا بدلا نہیں دے سکتا، البتہ جمعرات کی صبح کو آؤں گا اور تمھیں ایک ایسی چیز دے جاؤں گا کہ
تمھاری حالت ہی بدل جائے گی۔"

یہ کہہ کر بوڑھا چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد کسان بڑی بے تابی سے جمعرات کی صبح
کا انتظار کرنے لگا۔

جمعرات کی صبح کو ابھی پو پھٹنے میں کچھ دیر تھی کہ کسان کے دروازے پر دستک ہوئی۔
کسان تو جاگ ہی رہا تھا۔ جھٹ بستر سے اُٹھا اور دروازے پر آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ دروازے
پر وہی بوڑھا کھڑا ہے اور اس کے ہاتھ میں ایک پنجرہ ہے جس کے اندر سفید پروں والا ایک
کبوتر نظر آ رہا ہے۔

"تم نے میرے ساتھ نیکی کی تھی، یہ اس کا بدلا ہے۔"

"یہ کبوتر لے کر میں کیا کروں گا؟" کسان کبوتر دیکھ کر مایوس ہو گیا تھا۔

وہ بوڑھا بولا، "ارے میاں! تم کیا جانو یہ کبوتر کتنا قیمتی ہے۔ سنو، جمعرات کی آدھی رات
کو اس کے پَر سونے کے ہو جاتے ہیں۔ فوراً اس کے چند پَر اُتار لینا اور اسے پنجرے سے
نکال کر آزاد کر دینا۔ یہ چند پَر بیچو گے تو ہزاروں کیا لاکھوں رُپے پا لو گے۔ شرط یہ ہے کہ آدھی
رات کو جاگتے رہنا ہو گا۔ اگر تم نہ جاگے تو اس کے پَر پھر ویسے کے ویسے سفید ہو جائیں گے۔"

کسان نے کبوتر کی یہ خوبی سُنی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کا خواب ایک دم پورا ہو گیا ہے۔ اس نے فوراً ہاتھ بڑھا کر پنجرہ لے لیا اور بوڑھے کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ بوڑھا ایک منٹ بھی نہ ٹھیرا، چلا گیا۔ مگر جاتے جاتے یہ کہہ گیا۔ خبردار یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ ہو اور کسان نے اس کا عہد کر لیا۔ کسان خوشی خوشی پنجرہ اندر لے آیا۔

بوڑھے نے منع کر دیا تھا کہ یہ راز کسی کو بھی نہ بتایا جائے، مگر کسان کی بیوی نے جب بڑا اصرار کیا تو کسان نے اسے اصل واقعہ سُنا دیا اور وعدہ لے لیا کہ یہ راز کسی کو بھی نہیں بتائے گی۔

وہ دن جمعرات کا تھا۔ کسان اور اس کی بیوی نے بڑی مشکل سے دن گزارا۔ رات ہوئی تو دونوں پنجرے کے پاس بیٹھ گئے اور آدھی رات کا انتظار کرنے لگے۔ آدھی رات ہونے میں آدھا پون گھنٹہ باقی تھا کہ دونوں سو گئے اور اُس وقت اُن کی آنکھ کُھلی جب دن طلوع ہو چکا تھا۔

دونوں بہت پچھتائے، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ انھوں نے کبوتر کو دانہ دُنکا کھلایا اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

پھر جمعرات کی رات آئی۔ دونوں نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ساری رات نہیں سوئیں گے، لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ آدھی رات سے کچھ دیر پہلے پھر ان کی آنکھ لگ گئی۔ اسی طرح اگلی جمعرات بھی بیت گئی۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ کبوتر ہمارے گھر میں ہے۔ جائے گا کہاں"، کسان مایوس نہیں ہوا تھا۔ کسان کی بیوی یوں تو بڑی عقل مند اور ہوش مند تھی، مگر اس میں ایک کمزوری بھی تھی۔ وہ کوئی راز چھپا کر نہیں رکھ سکتی تھی۔ ایک روز اس نے اپنی پرانی ہمسائی کو یہ بات بتا دی۔ ہمسائی نے شوہر کو بتا دی۔ شوہر گاؤں کے سب سے امیر آدمی کے ہاں ملازمت کرتا تھا اُس نے امیر آدمی کو یہ قصہ سُنا دیا۔

امیر آدمی کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی، مگر وہ تھا بڑا حریص۔ اس نے یہ سوچا اگر یہ کبوتر مجھے مل جائے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔ اس نے کسان کے ہمسائے اور اپنے ملازم سے کہا:

"اگر تم کسی طرح وہ پنجرہ میرے یہاں لے آؤ تو تمھیں انعام سے مالا مال کر دوں گا۔"

اس آدمی نے اپنی بیوی کی مدد سے وہ پنجرہ امیر آدمی کے گھر پہنچا دیا اور کسی کو کانوں

کان خبر نہ ہوئی۔

کسان جو کام کر کے گھر آیا تو پنجرہ غائب تھا۔ اس نے تو سر پکڑ لیا اور بیوی پر سخت ناراض ہوا کہ اس کی غفلت کے کارن کوئی پنجرہ گھر سے لے گیا ہے۔

بیوی جانتی تھی کہ اس نے کبوتر کا راز صرف اپنی ہمسائی سے کہا تھا۔ وہ ہمسائی سے ملی اور رو پیٹ کر اسے مجبور کر دیا کہ وہ اصل حقیقت بتا دے۔ ہمسائی نے پہلے تو اس سے نہیں لیں کہ وہ کسی کو بھی اس کا نام نہیں بتائے گی۔ پھر اسے بتا دیا کہ کبوتر گاؤں کے سب سے امیر آدمی کے گھر پہنچ گیا ہے۔

اس زمانے کا دستور یہ تھا کہ کسی کے ساتھ کوئی ناانصافی ہوتی تھی تو وہ قاضی کی عدالت میں پہنچ کر داد فریاد کر سکتا تھا اور قاضی اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کرتا تھا۔ یہ قاضی شہروں میں رہتے تھے مگر دیہاتوں میں بھی آتے جاتے رہتے تھے۔

کسان کی بیوی نے اپنے شوہر کو بتا دیا کہ کبوتر کا پنجرہ چودھری الہ دین کی حویلی میں ہے اور اس حویلی میں کوئی بھی نہیں جا سکتا۔ کسان چودھری سے بہت ڈرتا تھا۔ وہ کیا سارا گاؤں اس سے ڈرتا تھا۔ کون اس کے خلاف شکایت کر سکتا تھا۔ کسان دن بھر سوچتا رہا۔ اس نے اپنی بیوی کو بھی نہ بتایا کہ کیا سوچ رہا ہے۔ دوسرے دن وہ کسی سے کچھ کہے بغیر شہر چلا گیا اور قاضی کو ساری بات سُنا دی۔ قاضی نے کہا، "اس وقت تم چلے جاؤ۔ میں عن قریب تمھارے گاؤں میں آ رہا ہوں۔ تمھارا کبوتر تمھیں مل جائے گا۔"

کسان لوٹ آیا۔

دوسرے دن سارے گاؤں میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ قاضی گاؤں میں آ کر چودھری الہ دین کے ہاں مہمان ہوا ہے۔

قاضی نے چودھری کے ہاں کبوتر والا پنجرہ دیکھا تو بولا:

"چودھری صاحب! مجھے تو ایک بزرگ نے بتایا تھا کہ یہ کبوتر اس نے ایک غریب کسان کو دیا تھا۔ آپ کے ہاں کیوں کر پہنچ گیا؟"

چودھری صاحب کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس نے اپنی طرف سے قاضی کو ہر طرح دھوکا دینے کی کوشش کی مگر قاضی کے آگے اس کی کوئی پیش نہ چلی اور وہ سچی بات کہنے پر

مجبور ہو گیا۔

"یہ پنجرہ فوراً کسان کے حوالے کر دو۔"

چودھری تھا حریص۔ سوچنے لگا "میں یہ کبوتر کسان سے خرید ہی کیوں نہ لوں۔" چنانچہ وہ قاضی سے کہنے لگا:

"قاضی صاحب! میں اگر یہ کبوتر خریدنا چاہوں تو؟"

"اگر کسان بیچنے پر راضی ہو اور تم اس کی وہ قیمت ادا کر دو جو وہ منظور کر سکتا ہے تو خرید لو۔"

قاضی نے کسان کو بلوا لیا۔ چودھری جب کبوتر کی اتنی قیمت دینے پر راضی ہو گیا جس کا کبھی خیال بھی کسان نہیں کر سکتا تھا تو کسان راضی ہو گیا اور رقم لے کر گھر لوٹ آیا۔

دوسری صبح کسان سو ہی رہا تھا کہ اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ دروازہ کھولا تو باہر وہی بوڑھا کھڑا تھا جس نے کسان کو اس کے نیک سلوک کے بدلے میں کبوتر کا پنجرہ دیا تھا۔

"میں نے سنا ہے چودھری نے وہ کبوتر بھاری قیمت ادا کر کے خرید لیا ہے۔" بوڑھے نے پوچھا۔

"جی ہاں ــ مجھے بہت بھاری قیمت مل گئی ہے۔" کسان نے جواب دیا۔

"بس یہی میں چاہتا تھا۔" بوڑھے نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں بزرگ!"

بوڑھا پھر ہنسا اور بولا:

"کبھی کبوتر کے پَر سونے کے بھی ہوئے ہیں۔ وہ تو ایک عام کبوتر تھا۔ جو کچھ ہوا ہے میرے منصوبے کے عین مطابق ہوا ہے۔ اب تمھارے پاس کافی روپیہ ہے ــ اور زمین خرید لو، محنت کرو ــ دولت مند ہو جاؤ گے۔ اُس وقت تمھاری پرانی خواہش بھی پوری ہو جائے گی۔"

وہ کسان کچھ مدّت بعد واقعی کافی دولت مند ہو گیا۔ اس نے شان دار مکان خرید لیا، اچھا لباس بنوایا اور شان سے رہنے لگا۔ دوسری طرف چودھری نے آخر مایوس ہو کر کبوتر کو پنجرہ کھول کر اُڑا دیا، کیوں کہ کئی مہینے گزر گئے تھے اور کسی جمعرات کی رات کو بھی اس کے پَر سونے کے نہیں ہوئے تھے۔

دادا ابّا کی کتاب

مسعود احمد برکاتی

یہ خوب صورت ڈبّا کیسا ہے؟

یہ ڈبّا نہیں ہے، کتاب ہے۔

کتاب؟

ہاں یہ بہت پرانی کتاب ہے۔

اچھا کیا پہلے کتاب ایسی ہوتی تھی؟

ہاں پہلے کتابیں کاغذ پر ہی چھپتی تھیں۔

کتنے پہلے؟

بہت پرانی بات ہے اپنے دادا ابّا کے بھی دادا ابّا کے زمانے کی۔ یہ تو ۲۰۹۵ء ہے نا، اس کتاب پر ۱۹۸۵ء لکھا ہوا ہے۔ سو سال سے بھی دس سال زیادہ ہو گئے۔

مگر یہ کتاب تمھیں ملی کہاں سے؟

بھئی ماریا، تم تو بہت سوال کرتی ہو۔ خیر سنو وہ جو چھے منزل نیچے تہ خانہ ہے نا، اس میں ایک اسٹور ہے۔ دادا ابّا نے وہاں ایک الماری اپنے قبضے میں کر رکھی ہے اس میں یہ کتاب حفاظت سے رکھی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ میرے دادا کی کتاب ہے۔

اچھا، حیرت ہے! یہ تو کاغذ پر چھپی ہوئی ہے۔ کاغذ بھی پلاسٹک کا نہیں ہے۔ عجیب سا ہے، بھدّا بھدّا۔

ہاں، دادا ابّا کے دادا ایسی ہی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔

مگر اس کے حروف تو بالکل خاموش ہیں نہ ہلتے ہیں نہ بولتے ہیں۔

جاجی نے ماریا کے کہنے کے بعد اس بات پر غور کیا اور کتاب کے ورق اُلٹنے پلٹنے لگا۔ جو صفحہ وہ دیکھ چکا تھا جب اس نے دوبارہ وہی صفحہ دیکھا تو اس کے حروف

بالکل ویسے کے ویسے اپنی جگہ ہی تھے جیسے کوئی چُپ چاپ لیٹا ہوا ہو۔ نہ وہ آگے پیچھے حرکت کر رہے تھے اور نہ بول چال رہے تھے۔ "ٹی وی بُک" تو ایسی نہیں ہوتی۔ اس کے حرف تو چلتے بھی ہیں اور بولتے بھی۔ ماریا سے ضبط نہیں ہوا۔ اس نے جاجی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا، بھائی، بھاجی، سنو تو۔ کیا اتنی موٹی کتاب پڑھ کر پھینک دی جاتی تھی؟ ایک دفعہ پڑھی اور بے کار؟ ہمارے کمپیوٹر ٹی وی میں تو ۱۵۔۲۰ لاکھ کتابیں ہوں گی۔

اور کیا، بلکہ اور زیادہ آسکتی ہیں۔ ایک تختے پر کئی کتابیں آجاتی ہیں۔

ہاں اور کیا، کون مصیبت اُٹھائے اور اتنی موٹی موٹی کتابوں کے ڈھیر جمع کرتا رہے۔

جاجی ماریا سے باتیں کرتے ہوئے کتاب کے ورقے پلٹتا رہا۔ ایک صفحے پر ایک تصویر تھی جس میں ایک بڑے سے کمرے میں ماسٹر صاحب بچّوں کو پڑھا رہے تھے۔ ماریا کی نظر اس تصویر پر پڑی تو اس نے پوچھا، یہ کیا ہو رہا ہے۔ جاجی نے بتایا یہ ایک اسکول ہے، ماسٹر صاحب بچّوں کو پڑھا رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوا جیسے ماریا کی آنکھیں حیرت سے پھٹ جائیں گی۔"

اسکول؟ ماسٹر صاحب؟ کیا اسکول گھر سے الگ ہوتا تھا؟ اور ماسٹر صاحب مشینی ٹیچر کی طرح نہیں ہوتے تھے، بلکہ وہ ہماری طرح انسان ہوتے تھے؟ عجیب بات ہے!

جاجی نے کہا، ہاں، "اس کتاب میں تو یہی لکھا ہے کہ جیسے پہلے زمانے میں ڈاکٹر انسان ہوتے تھے، اسی طرح ٹیچر بھی انسان ہوتے تھے۔ آج کل کی طرح مشینی ٹیچر نہیں ہوتے تھے۔

ماریا بات کاٹ کر بولی، یہ تو بہت اچھا تھا۔ مشینی ٹیچر سے تو میں عاجز ہوں۔ ایک ہی بات توتے کی طرح رٹے جاتا ہے۔ مجھے حیاتیات سے نفرت ہے، مگر وہ مجھے اسی کا [illegible] دیتا ہے۔ امّی ناراض ہوئیں تو میں نے بتایا کہ میرے تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا۔ مشینی ٹیچر اتنی جلدی جلدی بولتا ہے کہ ..... بس میرا دماغ خراب ہو گیا۔ آخر امّی نے ٹاؤن سینٹر سے ایک ماہر کو بلوایا۔ اس نے مشینی ٹیچر کو کھولا، پھر دوبارہ جوڑ دیا بولا، کوئی خاص بات نہیں، مشین کی رفتار ذرا زیادہ تیز ہو گئی تھی۔ خیر اب میری سمجھ میں آنے لگا ہے۔

ارے ماریا، سنو، ایک دن دادا ابا کہہ رہے تھے کہ میرے دادا نے مجھے بتایا کہ ہمارے زمانے میں کتابیں کاغذ پر چھپتی تھیں اور ہمیں موٹی موٹی کتابیں اُٹھا کر اسکول جانا پڑتا

تھا۔ اسکول بس ہمیں لے جاتی تھی۔ اُس زمانے میں آج کل کی طرح اسکول کا کمرا، سونے کے کمرے کی طرح گھر میں نہیں ہوتا تھا۔ پھر ہمارے زمانے میں ہی فوٹو اسٹیٹ مشینیں ایجاد ہوئیں اور ہمیں بہت سارے نوٹس ہاتھ سے لکھنے کے بجائے فوٹو کاپی کرانے کی سہولت ہوتی تو ہمیں حیرت کے ساتھ خوشی بھی ہوتی۔ پھر بھی پڑھنا بہت پڑھتا تھا۔ اُس زمانے میں علم نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ کتابیں بہت چھپنے لگی تھیں، لیکن آج کل تو معلومات اتنی پھیل گئی ہے کہ پہلے کی طرح کی کتابیں ہوں تو اُن کو پڑھنا تو کیا اُن کی ورق گردانی کرنا بھی ناممکن ہو جاتے۔ یہ تو ہمارا مشینی ٹیچر ہے جو پردے پر جلدی جلدی ہمارے سامنے معلومات گزارتا ہے اور ہم صرف اپنے کام کی معلومات پڑھ یا سُن لیتے ہیں۔ اس طرح مہینوں کا کام منٹوں میں ہو جاتا ہے۔ ماریا نے کہا کہ ہم اس روز دادا ابا کے ساتھ یونی ورسٹی کی لائبریری گئے تھے تو انھوں نے بتایا تھا کہ ہمارے دادا کے زمانے میں اس لائبریری میں صرف لاکھ ڈیڑھ لاکھ کتابیں رکھی جا سکتی تھیں، مگر اب تو ایک ایک تختی میں ایک ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں اور ایسی لاکھوں کتابیں لائبریری میں رکھی ہیں۔ اُن میں سے اپنی ضرورت کی کتاب تلاش بھی نہیں کرنی پڑتی، بلکہ بٹن دبا دو تو اس کتاب کی تختی خود نکل آتی ہے۔ تختی مشینی ٹیچر پر لگا دو تو کتاب کے صفحات خود بہ خود چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ ساری کتاب پڑھ لو۔ جو سبق یاد کرنا ہو رات کو ٹیپ ریکارڈر کھول کر سو جاؤ، جیسے کوئی آدمی تمھیں پڑھ کر سُنا رہا ہے۔ صبح سو کر اُٹھو گے تو سبق تمھارے ذہن نشین ہو چکا ہو گا۔

ماریا چُپ رہ کر زیادہ دیر لمبی بات نہیں سُن سکتی تھی۔ بیچ میں بول اُٹھی، دادا ابا نے بتایا کہ سو سال پہلے اسکول گھر سے الگ ہوتا تھا اور بس میں جانا پڑتا تھا، کتنا مزہ آتا ہو گا سب کے ساتھ جانے میں۔

ہاں واقعی بہت مزہ آتا ہو گا۔ اب تو ہم بور ہو جاتے ہیں۔

اچھا تو کیا اسکول میں پڑھتے بھی سب مل کر تھے؟

ہاں، دادا ابا تو یہی بتا رہے تھے۔ ایک استاد کے کمرے میں جسے کلاس کہتے تھے ۴۰۔۵۰ بچّے بیٹھتے تھے اور سب ساتھ پڑھتے اور پڑھنے کے بعد کمرے سے باہر نکل کر کھیلتے بھی تھے۔ پڑھنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ بھی ہوتا تھا جو بات کوئی بچّہ بھول

جاتا تھا وہ دوسرے بچوں سے پوچھ لیتا تھا۔

آہاہا، کیسے اچھے دن تھے۔

کیا انسانی استاد بھی ایسے ہی پڑھاتا تھا جیسے مشینی ٹیچر پڑھاتا ہے۔

نہیں، ایسے تو تھوڑی پڑھاتا تھا۔ وہ پڑھانے کے بعد سب بچوں سے پوچھتا تھا کہ سبق سمجھ میں آیا یا نہیں اور جی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا تو اس کو دوبارہ سمجھاتا تھا۔ گھر پر کام کرنے کو دیتا تھا۔ اچھے بچوں کو شاباشی بھی دیتا تھا۔ پیار کرتا تھا۔

مجھے تو یقین نہیں آرہا۔ ہمارا ٹیچر تو ہماری بات بھی نہیں سُن سکتا۔ ہم کتنی ہی محنت سے اور دل لگا کر پڑھیں، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں اُسی زمانے میں ہوتی اور بہت سارے ساتھیوں کے ساتھ پڑھتی۔ پھر ماسٹر صاحب سے سوال کرتی، میری محنت سے وہ خوش ہوتے اور مجھے شاباشی دیتے اور پیار کرتے۔

اور اگر سبق یاد نہیں ہوتا تھا تو وہ ڈانٹتے بھی تو تھے۔

سچ؟ یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ماسٹر صاحب کو ہمارا کتنا خیال ہے۔ یہ شفقت مشینی ٹیچر میں کہاں۔

اتنے میں اُن کو امی کی آواز آئی۔ انھوں نے مشینی ٹیچر کو چالو کر دیا تھا۔ ماریا نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بوجھل قدموں سے اُس کی طرف چلی گئی۔

شیخ سعدی کی حکیمانہ باتیں

رشیدہ بیگم

عالم اور وزیر

مصر میں دو امیر زادے رہتے تھے۔ ایک نے علم سیکھا، دوسرے نے مال جمع کیا۔ آخر پہلا بڑا عالم ہو گیا، دوسرا مصر کا وزیر بن گیا اور عالم کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگا۔ اس نے کہا کہ میں نے حکومت حاصل کر لی اور تُو حقیر فقیر ہی رہا۔ عالم نے جواب دیا کہ اے بھائی، اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر مجھے ادا کرنا چاہیے کہ اس نے مجھے پیغمبروں کا ورثہ یعنی علم عطا کیا۔ تجھے فرعون و ہامان کی میراث یعنی مال ملا، یعنی مصر کی حکومت۔ میں وہ چیونٹی ہوں جس کو پیروں سے مَل دیتے ہیں۔ وہ بھڑ نہیں ہوں کہ لوگوں کو اپنے ڈنک سے رُلاؤں۔ اس نعمت کا شکر میں کیسے ادا کروں کہ مجھ میں لوگوں کو آزار اور تکلیف پہنچانے کی طاقت نہیں ہے۔

سخاوت اور بہادری

ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ سخاوت اور بہادری میں کون سی چیز بہتر ہے۔ اس حکیم نے جواب دیا، جس میں سخاوت ہے اُس کو بہادری کی ضرورت نہیں ہے۔ بہرام گور کی قبر پر لکھا ہوا ہے کہ سخاوت کا ہاتھ طاقت ور بازو سے بہتر ہے۔ حاتم طائی نہیں رہا، لیکن اس کا نام ہمیشہ نیکی میں مشہور رہے گا۔ مال کی زکواۃ نکالتا رہ، کیوں کہ جب مالی انگور کی بے کار شاخیں کاٹ پھینکتا ہے تو انگور زیادہ آتا ہے۔

سچائی اور نیکی

ایک بادشاہ نے ایک قیدی کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ بے چارہ قیدی زندگی سے مایوس ہو کر

اپنی زبان میں بادشاہ کو گالیاں دینے لگا اور اول فول بکنے لگا۔ جیسا کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ جو کوئی جان سے ہاتھ دھو لیتا ہے تو جو کچھ دل میں آتا ہے کہہ دیتا ہے۔ جب بچنے کا کوئی موقع نہیں رہتا تو انسان کا ہاتھ تلوار پر جم جاتا ہے۔ انسان جب نا امید ہو جاتا ہے تو وہ زبان درازی کرنے لگتا ہے۔ عاجز آکر بلّی کتّے پر حملہ کر دیتی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا کہ یہ قیدی کیا کہتا ہے۔ ایک نیک وزیر نے عرض کیا کہ حضور، یہ کہہ رہا ہے کہ جو لوگ غصّہ پی جاتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ بادشاہ کو رحم آگیا اور اس کی جان بخش دی۔ دوسرا وزیر جو نیک وزیر کی ضد تھا بولا کہ ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولیں۔ اس قیدی نے بادشاہ کو بُرا بھلا کہا ہے۔ بادشاہ نے وزیر کی یہ بات سُنی تو اُسے اچھی نہ لگی۔ وہ کہنے لگا کہ وہ جھوٹ جو اُس وزیر نے بولا، تیری سچ سے زیادہ مجھے پسند آیا، کیوں کہ اس کا رُخ نیکی کی طرف تھا اور اس سچ کا مقصد بُرائی ہے۔ عقل مندوں نے کہا ہے کہ فتنہ و فساد پیدا کرنے والی سچ سے صلح و نیکی کے لیے بولا جانے والا جھوٹ بہتر ہے۔

بادشاہ جس شخص کی بات مانتا ہو وہ اگر نیک مشورے کے سوا کچھ کہے تو اس پر افسوس۔ فریدوں کے محل کی محراب پر لکھا ہوا تھا کہ دنیا کسی کی ہو کر نہیں رہتی، اس لیے بس اُس سے دل لگانا چاہیے جس نے دنیا بنائی۔ دنیا کی حکومت پر بھروسا نہ کرو۔ دنیا نے تم جیسے بہت سے پالے اور ختم بھی کر ڈالے۔ جب جسم سے جان نکلنے لگے تو تخت پر مرے یا زمین پر مرے، کیا فرق پڑتا ہے۔ (فریدوں ایک انصاف پسند بادشاہ کا نام تھا، جس نے ضحّاک کو ہرا کر ایران، توران، شام اور روم پر حکومت کی۔ ضحّاک ایران کا ایک ظالم بادشاہ تھا۔)

انسانی جسم کا زیادہ سے زیادہ درجۂ حرارت

اٹلانٹا، جارجیا (امریکا) کا ایک سیاہ فام شخص جس کی عمر ۵۲ برس تھی ۱۰ر جولائی ۱۹۸۰ء کو لُو لگنے کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہوا تو اس کا ٹمپریچر ۱۱۵۶۷ فارن ہائیٹ (۴۶۶۵ سنٹی گریڈ) رکارڈ کیا گیا تھا۔

ایک کہانی یا تین کہانیاں

علی اسد

کسی زمانے میں ایک شہزادہ رہا کرتا تھا۔ اس کو وزیر زادے سے بڑی محبت تھی۔ دونوں ہمیشہ ساتھ رہا کرتے تھے۔ ایک دن دونوں شکار کھیلنے جو نکلے تو بہت دُور جنگل میں چلے گئے۔ شہزادہ پیاس سے نڈھال ہو گیا۔ کچھ دُور انھیں درختوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا۔ دونوں اُدھر چلے گئے اور وہاں گھوڑوں سے اُتر پڑے۔ وزیر زادے نے اپنا لبادہ زمین پر بچھا دیا اور شہزادہ اس پر لیٹ گیا۔ وزیر زادہ پانی کی تلاش میں چلا گیا۔ چلتے چلتے وہ ایک ویران باغ میں پہنچ گیا جہاں ایک کنواں بھی تھا، جس میں نیچے پانی کی سطح تک پہنچنے کے لیے زینے بنے ہوئے تھے۔ چناں چہ وہ ان زینوں سے نیچے اُتر گیا اور پانی بھر لایا۔ مگر جس وقت وہ اوپر چڑھ رہا تھا تو کنویں کی دیوار پر اسے ایک شہزادی کی تصویر دکھائی

دے گئی۔ شہزادی کے ایک ہاتھ میں لیمو تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ اپنے بالوں کو سُلجھا
رہی تھی۔ شہزادی اتنی خوب صورت تھی کہ وزیر زادہ سوچنے لگا، "اگر شہزادے نے اس کو
دیکھ لیا تو وہ مجھ سے کہے گا کہ اس شہزادی کو لے آؤ، اور یوں مجھے پریشانی کا سامنا کرنا
ہوگا۔" چناں چہ اس نے کیچڑ لے کر تصویر پر لیپ دی۔ پھر وہ پانی لے کر شہزادے کے پاس
آگیا اور اسے پانی پلا دیا۔ پانی پینے کے بعد شہزادہ بولا، "اب میں خود اس باغ کو جا کر
دیکھوں گا۔" وزیر زادے نے کہا، "باغ بالکل ویران ہے۔ خدا جانے وہاں کون سے
بھوت پریت ہوں۔ وہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔" مگر شہزادے کو ضد سوار ہو گئی، بولا،
"نہیں، میں تو اسے دیکھوں گا۔"

چناں چہ دونوں باغ میں داخل ہو گئے اور اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے اسی کنویں کے
پاس پہنچ گئے۔ شہزادہ کنویں میں اُترنے لگا۔ وزیر زادہ بھی مجبوراً پیچھے پیچھے چلا گیا۔ شہزادے
نے دیواروں کو دیکھ کر کہا، "یہ دیواریں تو بہت خوب صورت ہیں، مگر کسی نے ان کی تصویروں
پر کیچڑ مَل دی ہے۔ اس کو صاف کر دو۔" وزیر زادے نے اسے منع کرنا چاہا مگر شہزادہ نہ
مانا۔ آخر وزیر زادے نے کیچڑ کو پانی سے صاف کر دیا۔ اب جو شہزادی کی تصویر صاف ہو
گئی تو شہزادہ اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر بڑی دیر کے بعد بولا،
"جب تک اس شہزادی سے میری ملاقات نہیں ہوگی مجھے چین نہیں آئے گا۔" وزیر زادے
نے بہت کوشش کی کہ شہزادہ اس خیال کو چھوڑ دے مگر وہ نہ مانا۔ وزیر زادے نے کہا،
"معلوم نہیں یہ تصویر کب بنائی گئی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ شہزادی مر بھی گئی ہو۔" یہ سُن کر
شہزادہ بولا، "اگر وہ مر گئی ہے تو پھر میرا جینا بھی بے کار ہے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو میرا
دوست سمجھتا ہے تو وہ اس شہزادی کو میرے پاس ضرور لے آئے گا۔" یہ کہہ کر وہ زمین
پر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولا، "اگر تم واقعی میرے دوست ہو تو فوراً جاؤ اور اس
شہزادی کو میرے پاس لے آؤ۔" وزیر زادہ سوچنے لگا، "اگر میں شہزادے کا حکم نہیں مانتا تو
پھر میں بھی تباہ ہو جاؤں گا اور میرے والدین بھی برباد ہو جائیں گے، لہٰذا کچھ نہ کچھ کرنا
پڑے گا۔" یہ سوچ کر اس نے شہزادے سے کہا، "آئیے اگلے گاؤں چلیں اور یہ پتا لگائیں
کہ یہ کنواں کس شخص کا ہے۔" شہزادہ بولا، "نہیں، میں اس خوب صورت جگہ کو چھوڑ کر کہیں

نہیں جاؤں گا۔ اب میں ہمیشہ یہیں رہوں گا۔"
آخر وزیر زادہ اکیلا روانہ ہو گیا۔ کچھ دُور چل کر وہ ایک شہر میں پہنچ گیا اور ایک راہ گیر
سے پوچھا، "وہ جنگل میں باغ کس کا ہے جہاں ایک کنواں بھی ہے؟" راہ گیر بولا، "اس
باغ کو ایک سوداگر نے بنوایا تھا اور کنواں بھی اسی نے بنوایا تھا، تاکہ مسافروں کو آرام
ملے۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی کوئی مسافر اِدھر سے گزرے تو اس کو کھانا کھلایا
جائے۔ ہندوؤں کو اناج دیا جاتا تھا اور مسلمانوں کو پکا ہوا کھانا۔ وہ سوداگر اب مر
چکا ہے۔ اس کی اولاد نالائق نکلی۔ انھوں نے ملازم کو علاحدہ کر دیا اور خود بھی وہاں نہیں
جاتے ہیں۔" وزیر زادے نے کہا، "میں سوداگر کے اس بیٹے سے ملنا چاہتا ہوں جو نالائقی میں
سب سے کم ہو۔"
راہ گیر اس کو سوداگر کے گھر لے گیا۔ وہاں بڑا بیٹا ملا۔ وزیر زادے نے اس سے پوچھا،
"ویرانے میں وہ باغ آپ کا ہے؟" بیٹا بولا، "ہاں میرا ہے۔" وزیر زادے نے پوچھا، "اور کنواں؟"
بیٹا بولا، "ہاں وہ بھی میرا ہے۔" اس پر وزیر زادے نے پوچھا، "اس کنویں کو کس نے
تعمیر کیا تھا؟" اس پر اس نے بتایا کہ کنواں تعمیر کرنے والا ایک دوسرے شہر میں رہتا ہے
جو کچھ فاصلے پر ہے۔"
اب وزیر زادہ اس شہر پہنچا اور پوچھتے پوچھتے اس آدمی کے گھر آ گیا۔ اس آدمی نے
وزیر زادے کو اپنے گھر میں بُلا لیا اور بڑی خاطر مدارات کی۔ پھر بولا، "ہاں وہ کنواں میں
نے بنایا تھا۔" وزیر زادے نے پوچھا، "کنویں کی دیوار پر تصویر کس کی ہے؟" وہ بولا،
"کنواں تو میں نے بنایا تھا، مگر تصویر میرے بڑے بھائی نے بنائی تھی، جو دوسرے گاؤں
میں رہتا ہے۔" یہ آدمی خود کافی بوڑھا تھا۔ وزیر زادہ سوچنے لگا کہ اس کا بڑا بھائی تو اور
بھی بوڑھا ہوگا۔ خدا جانے وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟
بہرحال وزیر زادہ اگلے گاؤں چلا گیا اور اس آدمی کا گھر ڈھونڈ نکالا۔ مگر یہ آدمی
اتنا بوڑھا نہ تھا، حال آنکہ بڑا بھائی تھا۔ اس آدمی نے بھی وزیر زادے کی خاطر مدارات
کی اور مہمان بنا کر گھر میں ٹھیرا لیا۔ وزیر زادے نے اپنے آنے کا مقصد نہیں بتایا۔ دوسرے
دن صبح وہ سوچنے لگا کہ شاید بڑا بھائی کہیں گیا ہوا ہے۔ اس کا انتظار کرنا چاہیے اس

نے اپنے میزبان سے کچھ نہیں کہا، حال آنکہ اصل آدمی وہی تھا۔ دوسری رات میزبان نے آخر خود ہی پوچھ لیا، "آپ نے کس غرض سے میرے ہاں آنے کی زحمت گوارا کی؟" وزیر زادہ بولا، "میں اس کنویں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں جو ایک ویران باغ میں ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ آپ نے اس کی تعمیر کی۔ کیا یہی بات ہے؟" میزبان بولا، "ہاں میں نے وہ کنواں بنایا ہے۔" وزیر زادہ بولا، "اور وہ جو کنویں کی دیوار پر تصویر بنی ہے وہ بھی آپ ہی نے بنائی ہے؟" وہ بولا، "نہیں کنواں تو میں نے بنایا مگر تصویر میرے بڑے بھائی نے بنائی، جو دوسری جگہ رہتا ہے۔"

اب وزیر زادہ وہاں پہنچا اور اس آدمی کے گھر کا پتا لگایا۔ جب اس کے گھر پہنچ گیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ شخص جو سب سے بڑا بھائی ہے اپنے سب بھائیوں سے زیادہ توانا و تن درست ہے۔ بہرحال وہ اس کی میزبانی قبول کر کے گھر میں داخل ہو گیا۔ شام کو میزبان نے کہا، "آپ کس کام کے لیے آئے ہیں؟" وزیر زادہ بولا، "وہ تو خیر میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا، مگر میں بے حد حیران ہوں۔ آپ تو جوان معلوم ہوتے ہیں۔" اس پر میزبان بولا، "آپ جو کچھ دریافت کریں گے وہ میں بتاؤں گا۔" اس شخص کی بیوی کافی کم زور نظر آ رہی تھی، مگر اس آدمی نے اس سے کہا، "بیوی، ذرا اوپر جا کر ایک سیب لے آؤ۔" بیوی کم زوری کے باوجود چپ چاپ اُٹھی اور گھر کی بالائی منزل سے سیب لے آئی۔ سیب لے کر شوہر بولا، "ایک بار پھر جاؤ اور دوسرا سیب بھی لے آؤ۔" بیوی نے فوراً شوہر کا حکم مانا اور جا کر دوسرا سیب لے آئی۔ اس پر وہ آدمی بولا، "وہاں ایک سیب اور ہو گا۔ جلدی سے اس کو بھی لے آؤ۔" بیوی پھر چلی گئی، مگر وہاں اور سیب نہ ملا۔ واپس آ کر وہ بولی، "وہاں اور سیب نہیں ہے۔" اب اس آدمی نے وزیر زادے سے کہا، "اس سے آپ سمجھ گئے ہوں گے؟" وزیر زادہ بولا، "کچھ سمجھا ہوں۔ آپ اپنی بات جاری رکھیں۔"

اس پر بڑے بھائی نے کہا، "جس وقت سے یہ بیوی میرے گھر میں آئی ہے میری زندگی نہایت پُرسکون اور خوش گوار ہو گئی ہے۔ میرے سب سے چھوٹے بھائی کی بیوی اس کا حکم نہیں مانتی۔ اسی وجہ سے وہ اتنا بوڑھا ہو گیا ہے اور ہر وقت پریشان رہتا ہے۔ جب وہ پانی مانگتا ہے تو وہ کہتی ہے، اُٹھ کر خود پانی پی لو۔ یہی حال کھانے کا ہے۔ میرے دوسرے بھائی

ی بیوی کسی حد تک اس کا کہنا مانتی ہے اور اس کو تھوڑا بہت خوش رکھتی ہے۔ اسی لیے وہ ...نا بوڑھا نہیں ہوا ہے اور اب آپ بتائیے کہ کیسے یہاں آنا ہوا؟" وزیر زادے نے کہا، "میں ...غ کے اس کنویں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا اسے آپ نے تعمیر کیا؟" وہ ...دی بولا، "باغ کے بارے میں تو میں نہیں جانتا۔ کنواں میں نے بنایا۔ اس وقت باغ نہیں ...ا۔ بعد میں کسی نے باغ لگایا ہو گا۔" وزیر زادے نے پوچھا، "مگر وہ تصویر کس نے بنائی؟" ...وہ بولا، "ارے وہ تصویر؟ ہاں ہاں، وہ میں نے بنائی۔" وزیر زادے نے پوچھا، "اور اس تصویر ...اصل آپ نے کہاں دیکھی؟" وہ شخص بولا، "آپ کو اس سے کیا مطلب؟ پہلی بات تو یہ کہ ...پ اس کو حاصل نہیں کر سکتے۔" اب وزیر زادے نے شہزادے کا حال کہہ سُنایا۔ اس پر ...بولا، "اس شہزادی سے کوئی نہیں مل سکتا۔ اس کا باپ بادشاہ بڑا سخت ہے۔ اگر کوئی ...ں کھڑکی کی طرف بھی دیکھ لے جہاں شہزادی رہتی ہے تو وہ اس آدمی کی آنکھیں نکلوا دیتا ...ے۔" وزیر زادہ بولا، "تو پھر آپ نے اس شہزادی کی تصویر کیسے بنالی؟" وہ بولا، "میں ...فاق سے اس شہر میں تھا اور ایک دن کشتی میں دریا پار کر رہا تھا کہ اتنے میں پانی ...ی لہریں میری کشتی کو شہزادی کے محل کے نیچے گھسیٹ لے گئیں۔ اوپر دیکھنے کی تو میری ...ت نہ تھی مگر پانی کی سطح پر شہزادی کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کھڑکی میں بیٹھی ...تی۔ ایک ہاتھ میں اس کے لیموں تھا اور دوسرے سے وہ اپنے لمبے لمبے بالوں کو سنبھال ...ی تھی۔ میرے پاس رنگ موجود تھے۔ میں نے فوراً اس کی تصویر بنا ڈالی۔"

وزیر زادے نے اس شہر کا نام پوچھا اور اپنے میزبان کا شکریہ ادا کر کے تیزی سے ...وانہ ہو گیا اور اس شہر میں پہنچ گیا جہاں وہ خوب صورت شہزادی رہتی تھی۔ اس نے سوچا ...بادشاہ بڑا سخت ہے اور میں ایک مرد ہوں۔ کیا کروں؟ آخر اس نے سوچا کہ عورت کا بھیس ...الوں۔ اس طرح شہزادی تک رسائی آسان ہو گی۔

چناں چہ وہ بازار گیا اور کچھ زیورات خریدے اور عورت کا بھیس بنا کر وہ پھر ...زار گیا اور بہت سی چوڑیاں خرید لیں اور چوڑی والی بن کر شہر میں آواز لگانا شروع ...ردی۔ وزیر زادہ اتنا خوب صورت نظر آ رہا تھا کہ بہت سی عورتوں نے اس کی خوب صورتی ...ی وجہ سے اسے بُلا لیا اور چوڑیاں خرید لیں، مگر اس کی قیمت اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ

معمولی لوگ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ صرف امیر لوگ ہی خرید سکتے تھے۔ تیسرے
دن وہ شہزادی کے محل کے قریب پہنچا اور آواز لگائی۔ شہزادی نے آواز سن لی اور
کھڑکی سے باہر دیکھا اور اس کی خوب صورتی سے متاثر ہو کر ایک لونڈی کو بھیجا اور
اسے بلوا کر کہا، "مجھے کچھ چوڑیاں پہنا دو۔" وہ چوڑیاں پہنانے لگا، مگر اس میں خوب دیر
لگا دی، یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ شہزادی جتنا جتنا اس کو دیکھتی تھی اتنا ہی وہ اس پر فریفتہ
ہوتی جاتی تھی۔ بہرحال وہ رخصت ہونے لگا تو شہزادی نے اس سے کہا کہ کل پھر آجانا۔
دوسرے دن وہ پھر وہاں گیا اور یہ سلسلہ چند روز تک چلتا رہا۔

ایک دن شہزادی نے کہا، "تم اتنی چوڑیاں توڑ ڈالتی ہو شام کو تمھارا مالک تم پر ناراض
نہیں ہوتا؟" وہ سوچنے لگا کہ کیا جواب دوں۔ آخر اس نے کہا، "میں تو ایک مسافر ہوں۔
آپ کے شہر میں اجنبی ہوں۔ میرا شوہر بہت بیمار ہے۔ معلوم نہیں زندہ بھی ہے یا مر گیا
ہے۔" اس کے بعد سے شہزادی اسے برابر اپنے ساتھ رکھنے لگی۔ ایک دن اس نے کہا، "دیکھو
اگر تمھارا شوہر مر جائے تو تم میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔ پھر تمھیں چوڑیاں بیچنے کی ضرورت
نہ رہے گی۔ میں ایک بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ یہاں سب کچھ موجود ہے جو جی چاہے کھاؤ او

جی چاہے لباس پہنو۔" پھر جب تین چار دن گزر گئے تو وزیر زادہ محل میں گیا اور
بولا، "میرا شوہر مر گیا ہے!" شہزادی نے فوراً ایک لونڈی کو حکم دیا کہ اس کی چوڑیوں کی
ٹوکری لے کر دریا میں پھینک دے۔ اس کے بعد وزیر زادے کو نہایت عمدہ لباس دیا
گیا۔ جب وہ یہ لباس پہن کر آیا تو شہزادی نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا اور اپنے دل
میں کہا، "یہ چوڑی والی تو مجھ سے بھی زیادہ خوب صورت ہے۔"

ایک دن شہزادی بڑی غمگین ہو گئی۔ سب نے پوچھا، مگر اس نے کچھ نہ بتایا، لیکن
جب وزیر زادے نے پوچھا تو بولی، "میں بے حد سنجیدہ ہوں۔ میں اب شادی کرنا
چاہتی ہوں، لیکن میں اپنے والد سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس شخص سے شادی کروں گی،
جس سے مجھے محبت ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا شوہر بھی میری طرح خوب صورت ہو۔
میں جب تم کو دیکھتی ہوں تو میں دل میں دعا مانگتی ہوں کہ کاش تم مرد ہوتیں۔ پھر ہم
دونوں کی جوڑی نہایت عمدہ ہوتی۔"

یہ سن کر وزیر زادہ بولا، "آپ اداس نہ ہوں۔ مجھے ایک بزرگ کا مزار معلوم ہے۔
وہاں جا کر جو دعا مانگتا ہے وہ دعا قبول ہو جاتی ہے۔" شہزادی بولی، "میں دو ہزار اشرفیاں
خیرات کر دوں گی اگر ہم دونوں میں سے ایک مرد ہو جائے۔" چند روز کے بعد شہزادی نے
پھر پوچھا، تو وزیر زادہ بولا، "آپ ذرا صبر کریں۔ مجھے آپ کے والد سے ڈر لگتا ہے۔" اس پر
شہزادی نے کہا، "ڈرو نہیں، میرے والد میری ہر بات مان لیتے ہیں۔" یہ سن کر وزیر زادہ
بولا، "میں اب مرد بن گیا ہوں۔" یہ سن کر شہزادی بے حد خوش ہو گئی اور بولی، "دیکھو ایسا
کرو کہ یہ چار ہزار روپے لے جاؤ اور تجارت کا سامان خرید لو۔ پھر سوداگر بن کر یہاں
آجاؤ۔" وزیر زادہ چلا گیا اور دوسرے شہر سے تجارت کا سامان خرید کر واپس آگیا۔ اب اس
کے ساتھ نوکر چاکر بھی تھے۔ اس نے ایک عالی شان مکان میں رہائش اختیار کر لی۔ شہزادی
مردانہ لباس پہن کر وہاں اس سے ملنے آتی رہی۔ پھر جب وزیر زادہ بادشاہ کے دربار میں
حاضر ہوا تو شہزادی نے بادشاہ سے کہا، "میں اس نئے سوداگر سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔"
یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا، کیوں کہ وہ دولت مند سوداگروں کو بہت پسند کرتا تھا۔
وہ بولا، "بیٹی، میری طرف سے اجازت ہے۔" چناں چہ بڑی دھوم دھام سے شادی ہو گئی۔

شادی کے فوراً بعد وزیر زادہ اپنی دلہن کو لے کر روانہ ہو گیا اور بہانہ یہ کیا کہ بزرگ کے مزار پر خیرات کرنے جا رہے ہیں۔ پھر وہ سیدھا اس باغ میں پہنچا جہاں وہ کنواں تھا۔ اور جہاں شہزادے کو چھوڑ کر آیا تھا۔ اب اس نے شہزادی سے کہا، "شہزادی، میری تمام خطائیں معاف کر دیجیے۔" شہزادی نے معاف کر دیا۔ اب وزیر زادہ شہزادے کے پاس پہنچا اور کہا، "شہزادی آ گئی ہے۔" شہزادے نے جو شہزادی کو دیکھا تو وہ دم بخود رہ گیا۔ اسی وقت وزیر زادے نے شہزادی سے کہا، "میں نے آپ کو دھوکا دیا مجھے معاف کر دیجیے۔ میں دراصل شہزادے کی خاطر آپ کے پاس گیا تھا۔ یہی میرے آقا ہیں اور میں ان کا دوست بھی ہوں۔"

شہزادی اپنی قسمت پر شاکر ہو گئی اور بولی، "میرے والد نے مجھے تمہارے حوالے کیا۔ اب تم میرے مالک ہو۔ تم جس کے حوالے کرنا چاہو کر دو۔" پھر وزیر زادے نے شہزادی کا ہاتھ شہزادے کے ہاتھ میں دے دیا اور سب لوگ شہزادے کے محل کی طرف چل دیے اور وہاں پہنچ کر خوب جشن منایا گیا۔

ان واقعات کے بعد شہزادہ وزیر زادے پر اور بھی مہربان ہو گیا۔ اسے بہت سی جاگیریں دیں اور زر و جواہرات دیے۔ دوسرے درباری جل گئے اور وزیر زادے کو تباہ کرنے پر تُل گئے۔ ان درباریوں میں ایک شخص کا نام بگلا تھا۔ یہ آدمی بڑا ہی کینہ پرور تھا۔ اس نے کہا کہ جو کوئی بھی شہزادے اور وزیر زادے کے درمیان رنجش پیدا کر دے گا اس کو بڑی بھاری رقم دی جائے گی۔ اس نے سوچا کہ جب شہزادہ وزیر زادے سے ناراض ہو جائے گا تو بادشاہ بننے پر اُسے قتل کروا دے گا۔ ایک بوڑھی عورت آئی۔ اس نے کہا، "مجھے چار کہار اور ایک ڈولی دے دو اور کہاروں سے کہو کہ میں جو حکم دوں اس کو بجا لائیں۔" اس کو ڈولی اور کہار مہیا کر دیے گئے۔

بڑھیا اچھے کپڑے پہن کر ڈولی میں سوار ہو گئی اور کہاروں سے کہا، "جب میں ہاتھ نیچا کروں تو ڈولی کو اُتار دینا اور پھر جب میں ہاتھ اوپر اُٹھاؤں تو ڈولی اُٹھا کر چل دینا۔" پھر وہ برقع پہن کر ڈولی میں بیٹھ گئی اور ایسی جگہ پہنچ گئی جدھر سے شہزادہ سیر و تفریح کے لیے روز گزرتا تھا۔ یہاں بڑھیا کے حکم سے راستے پر ڈولی روک دی گئی۔ بڑھیا نے شہزادے

کو اشارہ کیا کہ وہ نزدیک آئے، گویا کہ اسے کوئی درخواست پیش کرنا ہے لیکن شہزادے نے وزیر زادے کو بڑھیا کے پاس بھیج دیا۔ وزیر زادہ جب بڑھیا کے پاس پہنچا تو بڑھیا نے اسے اور قریب بُلایا اور اس طرح حرکت کی کہ جیسے وہ وزیر زادے کے کان میں کچھ کہہ رہی ہو، مگر اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اس کے بعد بڑھیا نے ڈولی اُٹھانے کا اشارہ کیا اور کہار ڈولی اُٹھا کر چل دیے۔ شہزادے نے پوچھا، "اس بڑھیا نے کیا کہا؟" وزیر زادہ بولا، "اس نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" شہزادہ ناراض ہو گیا۔ وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ شاید کوئی راز کی بات کہی ہے جو یہ مجھ کو نہیں بتانا چاہتا۔

دوسرے دن بڑھیا نے پھر اسی طرح کیا۔ شہزادے نے وزیر زادے سے پھر پوچھا اور وزیر زادے نے پھر وہی جواب دیا۔ شہزادہ سوچنے لگا کہ وزیر زادے کو اب مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔ تیسرے دن بڑھیا نے پھر وہی کیا اور شہزادے نے پھر وزیر زادے سے پوچھا، مگر پھر وہی جواب ملا کہ اُس نے کچھ نہیں کہا۔ شہزادہ خفا ہو کر بولا، "کیا کوئی ایسی راز کی بات ہے جو تم مجھے بھی بتانا نہیں چاہتے؟"

وزیر زادے نے کہا، "کوئی راز کی بات نہیں۔ وہ بُڑھیا شاید پاگل ہے۔" یہ سُن کر شہزادہ بے حد ناراض ہو گیا اور وزیر زادے کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر چلا جائے۔

اس کے بعد شہزادہ بڑے غصّے میں محل چلا گیا۔ وہاں بادشاہ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ شہزادے کو جو غصّے میں دیکھا تو پوچھا، "بیٹا، کیا بات ہے؟ اگر کسی نے تم کو دکھ پہنچایا ہے تو اس کی گردن اُڑوا دوں۔" شہزادہ بولا، "وزیر زادہ اب میرے ساتھ وہ سلوک نہیں کرتا جو پہلے کرتا تھا۔ مجھے تو اس وقت تک چین نہیں آئے گا جب تک اس کو مار نہیں ڈالا جاتا اور اس کا خون ایک پیالے میں میرے پاس بہ طور ثبوت نہیں لایا جاتا۔" بادشاہ بولا، "بس اتنی سی بات؟ تم پریشان نہ ہو۔ بس سمجھ لو کہ وہ مر گیا۔" بادشاہ نے اپنے جلّادوں کو فوراً بُلوایا اور حکم دیا کہ وزیر زادے کو پکڑ کر جنگل میں لے جاؤ اور اس کی گردن اُڑا دو اور اس کی دونوں آنکھیں اور خون ایک پیالے میں لے آؤ۔ بے چارے وزیر زادے کو جلّاد پکڑ کر لے گئے۔ جس وقت جلّاد اس کی گردن اُڑانے کے لیے تیار ہوئے تو وزیر زادے نے کہا، "ایک بات سنو۔ شاید اس سے تمھارا بھی فائدہ ہو۔ تم سے کہا گیا ہے کہ مجھے مار ڈالو، لیکن

اگر تم مجھے مار ڈالو گے تو کل شہزادہ کہے گا کہ میرے وزیر زادے کو لے آؤ، پھر تم کیا کرو گے؟ پھر تو وہ تم کو بھی مار ڈالے گا۔ لہٰذا کسی اور چیز کو مار ڈالو اور اس کا خون لے جا کر دے دو۔" چار جلّادوں میں سے تین بولے، "یہ موت کے ڈر سے ایسی بات کہہ رہا ہے۔" مگر چوتھا جلّاد بولا، "احتیاط سے کام لو۔ یہ بہت بڑا آدمی ہے۔ میرے پاس ایک پالتو ہرن ہے۔ اسے مار ڈالو اور اس کا خون بادشاہ کے پاس لے جاؤ۔" اس پر سب راضی ہو گئے۔ اور وزیر زادے کو ایک جگہ قید کر دیا گیا اور ہرن کی آنکھیں اور خون بادشاہ کو پہنچا دیا گیا۔ شہزادے نے خون اور آنکھوں کو پھنکوا دیا اور کہا، "جو شخص میرے ساتھ دغابازی کرے اس کے لیے موت ہی ٹھیک ہے۔"

چند روز گزر گئے۔ اب بگلے نے وزیر زادے کی جگہ حاصل کرنے کے لیے درخواست دی جو منظور کر لی گئی اور وہ شہزادے کے ساتھ رہنے لگا۔ ایک دن شہزادہ تیتر کا شکار کھیلنے گیا۔ بگلے بھی ساتھ تھا۔ شکار ٹھیک سے نہ ہوا۔ شہزادے نے سوچا کہ دریا میں نہا ڈالے، لہٰذا بگلے سے پوچھا، "میں آج غسل کروں یا نہ کروں؟" بگلے بولا، "اگر آپ غسل کرنا چاہیں تو اچھا ہے کر لیں اور اگر نہ کرنا چاہیں تو یہ بھی اچھا ہے۔" شہزادے نے سوچا، "کیا یہ جواب ایک وزیر کا ہے۔ اگر میرا پرانا دوست ہوتا تو وہ مجھے دو ٹوک جواب دیتا اور بتاتا کہ کیا کرنا درست ہو گا۔" کچھ عرصے کے بعد شہزادے نے بگلے سے پوچھا، "آج شکار کھیلنے چلیں یا نہ چلیں؟" بگلے بولا، "شکار کھیلنا اچھا ہے اور نہ کھیلنا بھی اچھا ہے۔" یہ جواب سُن کر شہزادے کو اپنا پرانا دوست پھر یاد آیا اور وہ دل میں کہنے لگا، "میرا پرانا وزیر اچھا تھا۔ وہ آزادانہ مجھے مشورہ دیتا تھا۔ یہ شخص تو بالکل اُلّو ہے۔"

ایک دن یہ لوگ شکار کھیلنے پھر گئے۔ یہ گھوڑوں پر سوار تھے کہ سامنے دریا میں کشتی پر ایک خوب صورت شہزادی دکھائی دے گئی۔ شہزادی نے جو شہزادے کو دیکھا تو اس نے چند اشارے کیے۔ پہلے تو اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا، پھر سر پر، پھر ایک برتن پر جو اس کے قریب رکھا ہوا تھا۔ شہزادے نے اپنے نئے وزیر بگلے سے پوچھا، "ان اشاروں کا کیا مطلب ہے؟" بگلے بولا، "آپ کے بھی دو آنکھیں ہیں اور میرے بھی دو آنکھیں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں۔ شہزادی کا مطلب میں نہیں جانتا۔" یہ جواب

سُن کر شہزادے کو اور بھی کوفت ہوئی۔ محل واپس آکر اس نے بگلے کو رخصت کر دیا اور غم سے نڈھال ہو کر بیمار ہو گیا۔ باپ کو جو خبر ہوئی تو وہ دوڑا آیا اور بولا "بیٹے، کیا بات ہے؟" شہزادے نے کہا، "کچھ نہیں، مگر میں چاہتا ہوں کہ میرا پرانا وزیر واپس آجائے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو میں بھی اسی کی طرح مرجانا چاہتا ہوں۔" بادشاہ بولا "بیٹے، ہمت سے کام لو، میں کچھ کروں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے فوراً ان جلّادوں کو بُلوایا اور ان سے کہا "وزیر زادے کو پیش کرو ورنہ جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔" وہ بولے، "آپ ہی نے حکم دیا تھا کہ اس کو مار ڈالا جائے۔ اب اگر ہم اس کو نہ مار ڈالتے تو آپ ہماری گردنیں اُڑا دیتے۔ اب ہم اس کو کہاں سے لے آئیں؟" بادشاہ چلّایا، "اگر تم اس کو فوراً نہیں پیش کرتے تو تم بھی اسی کی طرح مار ڈالے جاؤ گے۔"

چناں چہ یہ لوگ چلے گئے اور آپس میں کہنے لگے، "کتنا اچھا ہوا جو ہم نے وزیر زادے کی بات مان لی ورنہ اب ہم کیا کرتے۔" لہٰذا وہ فوراً گئے اور وزیر زادے کو قید سے رہائی دی اور بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ بادشاہ اسے لے کر شہزادے کے پاس آیا۔ شہزادے

کی حالت بہتر ہونے لگی۔ کچھ دنوں تک دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے رہے مگر تھوڑے ہی دنوں میں پھر شیر و شکر ہو گئے۔

ایک دن دونوں شکار کھیلنے گئے۔ جب وہ دریا کے قریب پہنچے تو شہزادے نے وزیر زادے کو اس خوب صورت شہزادی کے اشاروں کے بارے میں بتایا اور پوچھا، "ان اشاروں سے اس کا کیا مطلب تھا؟" وزیر زادے نے کہا، "اس نے جب اپنا ہاتھ ماتھے پر رکھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کا نام چشمہ رانی ہے اور جب سینے پر رکھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ ہمارے ملک میں آئیں گے تو میں آپ کی خوب خاطر کروں گی اور جب اس نے برتن پر ہاتھ رکھا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے وطن کا نام ہے "لوٹا"۔"

شہزادے نے کہا، "یہ بات ہے تو پھر ابھی چلو۔" یہ سُن کر وزیر زادے نے کہا، "خدا خیر کرے، ایک شہزادی کی وجہ سے تو کتنی پریشانیاں ہو چکی ہیں اور اب یہ دوسری مصیبت آگئی ہے!" شہزادے نے ہنس کر کہا، "ارے دوست، مرنا تو ایک ہی بار ہے۔ آؤ چلیں اور اس کو تلاش کریں۔" وزیر زادے نے شہزادے کو بہت سمجھایا اور اسے اس احمقانہ مہم جوئی سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا۔ چند روز بعد وہ دونوں روانہ ہو گئے۔

اور چلتے چلتے ایک ایسے باغ میں پہنچ گئے جہاں طرح طرح کے درخت لگے ہوئے تھے۔ شہزادے نے کہا کہ آج رات یہیں بسر کی جائے، لیکن جو عورت اس باغ کی نگراں تھی اس نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور بولی، "چشمہ رانی بھی یہاں آتی ہے۔ وہ مجھ پر ناراض ہو گی۔" یہ سُن کر وزیر زادے نے اس عورت کو چار اشرفیاں دیں اور کہا، "ہمارے ٹھیرنے کا بندوبست کر دو۔" چناں چہ وہ عورت تیاریاں کرنے لگی۔ دن بھر اس میں لگی رہی۔ جب شام ہو گئی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وزیر زادے نے پوچھا، "مائی، کیا بات ہے جو اتنا رو رہی ہو؟"

وہ بولی، "روزانہ مجھے تین سو ساٹھ ہار بنا کر شہزادی کو پہنچانا ہوتے ہیں۔ اب شام ہو گئی ہے اور یہ کام پڑا ہوا ہے۔ اب کیا کروں؟" وزیر زادہ بولا، "لاؤ، پھول لاؤ۔ میں تمھارے ہار بنا دیتا ہوں۔" وہ ہار بنانے لگا اور اتنے خوب صورت ہار بنائے کہ مالن نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ جب ہار تیار ہو گئے تو وزیر زادے نے پوچھا، "شہزادی خود

کون سا ہار پہنے گی؟" مالن بولی، "اوپر والے ہار وہ اپنی سہیلیوں کو دے دیتی ہے اور جو آخری ہار ہوتا ہے وہ اپنے لیے رکھ لیتی ہے۔" یہ سُن کر وزیر زادے نے ایک نہایت عمدہ خط لکھا اور اسے سب سے آخری ہار میں باندھ دیا۔ خط میں لکھا تھا کہ تم نے دریا پر جس شہزادے کو دیکھا تھا وہ ملنے آیا ہے۔

مالن سب ہار لے کر شہزادی کے پاس پہنچ گئی۔ شہزادی نے چند ہار دیکھ کر مالن سے پوچھا، "یہ ہار کس نے بنائے ہیں؟" مالن بولی، "میری بہن گاؤں سے آئی ہوئی ہے۔ میں نے پھول اکھٹے کیے اور اس نے ہار بنا دیے۔" شہزادی نے اپنی سہیلیوں کو ہار تقسیم کر دیے اور آخری ہار اپنے لیے اٹھایا اور گلے میں ڈالنے لگی۔ اب جو اس نے وہ خط دیکھا تو اسے کھول کر پڑھنے لگی۔ خط پڑھ کر وہ مالن پر برس پڑی، "سچ بتاؤ کہ یہ ہار کس نے بنائے ہیں؟" مالن ڈر گئی اور شہزادی کے قدموں پر سر رکھ کر بتا دیا کہ چند سوداگروں نے باغ میں قیام کیا ہے اور یہ ہار انھوں نے بنائے ہیں۔ شہزادی نے جلدی سے ایک خط لکھ دیا اور مالن کو دیتے ہوئے کہا، "جاؤ اور جس سوداگر نے ہار بنائے ہیں اس کو یہ دے دو۔" وزیر زادے نے خط پڑھ کر شہزادے کو دے دیا۔

خط میں لکھا تھا، "ہمارے ملک کا دستور ہے جو شخص مجھ سے شادی کرنے کے لیے آئے وہ بالکل سچ بولے۔ اگر کوئی جھوٹ بولتا ہے تو میرے نوکر اسے پکڑ کر کھڑکی کے باہر سڑک پر پھینک دیتے ہیں۔ میں نے اپنے والد سے اجازت حاصل کر لی ہے کہ میں صرف اسی شخص سے شادی کروں گی جسے میں دیکھوں اور پسند کروں۔ مجھے بتاؤ کہ تمھارے ساتھ کتنے آدمی ہیں تاکہ میں ان کے لیے ضروری سامان روانہ کروں۔ پھر تم محل میں آکر مجھ سے مل لو۔"

شہزادے نے کہا، "یہ تو عجیب سا خط ہے۔" وزیر زادہ بولا، "عورتیں اسی طرح خط لکھتی ہیں۔ بہرحال چلیے جلدی کیجیے۔ آپ اس کو یہ بتائیے کہ آپ اکیلے آئے ہیں اور ہاں دیکھیے، پلنگ کا خاص خیال رکھیے گا۔ وہ آپ کا امتحان لے گی۔ اگر تکیے غلط ہوں تب بھی آپ سرہانے کی طرف بیٹھیے گا اور چوں کہ سرہانہ ذرا اونچا ہوتا ہے اس لیے یہ لیموں لیتے جائیے اسے پلنگ پر رکھ دیجیے گا۔ جب وہ لڑھکے گا تو آپ کو معلوم ہو جائے

کہ سرہانہ کدھر ہے۔"

شہزادہ روانہ ہو گیا۔ اِدھر وزیر زادہ بہ طورِ احتیاط بازار گیا۔ وہاں اس نے دیکھا بہت سے اونٹوں پر روئی لدی ہوئی ہے۔ اس نے یہ روئی خرید لی اور اسے محل کے وار کے پاس رکھوا دیا۔ یہ خیال رکھا کہ روئی شہزادی کی کھڑکی کے نیچے رہے۔ پھر ئی کے تاجر سے کہا، "میرا آقا کاروبار کے سلسلے میں باہر گیا ہوا ہے۔ روئی کو یہاں رہنے دو۔ ب وہ پسند کر لیں گے تو سودا پکا ہو جائے گا۔ اگر سودا نہ ہوا تب بھی تم روئی بھی لے جانا ر اس کی قیمت بھی۔"

اِدھر شہزادہ محل پہنچ چکا تھا۔ لیموں کے ذریعے سے اسے پلنگ کے سرہانے کا ا چل گیا اور وہ سرہانے بیٹھ گیا۔ پھر شہزادی بولی، "کیا آپ کے ساتھ کوئی نوکر نہیں ہے؟ میں انتظام کر دوں؟" شہزادہ بولا، "میں اکیلا آیا ہوں۔" پھر شہزادی نے شربت ر مٹھائی پیش کی۔ شام کو تین سو ساٹھ لڑکیاں زرق برق لباس پہنے آگئیں۔ شہزادی نے شہزادے سے کہا، "آپ تنہا ہیں اور میں بھی تنہا ہوں، مگر جب بادشاہ کہیں جاتے ہیں وان کے ساتھ فوج اور سپاہی ہوتے ہیں۔ اگر سپاہی نہ بھی ہوں تب بھی وزیر ضرور ساتھ ہوتا ہے۔ اب بتائیے آپ کا وزیر آپ کے ساتھ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان لڑکیوں یں سے ایک جا کر اس کی خدمت کر سکتی ہے۔" شہزادے نے جو کچھ دیکھا تھا اس سے وہ اتنا متاثر ہو گیا تھا کہ اپنا وعدہ بھول گیا اور بولا، "اچھا اس لڑکی کو میرے وزیر کی خدمت کے لیے بھیج دیجیے۔" یہ سنتے ہی شہزادی کو غصہ آگیا اور وہ چلائی، "مجھ سے جو جھوٹ بولتا ہے اس کی سزا معلوم ہے؟ اُسے تباہ کر ڈالا جاتا ہے۔" اور پھر اس نے فوراً اپنی خادماؤں کو بُلایا جنھوں نے شہزادے کو پکڑ کر کھڑکی کے باہر پھینک دیا۔ شہزادہ نیچے گرتا چلا گیا مگر وہ روئی کی گانٹھوں پر جا کر گرا جو وزیر زادے کی دانش مندی اور دور اندیشی کی وجہ سے فرش پر رکھی تھیں۔ بہرحال شہزادہ بے ہوش ہو گیا اور رات بھر اسی طرح پڑا رہا۔ دوسرے دن وزیر زادے نے اسے تلاش کر لیا۔ پھر وہ روئی کے تاجر کے پاس گیا اور بولا، "تمھاری روئی ہمارے مالک کو پسند نہیں آئی۔ تم اسے اُٹھا لے جاؤ اور رُوپیہ بھی لے جاؤ۔" اب دونوں پریشانی میں بیٹھ کر سوچنے لگے کہ کیا کریں۔

وزیر زادہ بولا، "میری رائے ہے کہ گھر واپس چلیں۔"

شہزادہ بولا، "نہیں، شہزادی کو ساتھ لیے بغیر میں نہیں جاؤں گا۔" وزیر زادہ بولا، "میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے بارے میں کچھ نہ کہیے گا۔" شہزادہ بولا، "اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔ تم کوئی ترکیب نکالو کہ میں اس سے پھر مل سکوں۔" وزیر زادہ بولا، "اب آپ وہاں نہیں جا سکتے۔ آپ کی جان کا خطرہ ہے۔" شہزادے نے کہا، "جان رہے یا جائے مجھے کوئی پروا نہیں۔" وزیر زادے نے پھر سمجھایا اور کہا، "اب تو بس صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ ہم دونوں فقیروں کا بھیس بنا لیں۔"

دونوں فقیر بن گئے۔ وزیر زادہ بولا، "شہزادے، ہماری قسمت پلٹ گئی ہے۔ افسوس اب تو ہم صرف دھوکے ہی سے کام کر سکتے ہیں۔" اتفاق سے اسی شہر میں ایک مکان خالی تھا۔ جس کے دو دروازے تھے۔ ایک آگے اور ایک پیچھے۔ بیچ میں آنگن تھا۔ اگلے حصے میں خدمت گار بیٹھ گیا اور اندرونی حصے میں آقا۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ دو فقیر کامل آئے ہوئے ہیں۔ بہت سے غریب دُعا کے لیے آنے لگے۔ وزیر زادہ ہر ایک کو اکیلا شہزادے کے پاس بھیجتا جاتا تھا۔ شہزادہ ایک بزرگ بنا بیٹھا رہتا تھا۔ تسبیح کھٹ کھٹاتا رہتا تھا اور اپنے لباس میں بہت سارُ پیہ چھپائے رہتا تھا، جسے وہ نہایت فیاضی سے آنے والوں کو دیتا رہتا تھا۔ لہٰذا بہت جلد اس کی شہرت ہو گئی۔ شہزادی نے بھی ان فقیروں کے بارے میں سُن لیا اور وہ بھی اپنی تین سو ساٹھ سہیلیوں کو لے کر پہنچ گئی۔ وزیر زادے نے کہا، "ایک وقت میں صرف ایک ہی سائل اندر جا سکتا ہے۔" لہٰذا ایک ایک کر کے سہیلیاں اندر آنے جانے لگیں۔ سب سے آخر میں شہزادی اندر گئی۔ اُدھر آنگن میں دو تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار کھڑے رہتے تھے۔ جوں ہی شہزادی اندر داخل ہوئی وزیر زادے نے دروازہ بند کر دیا اور شہزادہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اور شہزادی کو لے کر پچھلے دروازے سے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا چل دیا۔ وزیر زادہ بھی جلدی سے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور چل دیا۔ آخر یہ سب اپنے محل پہنچ گئے۔ وہاں شہزادی کی شادی شہزادے سے کر دی گئی۔ اور خوب جشن منایا گیا۔

رفتہ رفتہ بادشاہ بہت بوڑھا ہو گیا۔ اس نے سلطنت اپنے بیٹے کے سپرد کر دی

اور اس طرح شہزادہ بادشاہ بن گیا۔ اتفاق سے اسی زمانے میں ایک درباری کے پاس ایک نہایت خوب صورت پھول تھا جو ایک گملے میں لگا ہوا تھا۔ یہ درباری روزانہ صبح اُٹھ کر اس پھول کو دیکھا کرتا تھا۔ یہ بات بادشاہ کے علم میں بھی آگئی۔ اس نے جو سُنا کہ ایسا پھول تو دنیا بھر میں کسی کے پاس نہیں ہے تو اس نے درباری کو بُلوا بھیجا اور کہا، "میں اس پھول کو دیکھنا چاہتا ہوں۔" اور پھر اس نے جوں ہی اس پھول کو دیکھا تو بولا، "یہ پھول تم مجھ کو دے دو اور جتنی رقم چاہے لے لو۔" درباری بولا، "یہ پھول میں کسی کو نہیں دے سکتا۔" بادشاہ نے پوچھا، "آخر کیوں؟" درباری بولا، "یہ پھول میری بیوی نے دیا تھا۔ جب میں اس سے جُدا ہو رہا تھا تو اس نے کہا تھا کہ اس پھول کو اپنے پاس رکھنا جس وقت تک یہ تروتازہ رہے تو تم سمجھ لینا کہ میں تم کو بھولی نہیں ہوں، جب یہ مُرجھا جائے تو تم سمجھ لینا کہ میں تم کو بھول گئی ہوں۔" بادشاہ نے پوچھا، "جب تمھارے پاس ایسی وفادار بیوی موجود ہے تو پھر تم گھر کیوں نہیں جاتے؟" درباری بولا، "مجھ سے ایک حماقت سرزد ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے مجھے گھر چھوڑنا پڑا، لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ مجھے گھر واپس چلے جانا چاہیے۔" بادشاہ نے پوچھا، "کیا حماقت ہو گئی تھی؟" درباری بولا، "کیا بتاؤں مجھے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ میرے والد ایک سوداگر تھے۔ جب میں بڑا ہوا تو انھوں نے میری شادی کرنا چاہی مگر میں نے انکار کر دیا۔" بادشاہ نے پوچھا، "شادی نہ کرنے کی کیا وجہ تھی؟" درباری بولا۔

"میں آپ کو ساری کہانی سنائے دیتا ہوں۔ جب میں چھوٹا تھا تو میرے والد نے میرے لیے ایک نوکر رکھا تھا، جو ہر وقت میرے ساتھ رہتا تھا۔ مجھے اس سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔ ایک دن اس ملک کے بادشاہ نے سُنا کہ ایک مشہور رقّاصہ شہر میں آئی ہوئی ہے۔ بادشاہ نے اسے بُلوایا۔ میں بھی اپنے نوکر کے ساتھ رقص دیکھنے چلا گیا۔ اور بھی بہت سے لوگ آئے تھے۔ رقاصہ جوں ہی میرے ملازم کے پاس آئی تو اُسے دیکھتے ہی فرش پر گر پڑی۔ بادشاہ نے رقاصہ سے پوچھا، "تم کیوں گر پڑیں؟" وہ بولی، "میرے سینے میں درد ہو رہا ہے۔" بادشاہ نے پوچھا، "کیا یہ درد پہلے کبھی ہوا تھا؟" اس پر اس نے میرے نوکر کی طرف اشارہ کر کے کہا، "اگر آپ اس آدمی کو مار ڈالیں تو میرا درد دُور ہو جائے گا۔" بادشاہ نے فوراً اس کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ میرا نوکر بولا،

"بادشاہوں کا یہ دستور نہیں کہ بے گناہ لوگوں کو مار ڈالیں۔" بادشاہ نے کہا، "تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم نے کوئی بڑی بات کی ہے اور تمھاری ہی کسی غلطی کی وجہ سے یہ رقاصہ گر پڑی۔" نوکر بولا، "اے بادشاہ، رقاصہ سے کہیے کہ میری جو چیز اس کے پاس ہے وہ مجھے واپس دے دے۔ پھر آپ جو چاہیں کریں۔"

بادشاہ نے رقاصہ سے کہا، "یہ آدمی تو مار ڈالا جائے گا لہٰذا اس سے بات کر لو۔"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور میرے نوکر سے بولی، "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

وہ بولا، "میری جو چیز تمھارے پاس ہے وہ مجھے واپس کر دو۔" وہ بولی، "تمھاری کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے۔" نوکر بولا، "اچھا تو تم زبانی ہی کہہ دو کہ تم نے میری چیز مجھے واپس کر دی۔" اب وہ عورت بولی، "میں نے جو کچھ تم سے لیا تھا وہ میں تمھیں واپس کرتی ہوں۔" اتنا کہنا تھا کہ وہ دھڑام سے فرش پر گر گئی اور ڈھیر ہو گئی۔ بادشاہ چلّایا، "کم بخت، میں تجھ کو قتل کر دوں گا ورنہ جلدی بتا کہ تُو نے اس کو کیا دیا تھا جسے اس نے واپس کر دیا۔" اس پر میرے نوکر نے کہا:

"حضور، ہم لوگ خوش حال سوداگر تھے اور یہ عورت میری بیوی تھی جو اب رقاصہ بن گئی۔ ہم دونوں میں بڑی محبت تھی۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا، "اگر میں مر جاؤں تو تم کو کتنا غم ہو گا؟" میں نے کہا، "میں دیوانہ ہو جاؤں گا، لیکن اگر میں مر گیا تو تم میرے لیے کتنی رنجیدہ ہو گی؟" وہ بولی، "اگر تم مر گئے تو میں تمھاری قبر کے پاس ایک کُٹیا بنا لوں گی اور وہیں پڑی رہوں گی۔" اس پر میں نے کہا، "میں بھی یہی کروں گا۔" اس کے بعد یہ ہوا کہ میری بیوی مر گئی۔ جب وہ دفن کر دی گئی تو میں نے اپنا سارا مال بیچ ڈالا اور غریبوں میں تقسیم کر دیا اور اس کی قبر کے پاس رہنے لگا۔ مختصر یہ کہ میں فقیر ہو گیا۔ بھیک مانگ کر اپنا پیٹ بھر لیتا تھا۔ ایک دن ایک جوگی اِدھر آ گیا وہ بولا، "تم یہاں قبرستان میں کیوں رہتے ہو؟" میں نے اسے سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ سب سُن کر وہ بولا، "چوں کہ تم نے یہ صرف محبت کی خاطر کیا اس لیے میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں۔ اگر تم اپنی آدھی زندگی اس کو دینے پر راضی ہو جاؤ تو یہ عورت پھر سے زندہ ہو سکتی ہے۔ پھر اس کی موت اور تمھاری موت ایک ہی دن ہو گی۔" میں نے کہا، "بہت خوب، میں اپنی آدھی زندگی اس کو دیے دیتا ہوں۔"

اس کے بعد فقیر نے میری بیوی کو زندہ کر دیا اور وہ میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ میں بڑا خوش ہوا اور وہ بھی بہت خوش ہوئی، لیکن چوں کہ میں سارا مال بیچ چکا تھا لہٰذا ہم دونوں دوسرے شہر چلے گئے۔

کچھ دُور جا کر ہم لوگ دریا کے کنارے پہنچے۔ میں کچھ روٹی اور پانی پی کر لیٹ گیا۔ میری بیوی نے میرا سر لے کر اپنے زانو پر رکھ لیا۔ بس مجھے اتنا ہی یاد ہے۔ پھر میں سو گیا۔ اور وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ میں اسے تلاش کرتا رہا۔ چلتے چلتے میں اس شہر میں آگیا اور اس لڑکے کے گھر نوکر ہو گیا جو میرے قریب کھڑا ہوا ہے۔ آج اس لڑکے نے کہا، آؤ چلیں ایک رقاصہ آئی ہوئی ہے اس کا رقص دیکھیں۔ لہٰذا میں یہاں آگیا۔ جوں ہی میں نے اسے دیکھا میں نے اسے پہچان لیا اور اس نے جو مجھے دیکھا تو شرم اور ندامت سے گر پڑی اور میری موت کی طلب گار ہو گئی۔ اے بادشاہ، آپ نے میری موت کا حکم دے دیا۔ ہر ایک کو اپنی زندگی پیاری ہوتی ہے۔ لہٰذا میں نے اس سے کہا کہ میری جو چیز اس کے پاس ہے وہ مجھے واپس کر دے۔ وہ بولی کہ میرے پاس تمھاری کوئی چیز نہیں ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ اچھا صرف زبان ہی سے کہہ دو کہ میں نے جو کچھ تم سے لیا ہے وہ واپس

...رتی ہوں۔ اس نے کہہ دیا اور وہ ایک بار پھر مر گئی!!

بادشاہ نے جب یہ قصّہ سُنا تو حیران رہ گیا اور نوکر کی جان بخش دی اور اسے چلا ...نے دیا۔ مگر مجھ پر اس کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ساری زندگی شادی نہ کرنے کا ارادہ ...یا۔ لہٰذا میں نے انکار کر دیا۔ میرے والد نے بڑا اصرار کیا تو میں نے ان سے کہا کہ اچھا ...یں شادی اس عورت سے کروں گا جو روزانہ صبح مجھے پانچ جوتے مارنے دے۔ میں نے یہ ...رط اس لیے لگائی کہ کوئی عورت مجھ سے شادی کرنے پر رضامند نہ ہو۔ میرے والد کوشش ...تے رہے، مگر کوئی میری شرط قبول کرنے کو آمادہ نہ ہوا۔

وقت گزرتا گیا۔ آخر میرے والد ایک دوسرے شہر گئے اور ایک سوداگر سے کہا کہ میں ...پنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ وہ سوداگر بولا، "میری ایک بیٹی ہے مگر وہ کہتی ہے کہ ...پہلے میں اس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس پر میرے والد نے کہا، "مگر میرا بیٹا یہ کہتا ...ہے کہ وہ صرف اس عورت سے شادی کرے گا جو روزانہ اسے پانچ جوتے مارنے دے۔" اس ...پر سوداگر بولا، "اس کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال میں اپنی بیٹی سے بات ...کروں گا، پھر بتاؤں گا۔" جب وہ گھر گیا اور اس نے اپنی بیٹی سے بات کی تو وہ بولی، "میں ...راضی ہوں۔ میری شادی اس سے کر دیجیے۔" چناں چہ بیس روز بعد شادی ہو گئی۔ میرے والد ...نے مجھے ایک گھر الگ دے دیا اور نوکر چاکر بھی دے دیے۔ صبح کو میں نے اپنی بیوی سے ...کہا، "اب مجھے اپنی شرط پوری کرنے دو۔ یعنی پانچ جوتے مارنے دو۔" وہ بولی، "آج نہ مارو، ...کل دس جوتے اکٹھے مار لینا۔" دوسرے دن پھر میں نے اس سے کہا تو وہ بولی، "آہستہ بات ...کرو، مہمان سُن لیں گے۔ آج بھی مجھے معاف کر دو۔ کل پندرہ جوتے مار لینا۔" اگلے دن میں ...نے پھر اس سے کہا۔ اس پر وہ بولی، "ہماری جب شادی ہوئی تھی تو رُوپیہ کس نے خرچ کیا ...تھا تم نے یا میں نے؟" میں بولا، "نہ تم نے نہ میں نے۔ تمھاری طرف سے تمھارے والد نے ...خرچ کیا اور میری طرف سے میرے والد نے۔" پھر اس نے پوچھا، "اور اب ہمارا خرچ کون ...چلا رہا ہے؟" میں نے کہا، "میری تو کوئی آمدنی ہے نہیں۔ میرے والد سب خرچ کر رہے ...ہیں۔" اس پر وہ بولی، "تو پھر تم کو مجھے مارنے کا کیا حق ہے۔ میرے اوپر جو کچھ خرچ ہوتا ...ہے وہ تو تمھارے والد دیتے ہیں۔ جب تم خود کمانے لگنا تب مجھے مارنا۔" یہ سُن کر مجھے اتنا غصّہ

آیا کہ میں گھر سے باہر نکل گیا اور سیدھا اپنے والد کے پاس پہنچا اور ان سے کہا، "مجھے چار ہزار
روپے دے دیجیے، تاکہ میں جاکر کاروبار کروں۔"

چناں چہ میں نوکر اور سامانِ تجارت لے کر ایک جہاز پر روانہ ہو گیا اور ایک دور دراز ملک پہنچ گیا۔ پھر دریا کے راستے دور تک چلا گیا اور وہاں میں ایک ویران سی جگہ پہنچ گیا۔ پھر بھی وہاں ایک باغ تھا، مگر آبادی نہ تھی۔ میں نے نوکروں سے کہا کہ جہاز کو کنارے کھڑا کریں اور میں کود کر باغ میں پہنچ گیا۔ میں نے وہاں دیکھا کہ ایک آم کے درخت پر آم لگے ہوئے ہیں۔ اتنے میں ایک آم گر پڑا۔ میں نے اسے کھا کر گٹھلی پھینک دی۔ اتنے میں ایک آم اور گر پڑا۔ میں اسے کھانے لگا۔ اسی عرصے میں وہ گٹھلی جو میں نے پھینکی تھی، اس نے جڑ پکڑ لی اور فوراً ایک آم کا درخت نمودار ہو گیا۔ اس پر بھی بہت سے آم لگے ہوئے تھے۔ میں ابھی آم کھا ہی رہا تھا کہ اس نئے درخت سے بھی ایک آم گر پڑا۔ میں نے سوچا کہ اس آم کو میں نہ کھاؤں بلکہ اسے قریبی شہر لے جاؤں اور اس کے ذریعے سے خوب دولت کماؤں۔

چناں چہ میں ایک بڑے شہر میں پہنچ گیا اور وہاں بازار میں آواز لگائی، "اس آم کو دیکھو، میں اسے کھا کر گٹھلی پھینک دوں گا۔ اگر اس گٹھلی سے فوراً درخت نکل آئے تو تم مجھ کو چار ہزار روپے دینا اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں تم کو چار ہزار روپے دوں گا۔" وہ لوگ راضی ہو گئے۔ میں نے آم کھا کر گٹھلی پھینک دی۔ فوراً درخت نکل پڑا، مگر اس میں آم نہ تھے۔ چناں چہ میں شرط ہار گیا اور اپنے روپے بھی کھو بیٹھا۔ گرفتاری سے بچنے کے لیے میں نے اپنے تمام نوکر اور سامان بیچ ڈالا اور فقیر کی طرح اکیلا اس اجنبی شہر میں رہ گیا۔ اسی پریشانی میں چلا جا رہا تھا کہ ایک فقیر کی جھونپڑی دکھائی دی۔ میں وہاں چلا گیا۔ پانچ چھے دن بعد فقیر نے کہا، "اب تم کو کچھ کام کرنا چاہیے۔" اسی فقیر کے پاس ایک آدمی اور تھا جو روزانہ گھاس کھود کر لے آتا تھا اور کو بیچ لیتا تھا۔ اس آدمی کو مجھ پر ترس آ گیا۔ وہ بولا، "آؤ چلو، میں تم کو دکھا دوں کہ گھاس کہاں پر ہے اور اسے کس طرح کاٹا جاتا ہے۔" چناں چہ میں گھاس کاٹنے لگا اور اسے بیچ کر اپنا پیٹ پالتا رہا۔

ادھر میری بیوی میرا انتظار کرتی رہی۔ پھر وہ مردانہ بھیس بدل کر اور ایک سوداگر

جہاز پر سوار ہو گئی اور مجھے ڈھونڈنے نکلی۔ اتفاق سے وہ بھی اسی دربار اور اسی میں پہنچ گئی۔ جہاز کنارے لگا کر اس نے بھی اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا تھا۔ پھر جب ایک پکا ہوا آم اس کے سامنے گرا تو اس نے بھی اُٹھا کر اسے کھا لیا اور گٹھلی پھینک دی۔ ابھی وہ دوسرا آم کھا ہی رہی تھی کہ پہلے آم کی گٹھلی نے جڑ پکڑ لی اور ایک درخت نکل پڑا اور اس میں آم نکلنے لگے۔ ابھی وہ دیکھ ہی رہی تھی کہ پہلے درخت سے آم گرنے لگے، مگر وہ عقل مند تھی۔ میری طرح بے وقوف نہ تھی۔ چناں چہ اس نے نہ گٹھلی اُٹھائی بلکہ اس باغ کی تھوڑی سی مٹی بھی اُٹھا لی اور جہاز پر واپس آ کر وہ بھی شہر میں پہنچ گئی جہاں میں تھا، لیکن اس نے مجھے نہیں دیکھا اور نہ اسے یہ پتا تھا کہ میں بھی وہاں ہوں، مگر اس نے بھی ان ہی لوگوں سے شرط لگائی جن سے میں نے شرط لگائی تھی۔ اس نے آم کھا کر گٹھلی اس جگہ پھینک دی جہاں اس باغ کی مٹی اس نے ڈال دی تھی۔ لہٰذا فوراً درخت نکل پڑا اور اس میں آم لگ گئے اور ایک ایک کر کے گرنے لگے۔ میری بیوی چار ہزار روپے جیت گئی۔ پھر وہ اسی بازار میں آئی جہاں میں گھاس کا گٹھر لے کر ذرا دیر پہلے پہنچا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا، "اس گھاس کے گٹھر کی کیا قیمت ہے؟" میں نے کہا، "دو آنے۔" وہ بولی، "تین آنے لو اور اسے میرے اڈے پر پہنچا دو، دریا کے کنارے۔" میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ اس نے مجھے تین آنے دے دیے۔ جب میں جانے لگا تو وہ بولی، "اگر کوئی تم کو ملازم رکھے تو ملازمت کرو گے؟" میں نے کہا، "ہاں، کیوں نہیں! اس گھاس کھودنے سے تو ملازمت بہتر ہے۔ میں تو عاجز ہوں۔" اس پر وہ بولی، "میں تم کو اپنے ملازموں کی نگرانی کے لیے نوکر رکھتا ہوں۔" میں نے قبول کر لیا۔ اس نے مجھے ہر چیز دے دی مگر اس نے میرے پھٹے پرانے کپڑے لے لیے اور گھاس کاٹنے والی ہنسیا بھی لے لی۔ پھر اس نے کہا، "تم جہاز پر رہنا۔ میں ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں، صرف ایک دن کے لیے۔ اب تم سارے کاموں کے نگراں ہو۔"

اس کے بعد وہ چلی گئی۔ میں نے اسے پھر نہیں دیکھا۔ جب دس دن گزر گئے اور وہ واپس نہ آئی تو میں نے جہاز کا لنگر اُٹھا لیا اور روانہ ہو کر اپنے وطن آ گیا۔ وہاں سامان میرے ایک مکان میں رکھ دیا گیا۔ پھر میں اپنی بیوی کے گھر گیا اور اس سے بولا،

"اب میں دولت مند ہوں۔ اپنی کمائی لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا اب مار کھانے پر راضی ہو جاؤ۔" وہ بولی، "ٹھیک ہے، مگر ذرا پہلے بیٹھ جاؤ۔" میں نے کہا، "نہیں، میں تو گھوڑے پر سے جب ہی اتروں گا جب تم مار کھانے پر راضی ہو جاؤ گی۔" وہ ٹال مٹول کرتی رہی۔ آخر جب میں نے بہت ضد کی تو وہ بولی، "ذرا ٹھیرو۔" اور یہ کہہ کر اندر چلی گئی اور وہاں سے میرے پھٹے پرانے کپڑے اور گھاس کھودنے والی ہنسیا لے آئی اور انھیں دکھا کر بولی، "جس گھوڑے پر تم سوار ہو وہ میرا ہے، جو کپڑے تم پہنے ہو وہ بھی میرے ہیں۔ پہلے میرا گھوڑا واپس کرو اور میرے کپڑے واپس کرو، اور لو یہ اپنے پرانے کپڑے اور یہ ہنسیا۔ پھر آکر مجھے پانچ جوتے مارنا۔" یہ سُن کر میں شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

گھوڑے کی لگام میں نے ایک آدمی کے ہاتھ میں دے دی اور سیدھا اپنے باپ کے گھر چلا گیا۔ وہاں میں کئی دن تک پڑا رہا۔ پھر میں نے سوچا کہ یہاں سے کہیں چلا جاؤں۔ میں جانے کی تیاری کر ہی رہا تھا کہ میرے والد آ گئے اور مجھے میری بیوی کے پاس لے گئے۔ وہ بولی، "تم اگر یہاں رہنا چاہتے ہو تو رہو ورنہ چلے جاؤ، لیکن اگر جاتے ہو تو یہ پھول لیتے جاؤ۔ جب تک یہ تازہ رہے تو سمجھنا کہ میں باوفا ہوں اور اگر یہ مُرجھا جائے تو سمجھ لینا کہ میں تم کو بھول گئی ہوں۔"

میں پھول لے کر ایک بار پھر گھر سے چل پڑا اور یہاں آپ کے والد بادشاہ کا ملازم ہو گیا اور اسی وجہ سے میں بیوی کے پاس جانا نہیں چاہتا۔" بادشاہ نے جب یہ سارا قصّہ سُنا تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے ملازم کی تنخواہ دوگنی کر دی۔ پھر بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا، "جب یہ پھول اتنا خوب صورت ہے تو وہ عورت کتنی خوب صورت ہو گی۔ بس اس کو یہاں لانے کا بندوبست کرو۔"

وزیر بولا، "بعض عورتیں مردوں سے زیادہ عقل مند ہوتی ہیں۔"

بادشاہ نے کہا، "ہاں، مگر بوڑھی عورتیں اور کُٹنیاں ہر کام کو کر سکتی ہیں۔"

چالاک بوڑھی عورت کو بُلوایا گیا۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا، "تم کیا کر سکتی ہو؟" وہ بولیں، "ہم اتنے چالاک ہیں کہ اگر ہم آسمان پر چلے جائیں تو اس میں سوراخ کر دیں۔ ہم نہ صرف آسمان میں سوراخ کر دیں گے، بلکہ اس میں ایسا پیوند بھی لگا دیں گے کہ کسی کو ذرا

بھی سوراخ نظر نہ آئے۔" یہ سُن کر بادشاہ نے ان کا انتخاب کر لیا۔ باقی عورتوں کو رخصت کر دیا گیا۔ پھر بادشاہ نے ان دونوں چالاک عورتوں سے کہا، دیکھو تم اس شہر میں جاؤ۔ وہاں سوداگر کی بیوی اکیلی رہتی ہے۔ اسے چکما دے کر یہاں لے آؤ۔" وہ دونوں روانہ ہو گئیں۔ انھوں نے حاجیوں کا سا بھیس بنا لیا اور اس شہر میں پہنچ گئیں۔ سوداگر کی بیوی کا گھر تلاش کر لیا۔ سوداگر کی بیوی کچھ کپڑے سی رہی تھی۔ دونوں عورتوں نے اسے گلے لگا لیا اور رونے لگیں۔

وہ حیران ہو کر بولی، "آپ کیوں روتی ہیں؟" وہ بولیں، "ارے بیٹی، تم بہت چھوٹی سی تھیں تب ہم نے تم کو دیکھا تھا، تم کو یاد نہ ہو گا۔ تمھاری ماں ہماری سگی بہن تھیں۔ تم ہماری بھانجی ہو۔ تم بہت چھوٹی تھیں تو ہم مکّہ معظمہ چلے گئے تھے۔ اب واپس آئے ہیں۔" سوداگر کی بیوی سوچنے لگی کہ مجھے ان لوگوں کے کھانے کا بندوبست کرنا چاہیے۔ چناں چہ اس نے اپنی ملازمہ سے کہا کہ بازار سے آٹا، گھی، شکر اور تھوڑی سی بھنگ لے آئے۔ ان چیزوں سے اس نے حلوہ پکایا۔ حلوہ کھا کر دونوں بڑھیاں سچ بولنے لگیں، پھر سو گئیں۔ سوداگر کی بیوی روزانہ ان دونوں کو اسی طرح کے کھانے کھلاتی رہی اور وہ نشے میں پڑی سوتی رہیں۔

اُدھر بادشاہ بے تابی سے انتظار کر رہا تھا۔ جب بہت دن گزر گئے تو اس نے اپنے وزیروں کو بُلایا اور بولا، "ان عورتوں کو غالباً روک لیا گیا ہے، لہٰذا چند عیّاروں کو بھیجو تاکہ ان کو تلاش کریں۔" چناں چہ دو نہایت چلتے پُرزہ آدمیوں کو روانہ کر دیا گیا۔ وہ چلتے وقت یہ شیخی بھی بگھار گئے کہ ہم لوگ نہ صرف ان دونوں بڑھیوں کو لے آئیں گے بلکہ ان کے ساتھ اس عورت کو بھی لیتے آئیں گے۔" یہ دونوں آدمی بزرگ فقیر کا بھیس بدل کر چل دیے۔ جب وہ اس عورت کے گھر پہنچے تو بولے، "ارے بیٹی! اپنے چچاؤں سے ملو، ہم کئی برسوں سے دُور دراز ملکوں کی سیاحت کر رہے تھے۔ اب ہم تمھارے پاس آسکے ہیں۔" وہ بولی، "آپ نے بڑا اچھا کیا کہ مجھے دیکھنے آ گئے۔" پھر اس نے ان دونوں عیّاروں کو بھی وہی حلوہ کھلوا دیا۔ اور وہ نشے میں مبتلا ہو کر سو گئے۔ جب کئی روز تک یہی غذا ملتی رہی تو یہ دونوں آدمی بھی ان عورتوں کی طرح ناکارہ ہو کر رہ گئے۔ پھر سوداگر

کی بیوی نے ان چاروں کے سر منڈوا دیے اور چہروں پر توے کی کالک ملوادی۔

جب کئی دن گزر گئے تو بادشاہ نے پھر وزیروں کو بلوایا اور بولا،"وہ دونوں عیار بھی ناکام رہے۔ اب تو ہم کو خود جانا پڑے گا۔" اور بادشاہ اس عورت کے گھر پہنچ گیا اور دروازے پر دستک دی۔ عورت نے اپنی لونڈی سے کہا کہ دریافت کرے کہ کون لوگ آئے ہیں۔ وزیر بولا،"میں تو ایک وزیر ہوں اور یہ میرے ساتھ بادشاہ سلامت ہیں۔" لہٰذا ان لوگوں کی دعوت کی گئی اور سات قسم کے کھانے پکائے گئے۔ سوداگر کی بیوی خود بادشاہ کی خدمت کے لیے کھڑی رہی اور خود ہی لے جاکر کھانے پیش کرتی رہی اور ہر کھانے کے ساتھ نیا لباس اور نئے زیورات پہن لیا کرتی تھی۔ جب ساتویں قسم کا کھانا لایا گیا تو بادشاہ نے وزیر سے کہا،"میں نے تو سنا تھا کہ سوداگر کی ایک ہی بیوی ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہیں سات بیویاں ہیں۔" سوداگر کی بیوی نے یہ بات سن لی۔ لہٰذا اس نے پوچھا،"بادشاہ سلامت، آپ کس چیز کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں؟" بادشاہ نے کہا،"میں نے جو کچھ کہا ہے اُس کا سننا تمھارے لیے مناسب نہیں۔" وہ بولی، "آپ تکلف نہ کریں، صاف صاف کہیں۔" اس پر بادشاہ نے کہا،"میں تو سمجھا تھا کہ یہاں صرف ایک عورت ہے، لیکن میں نے تو یہاں سات عورتوں کو دیکھا اور سب کی صورت ملتی جلتی ہے۔" وہ بولی،"آپ نے خوب کہا، لیکن یہاں صرف ایک ہی عورت ہے۔" بادشاہ حیران ہو کر بولا،"مگر میں نے تو سات عورتیں دیکھی ہیں اور تم کہتی ہو کہ صرف ایک ہی ہے!" وہ بولی،"آپ نے جن سات عورتوں کو دیکھا ان میں سوداگر کی بیوی نہ تھی۔" بادشاہ نے پوچھا،"پھر تم کون ہو؟" وہ بولی،"میں تو ایک لونڈی ہوں۔" بادشاہ نے کہا،"اگر تم اس کی لونڈی ہو تو ہمارا ایک پیغام اس تک پہنچا دو۔" اس کے بعد وزیر نے بہت سی اشرفیاں اس کو دیں اور کہا کہ تم اپنی بیگم صاحبہ کو اس پر راضی کر لو کہ وہ ہمارے ساتھ ہمارے محل چلی چلیں۔" یہ سن کر وہ بولی،"اب آپ میری بات سنیے۔ میری بیگم صاحبہ آسانی سے آپ کے ساتھ چلی جائیں گی، لیکن پہلے آپ دونوں میں سے ایک بازار جاکر ایک ڈولی اور آٹھ مضبوط کہار لے آئے۔ پھر صبح جب سوداگر کی بیوی سو کر اٹھیں گی تو ہم لوگ انھیں پکڑ کر ڈولی میں ڈال دیں گے اور آپ لے جاسکیں گے۔" بادشاہ اور وزیر دونوں

...پر راضی ہو گئے۔ ایک ڈولی اور آٹھ کہار لے آئے۔

صبح کو سوداگر کی بیوی اُٹھی اور اس نے ان دونوں عورتوں اور ان دونوں آدمیوں (بہت) سی بھنگ پلادی اور چاروں کے منھ کالے کر کے انھیں ڈولی میں ڈال دیا۔ پھر (ڈو)لی کے پردے گرادیے۔ کہاروں کو پہلے ہی تنبیہ کر دی گئی تھی کہ بوجھ زیادہ ہونے (کی) شکایت نہ کریں۔ ان کو انعام دیا جائے گا۔

چناں چہ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ڈولی روانہ ہو گئی۔ جب محل پہنچ گئے تو (ڈو)لی کو محل کے ایک خالی حصے میں رکھوا دیا گیا اور ایک لونڈی بادشاہ کی نئی بیگم کی خدمت کے لیے بھیج دی گئی۔ اب جو لونڈی نے پردہ اُٹھایا تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کے اندر چار (عو)رتیں ہیں۔ وہ چلّائی،"ایک نہیں، چار بیگمات آگئی ہیں۔"

بادشاہ نے خود جاکر دیکھا اور حقیقت معلوم ہونے پر ان چاروں کو مار پیٹ کر بھگا (د)یا اور وزیر سے بولا،"کتنی عقل مند ہے کہ اس نے میرے تمام آدمیوں کو بھی بے وقوف بنا دیا اور خود مجھ کو اور میرے وزیر کو بھی اُلّو بنا دیا۔" وزیر بولا،"اب آپ اس کو حاصل (ک)رنے کی کوشش نہ فرمائیں۔ صرف ایک صورت ہے کہ اس کے شوہر کا عہدہ بڑھا دیں اور وہ خود جاکر اپنی بیوی کو لے آئے۔" چناں چہ سوداگر کو ترقی دے دی گئی اور اسے ایک عالی شان محل رہنے کے لیے دے دیا گیا۔

آخر سوداگر اپنی بیوی کے پاس پہنچا اور اس سے کہا،"بادشاہ نے مجھے بڑا رتبہ دیا ہے مگر یہ حکم دیا ہے کہ تم کو ساتھ لے چلوں۔" وہ بولی،"میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ میرے آقا ہیں۔ آپ جب بھی کہیں میں چلنے کو تیار ہوں۔" لہٰذا وہ اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی اور اسی محل میں رہنے لگی۔ سوداگر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ یہ سن کر بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا،"آج سے تم بھی ہمارے نئے وزیر ہو۔" پھر بادشاہ نے اپنے پرانے وزیر سے کہا، "کوئی ایسی ترکیب نکالو کہ اس سوداگر کو کسی دُور دراز ملک بھیج دیا جائے۔" وزیر بولا، "اس سے کیا ہوگا۔ وہ کسی بھی وقت واپس آسکتا ہے۔ اسے کوئی ایسی چیز لانے کے لیے روانہ کرنا چاہیے جس کا وجود ہی نہ ہو اور کہہ دیا جائے کہ جب تک وہ چیز نہ ملے واپس نہ آئے۔" یہ باتیں کر کے دونوں ہنسنے لگے۔ ان کو ہنستا دیکھ کر نئے وزیر نے بھی ہنسنا شروع

کر دیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا، "تم کیوں ہنس رہے ہو؟ تم نے کیا سُنا یا دیکھا جو ہنس رہے ہو؟" وہ بولا، "میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ میں نے کچھ نہیں سُنا۔ بس میں یونہی ہنسنے لگا۔"

پرانا وزیر بولا، "میں نے تو زندگی بھر "کچھ نہیں"، نام کی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ذرا بتاؤ کہ "کچھ نہیں" کیا ہے؟" سوداگر بولا، "کچھ نہیں کو میں بھلا کیسے دکھا سکتا ہوں۔ میں نے خود "کچھ نہیں" کو نہیں دیکھا۔"

پرانا وزیر بولا، "بہرحال تم کو اب "کچھ نہیں"، کو تلاش کرنا ہے، کیوں کہ بادشاہ سلامت کا یہی حکم ہے۔"

اتنے میں رات ہو گئی اور سب اپنے گھر چلے گئے۔ بعد میں جب وزیر نے بادشاہ کو دیکھا تو بولا، "اس نئے وزیر کو "کچھ نہیں"، کا کبھی پتا نہ ملے گا، لہٰذا اب وہ پھنس گیا ہے۔"

اُدھر سوداگر جب گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے اس کی پریشانی بھانپ لی اور اس کی وجہ پوچھی۔ سوداگر نے سب قصّہ بتا دیا۔ بیوی بولی، "فکر نہ کرو۔ میں اس کا بندوبست کر دوں گی۔ بس اتنا کرو کہ یہ حکم دے دو کہ جو کوئی بھی شکار کے لیے جائے تو شکار کیے ہوئے پرندوں کے پَر مجھے دے جائے۔ ان لوگوں کو پَروں کے برابر سونا دیا جائے گا۔ پھر اس

نے دو معماروں کو بُلوا کر دو بڑے بڑے ناند بنوا لیے اور انھیں برابر والے کمرے میں رکھوا دیا۔ ایک ناند میں گوند بھر دیا اور دوسرے میں پرندوں کے پَر۔ اس دوران سوداگر بادشاہ کے دربار میں حاضری دیتا رہا۔ بیوی نے اس کو سمجھا دیا تھا کہ اگر بادشاہ پوچھے کہ 'کچھ نہیں' ملا تو کہنا کہ کل تک مجھے مزید کامیابی کی اُمید ہے۔ ادھر بادشاہ نے وزیر سے کہا، "وہ عورت ضرور ہم لوگوں کو پھر بے وقوف بنا دے گی۔"

شام کو سوداگر اپنے گھر گیا تو بیوی نے اسے ایک مشورہ دیا۔ چناں چہ دوسرے دن جب وہ دربار پہنچا اور بادشاہ نے پھر سوال کیا تو وہ بولا، "مجھے ایک سال کی چھٹی دے دیجیے میں 'کچھ نہیں' لے آؤں گا، لیکن اگر میں ایک ہی مہینے کے اندر واپس آجاؤں اور 'کچھ نہیں' لے آؤں تب بھی آپ مجھے سال بھر کی چھٹی دے دیجیے گا اور پوری تنخواہ بھی۔" بادشاہ نے اس کی درخواست منظور کر لی۔ سوداگر یہ کہہ کر چلا گیا کہ کل میں اپنی مہم پر روانہ ہو جاؤں گا۔ جب گھر پہنچا تو بیوی نے کہا، "اب پیتل کی دو بڑی بڑی چمٹیاں بنوا لو اور ٹخنوں کے لیے دو دو گھنٹیاں بنوا لو اور صبح کو جا کر بادشاہ سے کہو کہ اب میں جا رہا ہوں، مگر دُور نہ جانا۔ آدھی رات کو گھر واپس آجانا اور دروازے پر دستک دینا۔" چناں چہ سوداگر نے یہی کیا۔

رات کو بادشاہ نے سوچا کہ اب تک میں وزیر کی صلاح مانتا رہا، مگر اب میں اپنی سی کروں گا اور سوداگر کے گھر جاؤں گا۔ مگر جب وہ اس کے گھر پہنچا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ بادشاہ نے دستک دی اور بولا، "میں ہوں بادشاہ، دروازہ کھولو۔" لہٰذا اس نے دروازہ کھول دیا اور بادشاہ گھر میں داخل ہو گیا۔ بیوی نے دروازہ بند کر دیا۔ ابھی یہ دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں دروازے پر کسی نے دستک دی۔

"کون ہے؟" بیوی نے پوچھا۔

"تمھارا شوہر۔" سوداگر بولا۔

"تم تو کچھ نہیں لینے گئے تھے، اتنی جلدی کیسے آگئے؟"

"میں اپنی تلوار بھول گیا تھا اسے لینے آیا ہوں۔"

یہ سُن کر بادشاہ ڈر گیا اور بولا، "مجھے جلدی سے کہیں چھپا دو، ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔ کسی کو بھی یہ نہیں معلوم ہے کہ میں یہاں ہوں۔"

وہ بولی، "یہاں تو چھپنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔"

بادشاہ بولا، "خدا کے لیے مجھ پر رحم کرو اور میری جان بچاؤ۔"

وہ بولی، "ادھر ایک کوٹھری ہے۔ اس میں ایک ناند ہے۔" بادشاہ فوراً اس کوٹھری میں گھس گیا۔ چوں کہ گھبرایا ہوا تھا لہٰذا سیدھا اُس ناند میں گر پڑا، جس میں گوند بھرا ہوا تھا۔ اس کے سارے جسم پر گوند چپک گیا۔ وہ چلّایا، "خدا کے لیے مجھے نکالو۔" وہ بولی، "مگر میں اب آپ کو کہاں رکھوں؟" بادشاہ بولا، "مجھ پر رحم کرو۔" اب عورت نے بادشاہ کو ناند میں سے باہر نکالا اور اس کوٹھری میں چھپا دیا جہاں پرندوں کے پَر بھرے ہوئے تھے۔ تمام پَر بادشاہ کے لباس اور جسم پر چپک گئے۔ اس کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا اور سوداگر اندر آگیا۔ وہ بولی، "آؤ میں نے تمھارے لیے 'کچھ نہیں' کو حاصل کر لیا ہے۔ وہ اس وقت گھر میں ہے۔ یہ دیکھو یہ نہ تو آدمی ہے اور نہ پرندہ۔ یہ 'کچھ نہیں' ہے۔ یہ گھنٹیاں اس کے ٹخنوں پر باندھ دو اور ایک رسّی اس کی گردن میں باندھ لو۔ پھر ایک مشعل اور چمٹی لے کر اسے بادشاہ کے محل پہنچا دو۔ راستے میں اس کو دو ایک چمٹی بھی مارتے رہنا۔"

سوداگر نے بالکل اسی طرح کیا۔ اسے یہ قطعی معلوم نہ ہو سکا کہ یہ بادشاہ ہے۔ وہ اسے لے کر محل پہنچ گیا اور چلّایا، "وزیر صاحب، وزیر صاحب، بادشاہ سلامت کو جلدی بُلوائیے۔ میں کچھ نہیں لے آیا ہوں۔" وزیر نے بالاخانے سے دیکھا اور بولا، "ارے ایسی چیز تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ یہ کیا ہے؟"

"آپ کو یاد نہیں، آپ نے کہا تھا کہ آپ نے زندگی بھر 'کچھ نہیں' کو نہیں دیکھا۔ دیکھیے اب دیکھ لیجیے۔ یہی چیز ہے 'کچھ نہیں'۔"

وزیر بولا، "مجھے تو اس چیز سے ڈر لگتا ہے۔ تم اسے صبح لانا جب بادشاہ سلامت دربار لگائیں۔"

سوداگر بولا، "نہیں، آپ اب اس کو سنبھالیں۔ اسے پکڑنے میں بڑی محنت کی ہے۔ دیکھیے یہ کہیں بھاگ نہ جائے۔ اگر آپ یہ نہیں کرتے تو میں بادشاہ سلامت سے اس

کی شکایت کر دوں گا۔"

وزیر نے ایک ملازم کو بُلایا اور زمین میں مینخیں ٹھونک کر بادشاہ کو اس سے باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد سوداگر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کی بیوی نے پوچھا "بادشاہ سے ملاقات ہوئی؟" وہ بولا "نہیں، بادشاہ وہاں نہیں تھے، لیکن میں نے اسے وزیر کے سپرد کر دیا ہے۔" وہ بولی "اب تم نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر دی ہے لہٰذا خاموش بیٹھے رہو۔"

بادشاہ جب وزیر کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو وہ بولا "میرے قریب آؤ اور سنو۔" مگر وزیر ڈر کر بھاگا۔ بادشاہ بولا "ارے میں بادشاہ ہوں۔ اس عورت نے مجھے اس حال کو پہنچا دیا ہے۔" مگر وزیر نے اس کی ایک نہ سُنی اور دو پتّھر اُٹھا کر بادشاہ پر پھینکے اور اپنے گھر چلا گیا۔ گھر پہنچ کر وزیر سوچنے لگا کہ آخر یہ چیز ہے کیا؟ انسان کی طرح بات کرتی ہے مگر پرندوں کی طرح پَر بھی ہیں۔ اگر یہ بھاگ گئی تو بڑی پریشانی ہو گی۔ اس نے اپنے دروازے بند کر لیے اور سو گیا۔

دوسرے دن صبح وزیر دربار پہنچا تاکہ بادشاہ کو رات کے واقعات سنائے، لیکن وہاں بادشاہ کہاں تھا اور کسی کو بھی اس کے بارے میں علم نہ تھا۔ پھر وزیر وہاں پہنچا جہاں بادشاہ مینخوں سے بندھا ہوا تھا۔ بادشاہ چلّایا "خدا کے لیے میری مدد کرو اور مجھے اپنی اصلی حالت میں لاؤ۔" وزیر بولا "مگر مجھے تو آپ سے ڈر لگتا ہے۔ آخر آپ کی یہ حالت کیسے ہو گئی؟"

اس پر بادشاہ نے سارا قصّہ سُنایا۔ وزیر نے اپنے دل میں کہا "واقعی یہی بادشاہ ہے، کیوں کہ بادشاہ کو اس عورت کے پاس جانے کی بڑی خواہش تھی۔" اب اس نے ملازموں کو بُلوایا اور کہا "جلدی سے غسل کا انتظام کرو اور اس چیز کو لے جاؤ اور اسے صاف کر دو۔"

شروع میں نوکر بھی ڈرے۔ بہرحال وہ حکم بجا لائے۔ گوند کچھ اس قسم کا تھا کہ بادشاہ کی داڑھی مونچھیں اور سر کے بال صاف ہو گئے۔ بہرحال جب وہ غسل کر چکا اور لباس تبدیل کر لیا تو اس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ اپنے گنجے سر اور بغیر داڑھی مونچھوں والے چہرے

کو دیکھ کر اسے بڑی شرم آئی۔ وزیر نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ سر پر صافہ باندھ لے اور نقلی داڑھی مونچھیں لگائے۔ غرض بادشاہ آرام کر کے پھر دربار میں بیٹھا۔

ادھر سوداگر کی بیوی نے سوداگر سے کہا "اب تم دربار میں جاؤ اور بادشاہ سے معلوم کرو کہ بادشاہ نے کچھ نہیں کو دیکھ لیا یا نہیں۔" سوداگر دربار میں پہنچا۔ وہاں جو اس نے بادشاہ کی نقلی داڑھی دیکھی تو پوچھا "ارے حضور، کیا آپ نے نقلی داڑھی لگائی ہے؟ کل رات میں آپ کے حکم کے مطابق "کچھ نہیں" کو لے آیا۔ آپ نے اسے دیکھا؟"

بادشاہ سوچنے لگا "یہ شخص بھی نرا احمق ہے۔ میرے ٹخنوں میں گھنٹیاں باندھ کر اور میرے گلے میں رسّی ڈال کر مجھے یہاں لایا ہے اور راستے بھر مجھے چھڑی سے مارتا بھی رہا ہے اور اب پوچھتا ہے کہ میں نے "کچھ نہیں" کو دیکھا یا نہیں۔"

اتنے میں سوداگر نے وزیر سے پوچھا "آپ نے بادشاہ سلامت کو وہ "کچھ نہیں" دکھایا جو کل رات میں لایا تھا؟" وزیر بولا "ہاں، بادشاہ سلامت نے اسے دیکھ لیا اور میں نے بھی اسے دیکھ لیا۔" اب سوداگر نے جانے کی اجازت چاہی جو اسے دے دی گئی۔ لہٰذا وہ اپنی بیوی کے پاس گھر چلا گیا۔ بعد میں وزیر نے بادشاہ سے پوچھا "بادشاہ سلامت، کیا آپ پھر اس خاتون کے گھر جائیں گے؟"

بادشاہ بولا "خدا نہ کرے۔ اب تو میں اس گھر کے قریب بھی نہ جاؤں گا۔ ایسی چالاک عورت تو ساری دنیا میں نہ ہو گی۔"

اب سوداگر اور اس کی بیوی ہنسی خوشی رہنے لگے۔

تین ضروری باتیں

- خط لکھنے سے پہلے اپنا نام اور پورا پتا ضرور لکھیے۔
- کسی تحریر کے متعلق یہ نہ پوچھیے کہ چھپے گی یا نہیں؟ جو تحریریں قابلِ اشاعت ہوں گی وہ باری آنے پر چھپ جائیں گی۔ ہزاروں تحریروں کے متعلق جواب دینا مشکل ہے۔
- نونہال مصوّر میں پنسل سے بنائی تصویریں شائع نہیں ہو سکتیں۔ سیاہ بال پن، برش یا سیاہ روشنائی سے تصویریں بنائیے۔

انعامی کہانی لکھو

پہلا انعام: ایک ہزار رُپے ـ دوسرا انعام: پانچ سو رُپے ـ تیسرا انعام: تین سو رُپے

ادارہ ہمدرد نونہال بچّوں میں پاکستانی زندگی کے بارے میں عمدہ کہانی لکھنے کا شوق پیدا کرنے کے لیے اس انعامی مقابلے کا اعلان کر رہا ہے ـ مقصد یہ ہے کہ بچّوں میں عام انسانوں اور روزمرہ زندگی کی کہانیاں لکھنے کا رجحان پیدا ہو ـ تین انعامی کہانیوں کے علاوہ اچھی کہانیاں لکھنے والے دس نونہالوں کو بھی کم و بیش بیس بیس رُپے کی کتابیں جناب حکیم محمد سعید صاحب کے دستخط کرا کر بھیجی جائیں گی ـ

شرائط

۱ ـ کہانی اردو میں ہو، جن، پریوں، بادشاہوں کی اور جاسوسی یا تاریخی نہ ہو، عام انسانوں کی کہانی ہو ـ

۲ ـ کسی دوسری زبان سے ترجمہ نہ ہو، پہلے کہیں چھپی ہوئی نہ ہو ـ

۳ ـ کاپی سائز کے پانچ صفحات سے کم اور دس صفحات سے زیادہ نہ ہو اور کاغذ کے صرف ایک طرف حاشیہ چھوڑ کر صاف خط میں لکھی جائے ـ

۴ ـ کہانی کے شروع میں نہیں بلکہ آخر میں پورا نام اور پتا لکھا جائے اور "انعامی کہانی کوپن" پُر کر کے ساتھ لگایا جائے ـ

۵ ـ کہانی میں صرف وہ پاکستانی بچے حصہ لے سکتے ہیں جو اسکول یا کالج میں (صرف انٹر تک) پڑھتے ہوں ـ

۶ ـ کہانی کے آخری صفحے کی پشت پر ہیڈ ماسٹر صاحب یا پرنسپل صاحب کی تصدیق ہونی چاہیے کہ یہ کہانی اسی بچے کی لکھی ہوئی ہے ـ

[...]جس کہانی کے ساتھ کوپن نہ ہو یا مکمل پتا نہ لکھا ہو وہ مقابلے میں شریک نہیں کی [...]ئے گی ـ

[...] کوئی کہانی واپس نہیں کی جائے گی ـ اپنے پاس نقل رکھیں ـ

[...] کہانی کے ساتھ تصویر نہ بھیجی جائے ـ انعام پانے والوں کی تصویریں بعد میں بھیجی جا سکتی ہیں ـ

[...] ادارہ ہمدرد نونہال انعامی اور دوسری کہانیاں شائع کرنے کا مجاز ہو گا ـ کوئی معاوضہ ادا نہ ہو گا ـ

[...] انعامات کا فیصلہ ایک مجلس منصفین کرے گی اور اس کا فیصلہ مقابلے میں حصہ لینے [وا]لے ہر نونہال کے لیے قابلِ قبول ہو گا ـ مجلس منصفین ملک کے مشہور ادیبوں پر مشتمل ہو [...]ین کے نام یہ ہیں:

۱ ـ محترمہ ہاجرہ مسرور
۲ ـ جناب سید انور
۳ ـ جناب قیوم راہی
۴ ـ جناب مسعود احمد برکاتی ـ ناظم مجلس

[...] لفافے پر "انعامی کہانی" لکھ کر یہ پتا لکھا جائے:

مدیر اعلا ہمدرد نونہال، ناظم آباد، کراچی ـ

[...] کہانی دستی وصول نہیں کی جائے گی ـ وصولی کی آخری تاریخ ۲۵ ستمبر ۸۵ء ـ

ہمدرد نونہال، انعامی کہانی کوپن ـ ۱۹۸۵ء

[کہ]انی کا عنوان ____________

[کہ]انی لکھنے والے کا نام اور پورا پتا ____________

[جم]اعت اور عمر ____________

[میں] تصدیق کرتا ہوں کہ یہ کہانی میں نے خود لکھی ہے، نقل یا ترجمہ نہیں کی ـ مجھے اس انعامی [م]قابلے کی تمام شرائط منظور ہیں ـ

سدا بہار قصّے

ہم محمدی ہیں

حضرت شاہ محمد بدخشانی المعروف آخوند ملاشاہ، شہزادہ دارا شکوہ کے پیر تھے اور خود حضرت میاں میر لاہوری کے مرید تھے۔ آپ نے کشمیر میں کوہ ماران (زہری بربت) میں قیام کیا۔ ظاہری اور باطنی علوم میں کمال رکھتے تھے۔

ایک دفعہ بادشاہ شاہ جہاں نے ان سے ملاقات کا ارادہ کیا اور اپنے ایک درباری موسوی خاں کو پہلے آزمائش کے لیے روانہ کیا۔ موسوی صاحب نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ملا صاحب میرے استقبال کو آئیں گے اور میری تعظیم کریں گے، لیکن ملا بدخشانی نے ان کی کوئی پروا نہ کی۔ موسوی خاں نے غصّے میں کہا، "جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں موسوی خاں ہوں!" مُلّا بدخشانی نے جواب دیا، "ہم موسوی اور عیسوی کو نہیں مانتے، ہم محمدی ہیں!" ملا کی یہ بات سُن کر موسوی خاں سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

سرسید کا انصاف

۱۸۵۰ء میں سرسید احمد خاں رہتک میں صدر امین تھے۔ وہاں کا ایک شخص بابر خان ایک انگریز مجسٹریٹ گتری صاحب کا خاص آدمی تھا۔ وہ جو کہتا گتری صاحب مان لیتے تھے۔ اس لیے وہ ناجائز حرکتیں بھی کرتا رہتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ سرسید کی عدالت میں اس نے جھوٹی گواہی دی۔ سرسید نے اس کے خلاف عدالتی کارروائی کی۔ بابر خاں گتری صاحب کے پاس پہنچا۔ انھوں نے بابر خاں کی پُر زور سفارش کی، لیکن سرسید نے بلا کسی خوف کے انصاف کے مطابق اسے تین سال قید کی سزا دی۔

خلیفہ ہارون رشید

خلیفہ ہارون رشید خلیفہ مہدی کا چھوٹا بیٹا تھا۔ پورا نام الرشید ہارون ابو جعفر ہے۔ ذی الحج ۱۴۵ھ میں بہ مقام "رے" پیدا ہوا۔ اس کی ماں کا نام خیزراں تھا۔ مہدی نے اپنے خوش نصیب ۷۶۲ء

بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے خاص انتظام کیا تھا۔ چناں چہ کوئی فن ایسا نہ تھا جس میں ہارون رشید کو کمال حاصل نہ ہو۔ بائیس برس کی عمر میں بہ مقام عیسیٰ آباد اپنے بڑے بھائی خلیفہ ہادی کے انتقال کے بعد ۱۶۔ ربیع الاوّل ۱۷۰ھ (مطابق ۷۸۶ء) کو بڑی شان و شکوہ سے تخت نشین ہوا۔ اس عہد میں سلطنت عباسیہ عروج پر تھی۔ اُس وقت عباسیوں کی حکومت کی حد ہندستان اور تاتار سے بحرِ اوقیانوس تک تھی اور سوائے اسپین کے کل اسلامی دنیا تابع تھی۔ یورپ جس پر ناز کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کا ملک تھا اور یہ دونوں بھی ہارون رشید کے باج گزار تھے۔ سالانہ خرچ آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ (۳۱۵۰۰۰۰۰۰) رُپے تھا۔ فوج میں تقریباً دو لاکھ سوار اور پیادہ سپاہی شامل تھے۔ ضرورت کے وقت کے لیے دوسری قسم کی فوج یعنی رضاکار بھی تھے۔ ملکی فتوحات سے زیادہ اس عہد میں علمی فتوحات ہوئیں۔ اس زمانے پر مسلمان جس قدر فخر کریں وہ کم ہے۔ امام مالک، امام موسیٰ کاظم، قاضی ابو یوسف، امام محمد عبداللہ بن مبارک، عباس بن احنف شاعر، فضیل بن عیاض، ابن سماک سیبویہ، کسائی، یونس بن حبیب نحوی جیسے قابلِ فخر مشاہیر اسی زمانے میں تھے۔

خلیفہ ہارون رشید میں درحقیقت وہ تمام خوبیاں جمع تھیں جو ایک پاک باز اور دین دار مسلمان بادشاہ میں ہونا چاہییں۔ حافظ کا قول ہے کہ جیسے باکمال لوگ ہارون رشید کو میسّر ہوئے وہ دوسرے خلیفہ کو نہیں ملے، کیوں کہ وزیر برمکی خاندان کے تھے، قاضی کے عہدے پر امام ابو یوسف تھے، شاعروں میں مروان بن ابی حفظہ، مصاحبوں میں عباس بن محمد عباسی اور فضیل بن الربیع شامل تھے۔ مُغنّیوں میں ابراہیم الموصلی تھے۔ ہارون رشید کے زمانے کا سب سے اہم تاریخی واقعہ خاندان برمکی (یحییٰ، فضل، جعفر برمکی) کی تباہی ہے۔

تیئس برس دو مہینے اٹھارہ دن حکومت کر کے سینتالیس برس پانچ مہینے کی عمر میں ۳ جمادی الآخری ۱۹۲ھ (۸۰۸ء) کو طوس کے مقام پر ہارون رشید کا انتقال ہوا۔ طوس ہی میں دفن ہوا۔ فیاضی اور داد و دہش کے باوجود انتقال کے وقت خزانے میں اٹھارہ ارب رُپیہ نقد چھوڑا۔

کون یقین کرے گا؟

فرش کا زہر

سلطان ملک الصالح نجم الدین ایوب مصر کا بادشاہ تھا۔ اس نے مصر پر ۱۲۴۰ء سے ۱۲۴۹ء تک حکومت کی۔ کہتے ہیں کہ سلطان ایک بہادر اور منتظم بادشاہ تھا۔ اس نے اپنی حکومت کے آس پاس کے کئی علاقوں کو فتح کیا۔ اپنے ملک کا انتظام بھی بہت اچھی طرح کیا، لیکن اس کی موت زہریلے فرش پر بیٹھنے سے ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان کی بیوی ملکہ شجر الدُّر کسی بات پر اُس سے ناراض ہو گئی تھی۔ چناں چہ اس نے سلطان کے خلاف سازش کی۔ سلطان کو شطرنج کھیلنے کا شوق تھا۔ وہ روزانہ رات کو اپنے محل میں بیٹھ کر گھنٹوں شطرنج کھیلا کرتا تھا۔ شطرنج کھیلنے کے لیے وہ ہمیشہ فرش پر پالتی مار کر بیٹھتا۔ ملکہ شجر الدُّر نے دربار کے دو آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ۲۰ نومبر ۱۲۴۹ء کو اُس نے فرش پر ایک تیز زہر پھیلا دیا۔ سلطان جب عادت کے مطابق شطرنج کھیلنے کے لیے فرش پر پالتی مار کر بیٹھا تو زہر کی وجہ سے اُس کے ٹخنے پر ایک پھوڑا ہو گیا۔ یہ پھوڑا اتنا زہریلا تھا کہ سلطان ۴۸ گھنٹے کے اندر ہی مر گیا۔

انوکھا درخت

اسپین کا ایک جزیرہ میلورکا ہے۔ اس جزیرے پر زیتون کا ایک پرانا درخت ہے، جس کا تنا کھوکھلا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس درخت کے مالک ہر سال اپنے پڑوسیوں کی مدد سے سال میں ایک درخت کے ارد گرد جمع ہو کر خوب زور زور سے ڈھول بجاتے اور شور مچاتے ہیں، جس سے یہ درخت ڈر جاتا ہے اور پھل دینے لگتا ہے۔ اگر کسی سال درخت کو ڈرانے کے لیے ڈھول نہ بجایا جائے یا شور نہ مچایا جائے تو درخت میں پورے سال نہ پھول آتے ہیں نہ پھل لگتے ہیں۔ یہ طریقہ پچھلے چار سو سال سے جاری ہے۔

بھکاری بادشاہ

۱۴۸۵ء سے ۱۴۹۱ء تک عبداللہ الزاغل غرناطہ کا بادشاہ تھا۔ پھر اس نے اپنی سلطنت ۵۰ لاکھ مراویدی (آج کل کے اعتبار سے ایک کروڑ ۷۰ لاکھ ڈالر یا تقریباً ۲۳ کروڑ ۸۰ لاکھ پاکستانی روپے) میں فروخت کر دی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس رقم سے ساری زندگی عیش کرے۔ اور حکومت سنبھالنے کی مصیبت سے بھی اُسے چھٹکارا مل جائے، لیکن وہ زیادہ دن تک اس رقم سے عیش نہ کر سکا۔ ہوا یہ کہ عبداللہ الزاغل اپنی دولت لے کر افریقہ چلا آیا۔ یہاں فیض کے بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس نے نہ صرف الزاغل کی دولت چھین لی،

بلکہ اس کی آنکھیں بھی نکلوا دیں۔ اب الزاغل کو فیض کی سڑکوں پر بھیک مانگنا پڑی تاکہ دو وقت کی روٹی مل سکے۔ الزاغل نے اپنی زندگی کے باقی ۱۲ سال بھیک مانگ کر گزار دیے۔ اس کی پیٹھ پر ایک چادر سی پڑی ہوتی تھی، جس پر عربی زبان میں لکھا ہوتا تھا: "یہ اُندلس کا بدقسمت بادشاہ ہے۔"

طب کے پیشے سے وفاداری

تاج محل بنانے والے مشہور بادشاہ شاہ جہاں کے دربار میں ایک طبیب تھے جن کا نام مکرم خان تھا ۱۶۵۸ء میں جب شاہ جہاں کے بیٹے اورنگ زیب نے بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا اور اپنے باپ کو قید کر دیا تو شاہ جہاں بیمار پڑ گیا۔ اورنگ زیب نے مکرم خان کو بلوایا اور انھیں حکم دیا کہ شاہ جہاں کو دوا کے بہانے زہر دے دیا جائے۔ حکیم مکرم خان نے سوچا کہ طب تو انسانوں کی زندگی بچانے کے لیے ہے میں اسے جان لینے کے لیے کیسے استعمال کروں؟ لیکن حکیم مکرم خان جانتے تھے کہ اگر انھوں نے اورنگ زیب کا حکم نہیں مانا تو ان کی سزا موت ہو گی۔ انھوں نے اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد اس کا یہ حل نکالا کہ زہر شاہ جہاں کو دینے کے بجائے خود پی گئے۔ اس طرح انھوں نے طب کے اخلاقی اصولوں کو توڑنے کے بجائے خود مرنا پسند کیا۔ حکیم مکرم خان کے اس فیصلے کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا

کہ اس کے بعد اورنگ زیب نے شاہ جہان کی جان لینے کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا اور
شاہ جہاں اس کے بعد آٹھ برس تک زندہ رہا۔

ریچھ اور گٹھیا کا علاج

رومانیہ یورپ کا ایک مشہور ملک ہے
اس ملک میں گٹھیا کے درد کا عجیب
طریقے سے علاج کیا جاتا ہے۔
رومانیہ میں یہ بات مشہور ہے کہ
جس کو گٹھیا ہو اُس کے اوپر سے
اگر ایک تربیت یافتہ ریچھ چھے
سات بار اِدھر سے اُدھر گزرے
تو گٹھیا کا درد ہمیشہ کے لیے
ختم ہو جاتا ہے۔

بالیوں سے شادی

ہندستان کے ضلع ہوشنگ آباد میں لودھی نام کا
ایک قبیلہ آباد ہے۔ اس قبیلے کی رسم یہ ہے کہ اگر
کوئی کنوارہ مرد کسی بیوہ عورت سے شادی کرنا
چاہے تو اُسے پہلے اپنا کنوارہ پن ختم کرنا ہوتا ہے۔
وہ اس طرح ہوتا ہے کہ اُسے پہلے اپنے دونوں کانوں
میں بالیاں پہننی پڑتی ہیں۔ اس طرح یہ سمجھا جاتا
ہے کہ اس نے ان بالیوں سے شادی کر لی۔ یہ

بالیاں ایک سال تک اس کے کانوں میں رہتی ہیں۔ ایک سال بعد اُسے اپنی بیوی یعنی
بالیوں کو باقاعدہ طلاق دینی پڑتی ہے۔ اس کے بعد وہ بیوہ عورت سے شادی کر سکتا ہے۔

حمام سے تختِ شاہی تک

مشرقی روم کا بادشاہ کانسٹنس روم سسلی میں رہتا تھا۔ ایک دن وہ اپنے محل میں بنے
ہوئے گرم حمام میں نہا رہا تھا کہ اُسی کے کچھ باغی سرداروں نے اُسے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ
۱۵ جولائی ۶۶۸ء کا ہے۔ اُسے قتل کرنے کے بعد باغی سردار سوچنے لگے کہ اب کسے بادشاہ
بنایا جائے۔ آخر انھوں نے فوج کے سپہ سالار جنرل مسی زی کو بادشاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔
جب جنرل مسی زی نے اُن کی خواہش سُنی تو بادشاہ بننے سے صاف انکار کر دیا۔ سپہ سالار
کے انکار پر باغی سرداروں نے ایک عجیب طریقہ اختیار کیا۔ وہ سب جنرل مسی زی کو پکڑ کر
اسی حمام تک لے آئے جہاں انھوں نے بادشاہ کو قتل کیا تھا۔ اسے گرم پانی کے حوض میں
دھکیل دیا گیا۔ سپہ سالار سے سرداروں نے کہا کہ وہ جب تک بادشاہ بننے کے لیے تیار
نہیں ہو گا جب تک گرم پانی کے اسی حوض میں رہے گا۔ کہتے ہیں کہ سسلی میں بھی کافی
گرمی پڑتی ہے۔ پھر مہینہ بھی جولائی تھا۔ اتنی گرمی میں حمام کا گرم پانی جنرل مسی زی
سے زیادہ دیر تک برداشت نہیں ہو سکا۔ وہ جلد ہی بادشاہ بننے کے لیے راضی ہو گیا۔
باغی سردار اُسے سیدھے حمام سے دربار میں لے آئے اور اُسے بادشاہ بنا دیا لیکن جنرل
میسی زی صرف ایک سال تک حکومت کرنے کے بعد مر گیا۔

صحت مند نونہال

تابندہ سحر انصاری، سکھر

عبید اللہ ضیا، کراچی

نعیم آزاد، گوادر

کاشف حسین، کراچی

محمد علی، کراچی

فرح رضا حبیب عابدی، کراچی

قائم الدین کلوڑ، لسمو رسندھ

جمیل احمد، ڈیرہ اسماعیل خان

محمد ندیم اختر، اسلام آباد

عبداللہ جیلانی قریشی، کراچی

نصراللہ خان جاوید کرنل، جھلوال

طاہر مسعود، کراچی

رفیع اللہ صوابی، ملتان

فرح ناز، کراچی

اس شمارے کے مشکل الفاظ

تسلیم :(ع) تَسْ لِی م : سلام کرنا، سپرد کرنا، آداب۔

کارن :(ھ) کا رَ ن : باعث، خاطر، سبب۔

کائیاں :(ا) کا ئی یا ں : دغاباز، چالاک۔

اوسط :(ع) اَ وْ سَط : بیچ۔

گلشن :(ف) گُل شَن : گلستان، باغ۔

گم کردہ :(ف) گُم کر دَ ہ : کھویا ہوا۔

دوزانو :(ف) دُو زا نُو : گھٹنوں کے بل۔

کوندا :(ھ) کوْ دَ ا : بجلی کی چمک جس میں گرجنے کی آواز نہ ہو۔

آبنوس :(ف) آ بَ نُو ش : ایک قسم کے درخت کا نام جس کی لکڑی کالی اور مضبوط ہوتی ہے۔

قاصد :(ع) قا صِد : ارادہ کرنے والا، پیغام لے جانے والا، نامہ بر۔

اعجاز :(ع) اِع جا ز : معجزہ

مطابقت :(ع) مُطا بِ قَت : موافقت، مشابہت۔

لاریب :(ع) لا رَے ب : یقیناً، بے شک۔

سنگلاخ :(ف) سَنگ لا خ : پتھریلی زمین، مشکل۔

ارزانی :(ف) اَرْ زَ ا نِی : سستائی، بخشش۔

فیض :(ع) فَے ض : فائدہ، نفع، بھلائی۔

آؤبھگت :(ھ) آ ؤ بھ گَت : خاطر تواضع سے پیش آنا۔

متوقع :(ع) مُ تَ وَق قِع : صفت، توقع رکھنے والا۔

بابت :(ف) با بَت : نسبت، بارے میں، معاملے میں

الفت :(ع) اُل فَت : دوستی، محبت۔

منجمد :(ع) مُن جَ مِد : سردی سے جما ہوا، ٹھوس۔

باج گزار :(ف) باج گُ زا ر : خراج یا محصول دینے والا۔

مشاہیر :(ع) مَ شا ہِیر : مشہور کی جمع، مشہور لوگ

پیادہ :(ف) پِیا دَ ہ : پیدل، شطرنج کے ایک مہرے کا نام۔

تابع :(ع) تا بِع : ماتحت، فرماں بردار۔

فتور :(ع) فُ تُو ر : سستی، کم زوری، خرابی۔

محقق :(ع) مُ حَق قِق : تحقیق کرنے والا۔

مورخ :(ع) مُو اَر رِخ : تاریخ لکھنے والا۔

کاوش :(ف) کا وِ ش : کھوج لگانا، تلاش کرنا، دشمنی، رنج۔

ثانی :(ع) ثا نی : دوسرا، مثال، نظیر۔

التجا :(ع) اِل تِ جا : منت سماجت، خوشامد۔

رقم :(ع) رَ قَم : لکھنا، تحریر، روپیہ پیسہ لکھنے کا ہندسہ۔

شرمساری :(ف) شَرم سا رِی : شرمندگی

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ہمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عمدہ عمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گل دستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

جنوری ۸۵ء سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جا رہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہو جائیں تو ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مفید و دل چسپ کتابوں میں سے ایک کتاب جو آپ کو پسند ہو گی بھیج دیں گے۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) چالاک خرگوش کے کارنامے، از معراج (۳) قصہ اژدہا پکڑنے کا، از اسد و دیگر (۴) چند مشہور طبیب اور سائنس دان، از حکیم محمد سعید و دیگر (۵) ابوعلی کا جوتا، از عبدالمجید نظامی (۶) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۷) ننھا سیاح، از محمد زکریا مائل (۸) غذائیں دوائیں، از ادارہ نونہال (۹) سنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۱۰) ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی، از علی اسد (۱۱) کھلونا نگر، از غازی کمال (۱۲) ننھا سراغ رساں، از مسعود احمد برکاتی و دیگر (۱۳) پُراسرار غار، از میرزا ادیب و دیگر

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام تمام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

تالیف

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم

یہ کوپن صرف دسمبر ۸۵ء تک چھپے گا۔

عربی زبان

کے

دس سبق

جنھیں آپ سمجھ کر پڑھیں تو بہت جلد اور
آسانی سے عربی زبان سیکھ سکتے ہیں

تالیف

مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی مرحوم

اور مضبوط ہوتی ہے۔

اصد:(ع) قا صِد : ارادہ کرنے والا، پیغام لے جانے والا، نامہ بر۔

عجاز:(ع) اِ ع جا ز : معجزہ

لابقت:(ع) مُطا بَ قَت : موافقت مشابہت۔

ریب:(ع) لا رَ ے بْ : یقیناً بے شک۔

نگلاخ:(فا) سَنگ لاَ خ : پتھریلی زمین، مشکل۔

رزانی:(ف) اَ رْ زَ ا نی : سستائی، بخشش۔

محقق:(ع) مُ حَقْ قِق : تحقیق کرنے والا۔

مورّخ:(ع) مُو اَ رْ رِ خ : تاریخ لکھنے والا۔

کاوش:(ف) کا وِ شْ : کھوج لگانا، تلاش کرنا، دشمنی، رنج۔

ثانی:(ع) ثا نِیْ : دوسرا، مثال، نظیر۔

التجا:(ع) اِ لْ تِ جا : منّت سماجت، خوشامد۔

رقم:(ع) رَ قَ مْ : لکھنا، تحریر، رُپیہ پیسہ لکھنے کا ہندسہ۔

عربی آسان ہے

عربی قرآن کی زبان ہے۔ ہماری ملّت کی زبان ہے۔ اس میں اسلام کے اصولوں، تاریخ، تہذیب اور روایات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ یہ بہت سے ملکوں کی عوامی اور قومی زبان ہے۔ دنیا کی ایک اہم علمی زبان ہے۔ اس کا سیکھنا ہر لحاظ سے مفید ہے۔ عربی کے متعلق عام تصوّر یہ ہے کہ اس کا سیکھنا مشکل اور طویل کام ہے۔ عربی زبان سکھانے کا پرانا طریقہ بھی ایسا تھا کہ اس کو سیکھنے میں بہت وقت لگتا تھا۔ لیکن بعض اہلِ علم بزرگوں نے غور کے بعد عربی زبان سکھانے کے آسان طریقے اختیار کیے اور اُن پر تجربے کیے۔ جناب مولانا عبد السلام قدوائی ندوی مرحوم بڑے عالم اور تجربے کار استاد تھے۔ مولانا مرحوم نے جامعہ ملّیہ اسلامیہ دہلی میں برسوں تک شعبۂ دینیات کے صدر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ انھوں نے طویل تجربے کے بعد صرف دس سبقوں میں عربی سکھانے کا آسان طریقہ نکالا اور "عربی کے دس سبق" کے نام سے ایک کتابچہ مرتب فرمایا۔ اس طریقے سے ہزاروں لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔ ہم یہ کتابچہ جو عرصے سے نایاب تھا اگلے صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔ ان سے بچے بڑے سب فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور اگر دل چسپی اور توجہ کے ساتھ ان کو پڑھا جائے تو اتنی عربی آسکتی ہے کہ قرآن حکیم کو سمجھ سکیں۔

ان سبقوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری ہے کہ آپ ہر سبق کو سمجھ کر پڑھیں اور اس میں بتائے ہوئے طریقے کو اور الفاظ و معنی کو خوب ذہن نشین کر لیں۔ ایک سبق کو اچھی طرح سمجھے اور یاد کیے بغیر آگے نہ پڑھیں۔ کیوں کہ اس کے بغیر اگلا سبق سمجھ میں نہیں آئے گا اور الفاظ کے معنی یاد نہیں ہوں گے تب بھی فائدہ نہ ہوگا۔ اگر توجہ اور وقت دیا جائے تو روزانہ ایک سبق پڑھا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے تحریری مشق بھی کریں اور جملوں کو بار بار لکھیں۔

مسعود احمد برکاتی

پہلا سبق

مبتدا اور خبر

محمود عالم ہے ، حامد صالح ہے ، خالد فاتح ہے ،

یہ اور اسی قسم کے جملے عربی میں مُبتدا[1] خبر کہلاتے ہیں۔ ان کی عربی بنانا ہو تو پہلے "ہے" نکال دیجیے، پھر دونوں لفظوں کو دو دو پیش دے دیجیے، مثلاً "محمود عالم ہے" اس جملے کی عربی بنانا ہو تو یہ کریں گے :-

محمود عالم ہے	مَحْمُوْدٌ عَالِمٌ
حامد صالح ہے	حَامِدٌ صَالِحٌ
خالد فاتح ہے	خَالِدٌ فَاتِحٌ
محمدؐ رسول ہیں	مُحَمَّدٌ رَسُوْلٌ

اُوپر کے جملے ایسے تھے کہ جن کے الفاظ عربی تھے، لیکن اگر کوئی جملہ ایسا ہو جس کے الفاظ عربی نہ ہوں تو اُردو لفظ کے عربی معنی لکھ کر اُوپر کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق دونوں لفظوں کو پیش دے دیجیے، مثلاً :-

"ناصر دوست ہے" اس میں دوست کی عربی صَدِیْقٌ ہے، لہٰذا اس جملے کی عربی بناتے وقت دوست کے بجائے صَدِیْق، لکھیں گے اور کہیں گے نَاصِرٌ صَدِیْقٌ۔

ان جملوں میں پہلا لفظ خاص[2] نام (PROPER NOUN) تھا، لیکن اگر پہلا لفظ خاص نام نہ ہو بلکہ کوئی عام نام (COMMON NOUN) ہو تو اس کے شروع میں اَلْ لے آیئے مثلاً اوپر کی مثال میں محمود کے بجائے "مرد عالم ہے" ہوتا تو کہتے اَلرَّجُلُ عَالِمٌ۔

---

[1] جس کے متعلق کوئی بات کہی جاتی ہے اُسے مبتدا کہتے ہیں۔ یہ شروع میں لایا جاتا ہے۔ خبر اس بات کو کہتے ہیں جو مبتدا (پہلے والے لفظ) سے متعلق کہی جاتی ہے، مثلاً محمود عالم ہے، اس میں محمود کے متعلق یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ عالم ہے، اس لیے محمود مبتدا ہوا اور عالم اس کی خبر۔

[2] خاص نام کو معرفہ اور عام نام کو نکرہ کہتے ہیں۔

اس موقع پر خاص طور سے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اَلْ لگانے کے بعد دو پیش کے بجائے ایک ہی پیش رہ جائے گا، جیسے اوپر کی مثال میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ الف لام (ال) کی وجہ سے رَجُلٌ کے بجائے اَلرَّجُلُ ہوگیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ " ا۔ل " کا استعمال کہاں ہوگا؟ اس بارے میں انگریزی داں حضرات سے تو صرف اس قدر کہنا ہے کہ " ا۔ل " اکثر THE کے بجائے استعمال ہوتا ہے، البتہ جو لوگ انگریزی نہیں جانتے ان کے لیے ذرا مشکل ہے۔ سادہ طریقے سے وہ یہ سمجھیں کہ کسی لفظ میں خصوصیت پیدا کرنے کے لیے " ا۔ل " لگایا جاتا ہے، مثلاً رَجُلٌ کے معنی ہیں ایک آدمی، کوئی آدمی۔ لیکن اَلرَّجُلُ کے معنی ہیں کوئی خاص آدمی۔ کبھی پوری قسم مراد لینے کے لیے " اَلْ " لایا جاتا ہے، مثلاً اَلْاِنْسَانُ سے مراد ہے نوعِ انسان، تمام انسان (MANKIND) ۔ اَلْحَمْدُ کے معنی ہیں ہر قسم کی تعریف۔

اچھا اب حسب ذیل جملوں کا عربی میں ترجمہ کیجیے :۔

(۱) حامد باپ ہے (۲) محمود بیٹا ہے (۳) خالد چچا ہے (۴) زید ماموں ہے۔
(۵) بکر بھائی ہے (۶) سعید دادا ہے (۷) حمید پوتا ہے (۸) حسیب نواسا ہے۔
(۹) مرد طاقت ور ہے (۱۰) بچہ کم زور ہے (۱۱) برف ٹھنڈا ہے (۱۲) پانی شیریں ہے۔
(۱۳) بیٹا عقل مند ہے (۱۴) بھائی عبادت گزار ہے (۱۵) باپ نیک ہے۔

اس موقع پر ایک یہ بات اور قابلِ ذکر ہے کہ اگر مبتدا یعنی پہلا لفظ مؤنث ہو تو خبر یعنی بعد والا لفظ بھی مؤنث ہوگا، اس لیے آخر میں مونث کی علامت ۃ لگا دینا چاہیے، مثلاً "مرد نیک ہے" اس کی عربی اَلرَّجُلُ صَالِحٌ ہے۔ اب اگر مرد کے بجائے عورت ہو تو کہیں گے اَلْمَرْأَۃُ صَالِحَۃٌ۔ "بیٹی عالم ہے" کا ترجمہ ہوگا، اَلْبِنْتُ عَالِمَۃٌ

اچھا اب اسی اصول پر چند جملوں کی عربی بنائیے :۔

(۱) ماں نیک ہے (۲) بیٹی عبادت گزار ہے (۳) خالہ ذہین ہے (۴) پھوپھی عقل مند ہے
(۵) بہن خوب صورت ہے (۶) دادی شکر گزار ہے (۷) مُرغی چھوٹی ہے (۸) بکری موٹی ہے
(۹) پھوپھی نیک ہے (۱۰) لونڈی عقل مند ہے (۱۱) دادی نیک ہے (۱۲) خالہ عبادت گزار ہے

اُردو میں ترجمہ کیجیے :۔

(۱) اَللّٰهُ رَبٌّ (۲) مُحَمَّدٌ نَبِيٌّ (۳) اَلرَّسُوْلُ صَادِقٌ (۴) اَلصِّرَاطُ مُسْتَقِيْمٌ
(۵) اَلْاِسْلَامُ دِيْنٌ (۶) اَلْاِنْسَانُ عَبْدٌ (۷) خَالِدٌ قَائِمٌ (۸) اَلْاَخُ كَرِيْمٌ
(۹) اَلسَّاعَةُ آتِيَةٌ (۱۰) عَامِرٌ مُجَاهِدٌ (۱۱) طَارِقٌ شُجَاعٌ (۱۲) اَلْبِنْتُ مُؤَدَّبَةٌ
(۱۳) اَلْخَالُ عَاقِلٌ وَالْعَمُّ ذَكِيٌّ (۱۴) اَلْحَفِيْدُ مُؤَدَّبٌ وَالْجَدُّ رَحِيْمٌ
(۱۵) اَلْاَمَةُ ذَاهِبَةٌ وَالشَّاةُ آتِيَةٌ۔

الفاظ کے معنی

باپ - اَب جمع آبَاء — نیک - صَالِح جمع صُلَحَاء — صِرَاط - راستہ
بیٹا - اِبْن جمع اَبْنَاء — بیٹی - بِنْت جمع بَنَات — مُسْتَقِیْم - سیدھا
چچا - عَمّ جمع اَعْمَام — عبادت گزار - عَابِد جمع عُبَّاد — صَلوٰۃ - نماز
ماموں - خَال جمع اَخْوَال — خالہ - خَالَۃ جمع خَالَات — قَائِمَۃ - کھڑی ہونے والی
بھائی - اَخ جمع اِخْوَان، اِخْوَۃ — مرغی - دَجَاجَۃ جمع دُجُج — عَبْد - بندہ، غلام جمع عِبَاد
دادا - جَدّ جمع اَجْدَاد — بکری - شَاۃ جمع شِیَاہ
پوتا - حَفِیْد جمع احفاد، حَفَدَۃ — ذہین - ذَکِیّ جمع اَذْکِیَاء — شُجَاع - بہادر جمع شُجْعَان
نواسا - سِبْط جمع اَسْبَاط — پھوپھی - عَمَّۃ جمع عَمَّات
مرد - رَجُل جمع رِجَال — عقل مند - عَاقِل جمع عُقَلَاء — قَائِد - سپہ سالار جمع قُوَّاد، قَادَۃ
طاقت ور - قَوِیّ جمع اَقْوِیَاء — خوب صورت - جَمِیْل
بچہ - طِفْل جمع اَطْفَال — بہن - اُخْت جمع اَخَوَات — اَلسَّاعَۃ - قیامت
برف - ثَلْج — دادی - جَدَّۃ جمع جَدَّات — آتِیَۃ - آنے والی
ٹھنڈا - بَارِد — شکرگزار - شَاکِر — مُؤَدَّبَۃ - باادب
پانی - مَاء جمع مِیَاہ — لونڈی - اَمَۃ جمع اِمَاء — ذَاهِبَۃ - جانے والی
شیریں - عَذْب — لونڈی - جَارِیَۃ جمع جَوَارِی — چھوٹی - صَغِیْرَۃ
ماں - اُمّ جمع اُمَّہَات — صَادِق - سچا — موٹی - سَمِیْنَۃ

دوسرا سبق

مُضاف و مضاف الیہ

رسول کا حکم، محمود کا قلم، حامد کا نوکر، خالد کی کتاب، حمید کا گھر، یہ سب مضاف[1] و مضاف الیہ کہلاتے ہیں۔ ان کی عربی بنانا ہو تو پہلے کا یا کی کو نکال دیجیے، پھر اُردو کی ترتیب بدل دیجیے یعنی اُردو میں جو لفظ پہلے آیا ہے اُسے بعد میں لکھیے اور بعد والے لفظ کو پہلے لکھیے، مثلاً اوپر کی مثال میں "محمود کا قلم" کی عربی بنانا ہو تو "کا" نکال دیا جائے گا، پھر اُردو کی ترتیب اُلٹ دی جائے گی، یعنی پہلے قلم لکھا جائے گا، پھر محمود۔ اس کے بعد قلم کی میم پر ایک پیش اور محمود کی دال پر دو زیر لگا دیں گے اور یوں کہیں گے : قَلَمُ مَحْمُوْدٍ۔

اسی طرح "خالد کی کتاب" کی عربی کِتَابُ خَالِدٍ، سونے (ذَهَبٌ) کی انگوٹھی (خَاتَمٌ) کی عربی خَاتَمُ ذَهَبٍ ہوگی۔

"ا۔ل" کا ذکر پہلے سبق میں ہو چکا ہے۔ یہاں بھی "ا۔ل" کے آنے سے دو زیر کے بجائے صرف ایک زیر رہ جائے گا، مثلاً خَاتَمُ ذَهَبٍ میں ذَهَبٌ پر "ا۔ل" آجائے تو خَاتَمُ الذَّهَبِ ہو جائے گا۔ البتہ اس موقع پر اتنی بات خاص طور سے یاد رکھنا چاہیے کہ پہلے لفظ یعنی مُضاف پر "ا۔ل" کبھی نہیں آسکتا، مثلاً اوپر کی مثال میں خَاتَمُ الذَّهَبِ کے پہلے لفظ خاتم پر "ا۔ل" کبھی نہیں آسکتا ہے۔

عربی میں ترجمہ کیجیے :۔

(۱) مکان کی دیوار (۲) دروازے کا پٹ (۳) مٹی کا گھڑا (۴) کمرے کی کھڑکی (۵) میز کی لکڑی (۶) گھر کی چھت (۷) کوٹھے کی خاک (۸) لوہے کی الماری (۹) حمید کی چارپائی (۱۰) تخت کے پائے (۱۱) چولھے کی آگ (۱۲) اینٹ کا فرش (۱۳) سورج کی گرمی (۱۴) پیتل کا لوٹا (۱۵) تانبے کی دیگچی (۱۶) شیشے کی بوتل (۱۷) کاپی کا کاغذ (۱۸) اُون کی ٹوپی (۱۹) بندوق کی گولی

[1] مضاف جس کی نسبت کی جائے، مضاف الیہ جس کی طرف نسبت کی جائے، مثلاً "محمود کا قلم" میں قلم محمود کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے اس لیے قلم مضاف ہے اور محمود مضاف الیہ۔

(۲۰) اُون کا موزہ (۲۱) الماری کا شیشہ قیمتی ہے، (۲۲) مٹی کا گھر سستا ہے (۲۳) مکان کی دیوار ہے (۲۴) گھر کی چھت اونچی ہے (۲۵) تانبے کا لوٹا قیمتی ہے۔

اُردو میں ترجمہ کیجیے :

(۱) يَوْمُ الدِّيْنِ (۲) رَبُّ الْاِنْسَانِ (۳) اِقَامَةُ الصَّلٰوةِ (۴) اِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ (۵) اِنْفَاقُ الْمَالِ (۶) لِقَاءُ الصَّدِيْقِ (۷) سُفَهَاءُ الْبَلَدِ (۸) طُغْيَانُ النَّاسِ۔ (۹) اِشْتِقَادُ النَّارِ (۱۰) ضَوْءُ السِّرَاجِ (۱۱) طَرِيْقُ الْمَدِيْنَةِ (۱۲) ظُلْمَةُ اللَّيْلِ (۱۳) صَوْتُ الرَّعْدِ (۱۴) لَمَعَانُ الْبَرْقِ (۱۵) اَصَابِعُ الرَّجُلِ (۱۶) رِحْلَةُ الشِّتَاءِ الصَّيْفِ (۱۷) مَاءُ الثَّلْجِ بَارِدٌ (۱۸) خَشَبُ الْبَابِ ثَمِيْنٌ (۱۹) وَرَقُ الْقِرْطَاسِ رَخِيْصٌ (۲۰) اِبْرِيْقُ الصُّفْرِ ثَمِيْنٌ (۲۱) اِبْنُ الرَّجُلِ عَاقِلٌ۔

الفاظ کے معنی

مکان۔ دَار، جمع دِيَار، دُوْر
دیوار۔ جِدَار جمع جُدُر، جُدْرَان
دروازہ۔ بَاب جمع اَبْوَاب
پٹ۔ مِصْرَاع جمع مَصَارِيْع
مٹی۔ طِيْن۔
گھڑا۔ جَرَّة جمع جِرَار
کمرہ۔ حُجْرَة جمع حُجُرَات
کھڑکی۔ شُبَّاك جمع شَبَابِيْك
میز۔ مِنْضَدَة جمع مَنَاضِد
لکڑی۔ خَشَب جمع خُشُب
چھت۔ سَقْف جمع سُقُوْف
گھر۔ بَيْت جمع بُيُوْت
کوٹھا۔ سَطْح جمع سُطُوْح
خاک۔ تُرَاب جمع اَتْرِبَة

لوہا۔ حَدِيْد
الماری۔ رَفّ جمع رُفُوْف
چارپائی۔ سَرِيْر جمع اَسِرَّة
تخت۔ عَرْش جمع عُرُوْش
پایہ۔ قَائِمَة جمع قَوَائِم
چولھا۔ مَوْقِد جمع مَوَاقِد
آگ۔ نَار جمع نِيْرَان
کچی اینٹ۔ لَبِنَة جمع لَبِن
پکی اینٹ۔ آجُرَّة جمع آجُرّ
پیتل۔ صُفْر
تانبا۔ نُحَاس
لوٹا۔ اِبْرِيْق جمع اَبَارِيْق
دیگچی۔ قِدْر جمع قُدُوْر
سورج۔ شَمْس جمع شُمُوْس

گرمی۔ حَرّ
شیشہ۔ زُجَاج
بوتل۔ قِنِّيْنَة جمع قَنَانِيّ
کاپی۔ كُرَّاسَة جمع كَرَارِيْس
کاغذ۔ قِرْطَاس جمع قَرَاطِيْس
ٹوپی۔ قَلَنْسُوَة جمع قَلَانِس
بندوق۔ بُنْدُقِيَّة جمع بَنَادِق
گولی۔ رَصَاصَة جمع رَصَاص
موزہ۔ جَوْرَب جمع جَوَارِب
اُون۔ صُوْف جمع اَصْوَاف
سستا۔ رَخِيْص
قیمتی۔ ثَمِيْن
اُونچی۔ رَفِيْع
لمبی۔ طَوِيْل

دِیْن ۔ بدلا
رَیْب ۔ شک
اِقَامَة ۔ قائم کرنا
صَلوٰة ۔ نماز، جمع صَلَوَات
اِیْتَاء ۔ دینا
اِنْفَاق ۔ خرچ کرنا
لِقَاء ۔ ملنا
صَدِیْق ۔ دوست، جمع اَصْدِقَاء
سَفِیْه ۔ بیوقوف جمع سُفَهَاء
بَلَد ۔ شہر، جمع بِلَاد، بُلْدَان

طُغْیَان ۔ سرکشی
اَلنَّاس ۔ لوگ
اِسْتِیْقَاد ۔ جلانا
ضَوْء ۔ روشنی جمع اَضْوَاء
سِرَاج ۔ چراغ جمع سُرُج
حَوْل ۔ اردگرد
مَدِیْنَة ۔ شہر، جمع مُدُن
ظُلْمَة ۔ تاریکی جمع ظُلُمَات
لَیْل ۔ رات جمع لَیَالِی
صَوْت ۔ آواز، جمع اَصْوَات

رَعْد ۔ گرج
لَمْعَان ۔ چمک
بَرْق ۔ بجلی، جمع بُرُوْق
اِصْبَع ۔ انگلی جمع اَصَابِع
رِجْل ۔ پیر جمع اَرْجُل
مُجَاهِد ۔ جہاد کرنے والا
رِحْلَة ۔ کوچ، سفر
شِتَاء ۔ جاڑا ۔
صَیْف ۔ گرمی
طَرِیْق ۔ راستہ

تیسرا سبق

ماضی

فَعَلَ ۔ اُس ایک مرد نے کیا
فَعَلَا ۔ اُن دو مردوں نے کیا
فَعَلُوْا ۔ اُن سب مردوں نے کیا
فَعَلَتْ ۔ اُس ایک عورت نے کیا
فَعَلَتَا ۔ اُن دو عورتوں نے کیا
فَعَلْنَ ۔ اُن سب عورتوں نے کیا
فَعَلْتَ ۔ تو ایک مرد نے کیا ۔

فَعَلْتُمَا ۔ تم دو مردوں یا دو عورتوں نے کیا ۔
فَعَلْتُمْ ۔ تم سب مردوں نے کیا ۔
فَعَلْتِ ۔ تو ایک عورت نے کیا ۔
فَعَلْتُنَّ ۔ تم سب عورتوں نے کیا ۔
فَعَلْتُ ۔ میں نے کیا ۔
فَعَلْنَا ۔ ہم نے کیا ۔

اوپر کے الفاظ (صیغوں) کو مع معانی یاد کیجیے اور حسب ذیل عربی صیغوں کی اُردو اور اُردو کی عربی بنائیے :۔

(۱) نَصَرُوْا (۲) فَتَحَتْ (۳) ضَرَبْتُمْ (۴) دَخَلْتُ (۵) وَضَعَ (۶) صَنَعَتْ

(۷) ذَهَبَتَا (۸) وَجَدْتُنَّ (۹) ذَهَبْتُمَا (۱۰) كَتَبْنَا (۱۱) قَرَءَتْ (۱۲) طَبَخَا ۔
(۱۳) اَكَلْنَ (۱۴) وَصَلْتَ (۱۵) هَرَبُوْا (۱۶) رَجَعْتُمْ ۔

عربی بنائیے :۔
۱۔ میں نے لکھا ۔
۳۔ تو ایک مرد نے پایا ۔
۵۔ اُن سب عورتوں نے کاٹا ۔
۷۔ تم سب مردوں نے مانگا ۔
۹۔ اُن دو عورتوں نے بنایا ۔
۱۱۔ تم دو مردوں نے کھایا ۔
۱۳۔ تم سب عورتوں نے بنایا ۔
۱۵۔ تو ایک مرد گیا ۔

۲۔ اُن سب مردوں نے پڑھا ۔
۴۔ تم سب عورتوں نے پکایا ۔
۶۔ ہم نے بھرا ۔
۸۔ اُن دو مردوں نے پوچھا ۔
۱۰۔ تو ایک عورت نے لیا ۔
۱۲۔ اُس ایک عورت نے کاٹا ۔
۱۴۔ وہ سب عورتیں بھاگیں ۔
۱۶۔ تم سب مردوں نے پایا ۔

الفاظ کے معنی

نَصَرَ ۔ مدد دینا	ذَبَحَ ۔ ذبح کرنا	قَرَءَ ۔ پڑھنا	بھرنا ۔ مَلَأَ
كَتَبَ ۔ لکھنا	طَبَخَ ۔ پکانا	ضَرَبَ ۔ مارنا	مانگنا ۔ طَلَبَ
ذَهَبَ ۔ جانا	دَخَلَ ۔ داخل ہونا	اَكَلَ ۔ کھانا	لینا ۔ اَخَذَ
وَضَعَ ۔ رکھنا	وَصَلَ ۔ ملنا، پہنچنا	بنانا ۔ جَعَلَ	کاٹنا ۔ قَطَعَ
هَرَبَ ۔ بھاگنا	صَنَعَ ۔ بنانا	پوچھنا ۔ سَأَلَ	
فَتَحَ ۔ کھولنا	رَجَعَ ۔ لوٹنا	پانا ۔ وَجَدَ	

نوٹ : سیکھنے والوں کی آسانی کے لیے مصدر ماضی کی طرح لکھے گئے ہیں، تاکہ آغاز میں کوئی اُلجھن نہ ہو ۔

چوتھا سبق

عربی میں پہلے فعل[1] (VERB) پھر فاعل (SUBJECT) پھر مفعول (OBJECT) آتا

[1] فعل کام کرنے کو کہتے ہیں ۔ فاعل کام کرنے والا کہلاتا ہے ۔ جس پر فعل کا اثر پڑے اسے مفعول (باقی اگلے صفحے پر)

ہے۔ فاعل کو پیش اور مفعول کو زبر دیا جاتا ہے، مثلاً "حامد نے محمود کو مدد دی"۔ یہ ایک جملہ
ہے۔ اس میں "مدد دی" فعل "حامد" فاعل اور "محمود" مفعول ہے۔ اس کا عربی میں ترجمہ کرنا ہو تو
پہلے "مدد دی" کا ترجمہ نَصَرَ لکھیں گے، پھر فاعل یعنی "حامد" کو لکھیں گے اور اس پر دو
پیش دیں گے، یعنی حَامِدٌ، پھر مفعول یعنی "محمود" کو لکھیں گے اور اسے دو زبر دیں گے یعنی
مَحْمُوْدًا، پورا جملہ یوں ہوا :

حامد نے محمود کو مدد دی : نَصَرَ حَامِدٌ مَحْمُوْدًا

ایک اور جملہ لیجیے : نوکر (خَادِمٌ) نے دروازہ (بَابٌ) کھولا (فَتَحَ) اسے بھی اسی
ترتیب (فعل، فاعل، مفعول) سے لکھ کر فاعل کو پیش اور مفعول کو زبر دیں گے، اور یوں کہیں
گے : فَتَحَ خَادِمٌ بَابًا۔ "نوکر نے دروازہ کھولا"۔

اگر "ا-ل" ہو تو تنوین دُور کردی جائے گی یعنی دو پیش کے بجائے صرف ایک پیش اور دو
زبر کے بجائے ایک ہی زبر رہ جائے گا اور یوں کہا جائے گا : "نوکر نے دروازہ کھولا"۔ فَتَحَ
اَلْخَادِمُ اَلْبَابَ۔

عربی میں ترجمہ کیجیے :-

(۱) حمید نے کتاب پڑھی (۲) نصیر نے محمود کو روکا۔ (۳) خالد نے خط لکھا (۴) طارق
نے دشمن کو شکست دی (۵) عورت نے آٹا گوندھا (۶) لڑکی نے گوشت پکایا۔ (۷) مزدور نے
گیہوں پیسے (۸) ماموں نے روٹی کھائی (۹) بکری نے بچے کو سینگ مارا (۱۰) مُرغی نے
چاول کھائے (۱۱) میں نے کتے کو مارا (۱۲) تم نے اللہ کو (کی) عبادت کی (۱۳) اُن سب
عورتوں نے گلاس توڑا (۱۴) تو ایک عورت نے کپڑا پھاڑا (۱۵) حمید کے دوست نے خالد

(پچھلے صفحے کا حاشیہ) کہتے ہیں۔ مثلاً "حامد نے محمود کو مارا"۔ اس میں مارنے کا کام کیا گیا ہے، اس لیے "مارا" فعل
ہوا، مارنے والا "حامد" ہے اس لیے فاعل کہلائے گا، اور محمود کو مارا گیا، اس لیے "محمود" "مفعول ہوا"

لہ۔ کسی لفظ کے آخری حرف پر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش لگانے سے نون کی جو آواز پیدا ہوتی ہے
اُسے تنوین کہتے ہیں، دو زبر لگانے کے ساتھ لفظ کے آخری حرف کے بعد الف بھی بڑھاتے
ہیں جیسے "باب" پر دو زبر لگانے ہوں تو یہ "بابًا" ہو جائے گا البتہ جن لفظوں کے آخر میں گول
ۃ ہوتی ہے وہاں الف نہیں بڑھاتے، جیسے "تحفۃٌ"۔

بیٹے کو مدد دی (۱۶) لڑکی کی ماں نے شیشہ کا گلاس توڑا (۱۷) لونڈی نے گیہوں
کا آٹا گوندھا۔

اردو میں ترجمہ کیجیے :

(۱) جَعَلَ اللّٰہُ مُحَمَّدًا رَسُوْلًا وَ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۲) جَعَلَ السَّمَآءَ بِنَاءً وَّ
الْاَرْضَ فِرَاشًا (۳) خَدَعَ الشَّیْطٰنُ الْاِنْسَانَ (۴) مَا رَبِحَتْ تِجَارَةٌ (۵)
سَمِعَتِ الْاٰذَانُ وَرَاَتِ الْعُیُوْنُ وَعَقَلَتِ الْقُلُوْبُ (۶) نَقَضَ الْفَاسِقُ عَهْدَ
اللّٰہِ وَ سَمِعَ الْمُسْلِمُ كَلَامَ اللّٰہِ (۷) ضَرَبَ رَجُلٌ مَثَلًا (۸) اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ
اللّٰہِ وَ مَا كَفَرُوْا (۹) فَرَقْنَا الْبَحْرَ وَ اَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ (۱۰) حَلَبْنَ الشَّاةَ
حَلَبْتُنَّ الْبَقَرَةَ (۱۱) ذَبَحْتُمُ الدِّیْكَ وَطَبَخَتِ اللَّحْمَ (۱۲) اَنْزَلَ
اللّٰہُ الْمَطَرَ وَ اَنْبَتَ النَّبَاتَ وَ الْاَثْمَارَ۔

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ "فَعَلَ کے معنی ہیں "اس ایک مرد نے کیا"۔ یہ فعل معروف
(ACTIVE VOICE) کہلاتا ہے۔ اب اگر فَعَلَ کے ف کو پیش اور عین کو زیر کر دیا
جائے تو فُعِلَ ہو جائے گا۔ یہ فعل مجہول (PASSIVE VOICE) کہلائے گا اور اُس کے
معنی ہو جائیں گے" وہ کیا گیا"۔ اسی طرح فُعِلَا۔ فُعِلُوْا۔ فُعِلَتْ تمام صیغوں کو سمجھ لیجیے۔

اچھا چند الفاظ کے معنی بتائیے :

(۱) ضُرِبُوْا (۲) نُصِرْتُ (۳) ذُبِحَتْ (۴) ظُلِمْتُ (۵) قُطِعَ (۶) نُظِرْتَ
(۷) مُنِعُوْا (۸) خُلِقْتُمْ (۹) خُلِقْنَا (۱۰) حُبِسْتُمَا (۱۱) وُجِدْتَا (۱۲) سُئِلْتُنَّ۔

الفاظ کے معنی

روکنا۔ مَنَعَ	گوشت۔ لَحْمٌ جمع لُحُوْم	بکری۔ شَاةٌ جمع شِیَاه
خط۔ کِتَاب	مزدور۔ اَجِیْرٌ جمع اُجَرَاء	سینگ مارنا۔ نَطْحٌ
دشمن۔ عَدُوٌّ جمع اَعْدَاء	گیہوں۔ قَمْحٌ، حِنْطَةٌ، بُرٌّ	مرغی۔ دَجَاجَةٌ جمع دَجَاج، دُجُج
شکست۔ هَزْم	پیسنا۔ طَحْن	چاول۔ اَرُزٌّ
آٹا۔ دَقِیْق	لڑکا۔ وَلَدٌ جمع اَوْلَاد	مُرغ۔ دِیْكٌ، جمع دُیُوْك
گوندھنا۔ عَجْن	روٹی۔ خُبْزٌ	

کتا - کَلْب جمع کِلَاب	سَمْع - سُننا	ضَرْب - بیان کرنا
عبادت کرنا - عَبْد	وَ - اور	فَرْق - پھاڑنا، جُدا کرنا
گلاس - کَاْس جمع کُؤُوس، کَاسَات	اُذُن - کان، جمع آذان	بَحْر - دریا، جمع بِحار
توڑنا - کَسْر	حَبْس - قید کرنا	بَقَرَة - گائے جمع بَقَرَات
پھاڑنا - خَرْق	رُؤْيَة - دیکھنا	حَلْب - دوہنا
کپڑا - ثَوْب، جمع اَثْوَاب، ثِیَاب	اِغْرَاق - ڈبونا	مَطَر - بارش جمع اَمْطَار
دوست - صَدِیْق جمع اَصْدِقَاء	عَیْن - آنکھ، جمع عُیُوْن	ثَمَر - پھل جمع اَثْمَار
جَعْل - بنانا	عَقْل - سمجھنا	نَبَات - سبزی
سَمَاء - آسمان جمع سَمٰوات	ذِکْر - یاد کرنا	خَلْق - پیدا کرنا
بِنَاء - عمارت، چھت	قَلْب - دل جمع قُلُوْب	نَفْس - جان جمع اَنْفُس، نُفُوْس
فِرَاش - بچھونا	نَظَر - دیکھنا	اِنْزَال - اُتارنا
خَدْع - دھوکا دینا	نَقْض - توڑنا	اَنْبَتَ - اِنْبَات - اُگانا
رِبْح - فائدہ دینا	فَاسِق - نافرمان	
خَادِع - دھوکے باز	اَلْ - بیرد	

پانچواں سبق

حرفِ جَر

فِیْ : میں - مِنْ : سے - عَلٰی : پر - کَ : مثل، مانند - عَنْ : سے، متعلق -
بِ : ساتھ - لِ : لیے - اِلٰی : طرف، تک - حَتّٰی : یہاں تک کہ - وَ : قسم

یہ حروف عربی میں صلہ (PREPOSITION) کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ یہ جس لفظ کے پہلے آتے ہیں اُس کے آخری حرف کو زیر کر دیتے ہیں، مثلاً: مِنْ خَالِدٍ اِلٰی زَیْدٍ - مِنَ الْبَیْتِ اِلَی الْمَسْجِدِ - جَلَسَ زَیْدٌ عَلَی السَّطْحِ - (زید کوٹھے پر بیٹھا)

عربی میں ترجمہ کیجیے!

(۱) زید گاؤں سے شہر تک گیا۔ (۲) محمود نے شیر کو تلوار سے قتل کیا۔ (۳) میں نے کپڑا قینچی سے کاٹا (۴) اس ایک عورت نے پیالے میں دودھ دوہا (۵) تم سب مردوں نے قمیض اور پاجامہ صندوق میں رکھا (۶) تو نے پنسل سے کارڈ پر لکھا (۷) ان سب عورتوں نے مکھن، گھی اور بالائی کے ساتھ بسکٹ کھایا (۸) اللہ کی قسم (۹) اُستاد نے طلبہ سے سبق کے متعلق دریافت کیا (۱۰) اللہ نے رات سونے کے لیے بنائی اور دن کام کے لیے (۱۱) بھینس کا دودھ گائے کے دودھ سے سفید ہے (۱۲) زاہد کے نزدیک سونا اور چاندی مثل پتھر کے ہے (۱۳) میں نے چاند اور ستارے کی طرف دیکھا (۱۴) اُن سب مردوں نے قفل کو کنجی سے کھولا (۱۵) ہم باغ کی طرف گئے اور گھاس پر بیٹھ گئے۔

اُردو میں ترجمہ کیجیے :

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (۲) فِی الْقُرْاٰنِ هُدًی لِّلنَّاسِ (۳) اَلسَّحَابُ مُسَخَّرٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (۴) اَلسَّبْتُ لِلْیَهُوْدِ وَالْاَحَدُ لِلنَّصَارٰی (۵) قَرَءْتُ جُزْءً مِنَ الْقُرْاٰنِ فِیْ یَوْمِ الْخَمِیْسِ وَالْجُمُعَةِ (۶) لِلْمُسْلِمِ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةٌ (۷) اٰمَنْتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ (۸) وَقَعَ الذُّبَابُ فِی الطَّعَامِ (۹) اُنْزِلَتِ الْاٰیَاتُ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ (۱۰) کُتِبَتِ الصَّلٰوةُ عَلَی الْمُسْلِمِ (۱۱) فَتَحُوْا بَابَ الْحُجْرَةِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَجَلَسُوْا عَلَی السَّرِیْرِ یَوْمَ الثُّلَاثَاءِ (۱۲) کَسَرْتُنَّ قِنِّیْنَةَ الزُّجَاجِ بِالْاُجْرَةِ یَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ۔

الفاظ کے معنی

گاؤں - قَرْیَة جمع قُرًی	پیالہ - قَصْعَة جمع قِصَعٌ، قَصَعَات	کارڈ - بِطَاقَة جمع بِطَاقَات
شہر - مَدِیْنَة جمع مُدُن	پتھر - حَجَر جمع حِجَارَة	مکھن - زُبْدَة
شیر - اَسَد جمع اُسُد	دوہنا - حَلْب	گھی - سَمْن
دودھ - لَبَن جمع اَلْبَان	پاجامہ - سِرْوَال جمع سَرَاوِیْل	بالائی - قِشْطَة
تلوار - سَیْف جمع سُیُوْف	پنسل - مِرْسَم جمع مَرَاسِم	بسکٹ - کَعْکَة جمع کَعْک
قینچی - مِقْرَاض جمع مَقَارِیْض		اُستاد - اُسْتَاذ جمع اَسَاتِذَة

طالب علم - تِلْمِیْذ جمع تَلَامِذَہ
سبق - دَرْس جمع - دُرُوْس
دن - نَہَار
سفید - اَبْیَض
کام - عَمَل جمع اَعْمَال
بھینس - جَامُوْس جمع جَوَامِیْس
سونا - ذَہَب
چاندی - فِضَّۃ
چاند - قَمَر جمع اَقْمَار،
ستارہ - نَجْم جمع نُجُوْم،

کنجی - مِفْتَاح جمع مَفَاتِیْح
باغ - بُسْتَان جمع بَسَاتِیْن
گھاس - عُشْب جمع اَعْشَاب
بَیْن - درمیان
سَبْت - سنیچر
سَحَاب - بادل، جمع سُحُب
مُسَخَّر - قابو میں کیا ہوا
جُزْء - پارہ، جمع اَجْزَاء
مَا - وہ چیز، جو، کیا، نہیں
اِنْزَال - اُتارنا

صَیِّب - زور کی بارش
ذُبَاب - مکھی
وَقَع - پڑنا
نَوْم - سونا (نیند)
یَوْمُ الْاَحَد - اتوار
یَوْمُ الْاِثْنَیْن - پیر
یَوْمُ الثُّلَاثَاء - منگل
یَوْمُ الْاَرْبَعَاء - بدھ
یَوْمُ الْخَمِیْس - جمعرات

نوٹ: اُوپر دس حروف جرّ کا ذکر ہوا - یہ عربی زبان میں بہت کثرت سے استعمال ہوتے ہیں - اِن کے علاوہ سات حروف جرّ اور بھی ہیں، جن کا استعمال بہت کم ہوتا ہے، لیکن اس خیال سے کہ کبھی کبھی وہ بھی نظر سے گزریں گے، اُن کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے - وہ حسب ذیل ہیں:

تَ: (قسم) اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص ہے۔
مُذْ اور مُنْذُ: زمانہ کے ساتھ ان کا استعمال ہوگا، مَاذَہَبْتُ اِلَی الْمَدْرَسَۃِ مُنْذُ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ (میں جمعہ سے مدرسہ نہیں گیا)
رُبَّ: کتنے ہی، رُبَّ رَجُلٍ نَصَرْتُہٗ (کتنے ہی لوگوں کی میں نے مدد کی) رُبَّ کے بعد اسم ہمیشہ واحد استعمال ہوگا۔
خَلَا: (علاوہ) ضَرَبْتُ الْاَطْفَالَ خَلَا زَیْدٍ (میں نے زید کے علاوہ تمام لڑکوں کو مارا)
حَاشَا: (علاوہ) مَنَعْتُ الرِّجَالَ حَاشَا عَمْرٍو (میں نے عمرو کے علاوہ تمام مردوں کو روک دیا)
عَدَا: (علاوہ) جَاءَ الْقَوْمُ عَدَا خَالِدٍ (خالد کے سوا پوری قوم آئی)
نوٹ: اس کتاب میں اُن اُردو الفاظ کے معنی نہیں لکھے گئے ہیں جو عربی ہیں، مثلاً صُنْدُوْق، قَمِیْص، قُفْل، ایسے عربی الفاظ کے بھی اردو معانی نہیں لکھے گئے ہیں جو اُردو میں بھی ان ہی معنوں میں آتے ہیں۔

چھٹا سبق

ضمیریں

ہٗ - اُس ایک مرد کا، اس ایک مرد کو۔
ھُمَا - اُن دو مردوں یا دو عورتوں کا، اُن دو مردوں یا دو عورتوں کو۔
ھُمْ - اُن سب مردوں کا، اُن سب مردوں کو۔
ھَا - اُس ایک عورت کا، اس ایک عورت کو۔
ھُنَّ - اُن سب عورتوں کا، اُن سب عورتوں کو۔
کَ - تو ایک مرد کا (تیرا)، تو ایک مرد کو (تجھے)۔
کُمَا - تم دو مردوں یا دو عورتوں کا، تم دو مردوں یا تم دو عورتوں کو۔
کُمْ - تم سب مردوں کا (تمھارا)، تم سب مردوں کو (تمھیں)۔
کِ - تو ایک عورت کا (تیرا)، تو ایک عورت کو (تجھے)۔
کُنَّ - تم سب عورتوں کا (تمھارا)، تم سب عورتوں کو (تمھیں)۔
ی - میرا۔
نِیْ - مجھے۔
نَا - ہمارا، ہم کو۔

ان ضمیروں (PRONOUNS) کو مع معانی اچھی طرح یاد کر لیجیے۔ یہ مفعولی (OBJECTIVE) اور اضافی (POSSESIVE) ضمیریں کہلاتی ہیں۔ یہ کسی اسم، فعل یا حرف کے بعد آتی ہیں۔

اسم کے بعد مثلاً قَلَمُہٗ (اس کا قلم)، کِتَابُکَ (تیری کتاب)، کِتَابِیْ (میری کتاب)، کِتَابُھَا (اُس ایک عورت کی کتاب)

فعل کے بعد مثلاً نَصَرْتُہٗ (میں نے اس کو مدد دی)، اَمَرْتُکَ (میں نے تجھ کو حکم دیا)، نَصَرْتَنِیْ (تو نے مجھ کو مدد دی)۔

حروف کے بعد جیسے فِیْهِ (اس میں)، لَهٗ (اس کے لیے)، مِنْكَ (تجھ سے)
اِلَیْنَا (ہماری طرف)، اِنَّكُمْ (بے شک تم) عَلَیْهِ (اس پر)
اچھا اب خود کچھ لکھیے!

اُردو سے عربی میں ترجمہ کیجیے :-

(۱) میرا باپ (۲) اس (ایک مرد) کی ماں (۳) اُس (ایک عورت) کی زبان (۴) تیرا (مرد) سر (۵) تیری (عورت) ناک (۶) میرا ہاتھ (۷) ان (سب عورتوں) کے دانت۔ (۸) اُن (سب مردوں) کے سینے (۹) ہمارا تولیہ (۱۰) میں تمھارے (مردوں کے) موٹر پر سوار ہوا (۱۱) اس (ایک عورت) نے میری سائیکل توڑ ڈالی (۱۲) تیرے (مرد کے) پیر سے جوتا گر گیا (۱۳) میں نے اُن (عورتوں) کو منع کیا، (۱۴) اُن سب (مردوں) نے مجھے بلند کیا، (۱۵) تم (مرد) اپنی گیند سے کھیلے (۱۶) انھوں نے مجھے لیٹنے کا حکم دیا (۱۷) اُن دو مردوں نے میری طرف دیکھا (۱۸) تم دو عورتوں نے اُس کی عبادت کی (۱۹) میری ماں نے کل مجھے یاد کیا (۲۰) تو (ایک مرد) نے اپنے باغ میں آم اور سیب کھائے اور اپنے کھیت میں خربوزے اور ککڑیاں کھائیں۔

عربی سے اُردو میں ترجمہ کیجیے :

(۱) اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (۲) اِنَّا مَعَكُمْ (۳) رَزَقْنَا هُمْ (۴) اَنْذَرْتَهُمْ (۵) خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ (۶) عَلٰی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ (۷) خَدَعُوْا اَنْفُسَهُمْ (۸) ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ (۹) خَطِفَ الْبَرْقُ اَبْصَارَهُمْ (۱۰) اِنَّ رَبَّكُمْ خَلَقَكُمْ (۱۱) نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا (۱۲) وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (۱۳) لَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (۱۴) عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِكَةِ (۱۵) لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ (۱۶) قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ (۱۷) اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (۱۸) اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ، لَوْنُهَا فَاقِعٌ (۱۹) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۲۰) اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلٰی رُسُوْلِنَا وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِهٖ۔

الفاظ کے معانی

زبان۔ لِسَان جمع اَلْسِنَة	آم - اَنْبَج - مَنْجُو	خَالِدُوْن۔ ہمیشہ رہنے والے
سر۔ رَأْس جمع رُؤُوْس	سیب۔ تُفَّاح	عَرَض۔ پیش کرنا
ناک۔ اَنْف جمع اُنُوْف	ایک سیب۔ تُفَّاحَة	مُسْتَقَرّ۔ ٹھیرنے کی جگہ
ہاتھ۔ یَدٌ جمع اَیْدِی	کھیت۔ حَقْل جمع حُقُوْل	مَتَاع۔ فائدہ اُٹھانے کا سامان
دانت۔ سِنّ جمع اَسْنَان	خربوزہ۔ بِطِّیْخ	حِیْن۔ وقت
سینہ۔ صَدْر جمع صُدُوْر	ککڑی۔ قِثَّاء	قَال۔ قَوْل۔ کہنا
تولیہ۔ مِنْدِیْل جمع مَنَادِیْل	اَنْعَمْتَ۔ انعام کرنا، بخشش کرنا (مصدر انعام)	اَمْس۔ کل، گزشتہ
موٹر۔ سَیَّارَة جمع سَیَّارَات		اَخْذ۔ لینا
سوار ہونا۔ رَكِبَ	مَعَ۔ ساتھ	فَوْق۔ اُوپر
سائیکل۔ دَرَّاجَة جمع دَرَّاجَات	خَطَف۔ اُچک لے جانا	فَارِض۔ بوڑھی، جمع فَوَارِض
توڑنا۔ كَسْر	(اَنْذَرْتَ) اِنْذَار (ڈرانا)	بِكْر۔ بن بیاہی بچھیا جمع اَبْكَار
جوتا۔ حِذَاء جمع اَحْذِیَه	خَتْم۔ مُہر کرنا	
گرنا۔ سَقْط	بَصَر۔ نگاہ جمع اَبْصَار	لَوْن۔ رنگ۔ جمع اَلْوَان
بلند کرنا۔ رَفَع	غِشَاوَة۔ پردہ	فَاقِع۔ گہرا (زرد)
کھیلنا۔ لَعِبَ	تَرَكَ۔ چھوڑنا	مَنْ۔ کون، جو
گیند۔ كُرَة	نور۔ روشنی۔ جمع اَنْوَار	اَجْر۔ بدلا، جمع اجور
حکم دینا۔ اَمْر	مِیْثَاق۔ عہد جمع مَوَاثِیْق	عِنْدَ۔ نزدیک
لیٹنا۔ اِضْطِجَاع	نَزَّلْنَا تَنْزِیْل۔ اُتارنا	مَا۔ وہ چیز، جو
یاد کرنا۔ ذِكْر	وَقُوْد۔ ایندھن	فَ۔ پس

اُوپر اضافی اور مفعولی ضمیروں کا ذکر ہو چکا ہے۔ انھی کا استعمال زیادہ قابلِ توجہ تھا۔ اس لیے ان کی کافی مشق کرائی گئی ہے۔ فاعلی ضمیریں استعمال میں دشوار نہیں ہیں اس لیے ان کے صرف معنی لکھے جا رہے ہیں۔

هُوَ - وہ ایک مرد
هُمَا - وہ دو مرد یا دو عورتیں
هُمْ - وہ سب مرد
هِيَ - وہ ایک عورت
هُنَّ - وہ سب عورتیں
اَنْتَ - تو ایک مرد

اَنْتُمَا - تم دو مرد یا دو عورتیں
اَنْتُمْ - تم سب مرد
اَنْتِ - تو ایک عورت
اَنْتُنَّ - تم سب عورتیں
اَنَا - میں ایک مرد یا عورت
نَحْنُ - ہم سب مرد یا عورتیں، ہم دو مرد یا دو عورتیں۔

نوٹ: عربی نحو کی عام اصطلاح میں فاعلی مرفوع، مفعولی منصوب اور اضافی مجرور ضمیریں کہلاتی ہیں۔ ہم نے انگریزی اور اردو داں اصحاب کی سہولت کے لیے فاعلی، مفعولی اور اضافی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

ساتواں سبق

مضارع

يَفْعَلُ - وہ ایک مرد کرتا ہے یا کرے گا۔
يَفْعَلَانِ - وہ دو مرد کرتے ہیں یا کریں گے۔
يَفْعَلُوْنَ - وہ سب مرد کرتے ہیں یا کریں گے۔
تَفْعَلُ - وہ ایک عورت کرتی ہے یا کرے گی۔ تو ایک مرد کرتا ہے یا کرے گا۔
تَفْعَلَانِ - وہ دو عورتیں کرتی ہیں یا کریں گی، تم دو مرد کرتے ہو یا کروگے۔ تم دو عورتیں کرتی ہو یا کروگی۔
يَفْعَلْنَ - وہ سب عورتیں کرتی ہیں یا کریں گی۔
تَفْعَلُوْنَ - تم سب مرد کرتے ہو یا کروگے۔
تَفْعَلِيْنَ - تو ایک عورت کرتی ہے یا کرے گی۔
تَفْعَلْنَ - تم سب عورتیں کرتی ہو یا کروگی۔

اَفْعَلُ - میں کرتا ہوں یا کروں گا میں کرتی ہوں یا کروں گی۔
نَفْعَلُ - ہم سب کرتے ہیں یا کریں گے (مرد و عورت دونوں کے لیے)

یہ مضارع کی گردان ہے، حال اور مستقبل دونوں کے معنی اس میں پائے جاتے ہیں جیسا کہ آپ نے معنوں میں خود دیکھ لیا ہے۔ اوپر کے صیغوں کو معنی کے ساتھ اچھی طرح یاد کیجیے۔ مضارع، ماضی اور ضمیریں ہی اصل میں عربی کی بنیاد ہیں۔ یہ جس قدر یاد ہوں گے بولنے اور سمجھنے میں اسی قدر سہولت ہوگی۔

حسب ذیل الفاظ کا ترجمہ کیجیے:
(۱) اَذْهَبُ (۲) يَعْمَهُوْنَ (۳) يَجْعَلُ (۴) اَعْلَمُ (۵) نَعْبُدُ (۶) تَشْعُرُوْنَ تَسْمَعِيْنَ (۸) تَدْعَيْنَ (۹) يَلْبَسْنَ (۱۰) تَحْزَنَانِ (۱۱) يُؤْمِنُوْنَ تَتْلُوْنَ (۱۳) تَنْسَوْنَ (۱۴) يَذْبَحَانِ (۱۵) اَشْرَبُ۔

وہ سب جانتے ہیں۔ تم سب مرد پڑھتے ہو۔ وہ ایک عورت پکاتی ہے۔ وہ ایک مرد غمگین ہوگا۔ وہ سب عورتیں پکاتی ہیں۔ میں بناتا ہوں۔ ہم پئیں گے۔ تو ے گی۔ تو ایک مرد دیکھے گا۔ وہ دو مرد جائیں گے۔

ان جملوں کا عربی میں ترجمہ کیجیے:-
(۱) میں تمہارے اخبار کو پڑھوں گا (۲) وہ سب عورتیں تمہارے لیے آلو پکائیں گی۔ (۳) تم چپکے سے چائے پیتے ہو (۴) تمہارے ماموں اپنی کنجی سے تالا کھولیں گے (۵) دھوبی تالاب میں کپڑے دھوتا ہے (۶) حامد اپنے گھر میں ہنستا ہے (۷) میں اس کی نسی اپنے گھر میں سنتا ہوں (۸) تمہارا نوکر چکی میں گیہوں پیستا ہے (۹) خلیل کا دوست ے گھر تک جائے گا (۱۰) ہم تجھ کو لوگوں کے لیے امام بنائیں گے۔ ۱۱- کیا تم ان عورتوں فسق اور کفر سے روکتے ہو (۱۲) آج میں نے تیرا خط پڑھا (۱۳) کل اس عورت کے چچا کے گھر جاؤں گا (۱۴) وہ تم پر ناراض ہے (۱۵) کیا تم بھی اس پر ناراض ہو؟

اردو میں ترجمہ کیجیے:
(۱) لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۲) يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (۳) يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ

(۴) يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ (۵) اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ (۶) اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۷) اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ (۸) نَحْنُ لَا نُنْكِرُ مَا اَمَرَنَا اللّٰهُ (۹) اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً (۱۰) يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ (۱۱) لَا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا۔

الفاظ کے معانی

عَمَه ۔ بھٹکتے پھرنا | دھونا ۔ غُسْل | مِيْثَاق ۔ معاہدہ، عہد و پیمان
شَعَرَ ۔ احساس کرنا، سمجھنا | ہنسنا ۔ ضَحِك | اَ ۔ کیا
لَبِس ۔ پہننا | چکی ۔ طَاحُوْن | (يُفْسِدُ) ۔ فساد پھیلانا
حُزْن ۔ غمگین ہونا | پیسنا ۔ طَحْن | سَفْك ۔ خون بہانا
تَتْلُوْنَ ۔ تلاوت کرنا | کل ۔ (آئندہ) غَدًا | دَم ۔ خون، جمع دِمَاء
تَنْسَوْنَ ۔ بھولنا | بنانا ۔ جَعَل | اَمْر ۔ حکم دینا
يُؤْمِنُوْنَ ۔ ایمان لانا | ناراض ۔ سَاخِط | بِرّ ۔ نیکی
اخبار ۔ جَرِيْدَة | خط ۔ كِتَاب | كَتَم ۔ چھپانا
آلو ۔ بَطَاطَا | بھی ۔ اَيْضًا | تَحْرِيْف ۔ بدلنا
چمچہ ۔ مِلْعَقَة جمع مَلَاعِق | يُقِيْمُوْنَ ۔ قائم کرنا | اَنْ ۔ کہ
چائے ۔ شَاي | صَاعِقَة ۔ کڑک جمع صَوَاعِق | ثُمَّ ۔ پھر، بعد میں
دھوبی ۔ قَصَّار | حَذَر ۔ ڈر
تالاب ۔ غَدِيْر جمع غُدُر | نَقْض ۔ توڑنا

ماضی مجہول (PAST PASSIVE) کے متعلق اس سے پہلے معلوم کرچکے ہیں کہ ماضی معروف (PAST ACTIVE) کے پہلے حرف (ف) کو پیش اور دوسرے حرف (ع) کو زیر دے دینے سے ماضی مجہول فُعِلَ بن جاتی ہے۔ مُضارع کو اگر مجہول بنانا ہو تو اسی طرح یَفْعَلُ کے پہلے حرف کو پیش کردیا جائے گا اور کہا جائے گا یُفْعَلُ ۔ دو چار مثالیں اور سنیے:

يُحْمَلُ (وہ لادا جاتا ہے) تُضْرَبُ (تو مارا جاتا ہے) يُفْتَحُ (وہ کھولا جاتا ہے) اُنْصَرُ ۔ (میں مدد دیا جاتا ہوں)۔

اچھا اب آپ بھی چند جملے بنائیے:-

(۱) پڑھا جاتا ہے (۲) لکھا جاتا ہے (۳) توڑا جائے گا۔ (۴) کاٹا جائے گا۔ (۵) وہ ماری جاتی ہے (۶) تم روکے جاتے ہو (۷) میں روکا جاتا ہوں (۸) ہم مدد دیے جاتے ہیں (۹) تو منع کی جائے گی (۱۰) تو دھوکا دیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک بات اور قابلِ ذکر ہے، فعل مجہول کا فاعل تو معلوم نہیں ہوتا، اس لیے اس کے بعد مفعول ہی آتا ہے جسے نائب یا قائم مقامِ فاعل کہتے ہیں۔ یہ چوں کہ فاعل کی جگہ استعمال ہوتا ہے، اس لیے اس پر بھی فاعل کی طرح پیش ہوتا ہے، مثلاً ضُرِبَ الْوَلَدُ (لڑکا مارا گیا) مُنِعَتِ الْمَرْأَةُ (عورت روکی گئی) يُفْتَحُ الْبَابُ (دروازہ کھولا جائے گا) يُكْسَرُ الْجِدَارُ (دیوار توڑی جائے گی)۔

اچھا چند جملے اسی طرح بنائیے:

(۱) رسّی کاٹی گئی (۲) قلم بنایا گیا (۳) کپڑا رنگا جائے گا (۴) رسول کا ذکر بلند کیا گیا (۵) نبی بھیجے گئے (۶) پھل کھائے گئے (۷) اللہ یاد کیا گیا (۸) کل کتب خانہ میں اخبار پڑھا جائے گا (۹) پرسوں تمھارے رسالے کے لیے مضمون لکھا جائے گا۔ (۱۰) ایک سال پہلے عہد توڑا گیا۔

الفاظ کے معانی

پہاڑ ۔ جَبَل جمع جِبَال | پرسوں ۔ (آئندہ) بَعْدَ غَدٍ | ایک سال پہلے ۔ قَبْلَ سَنَةٍ
قلم بنانا ۔ بَرَى، يَبْرِي | بھیجنا ۔ بَعَث | پرسوں (گزشتہ) ۔ قَبْلَ الْاَمْسِ
رنگنا ۔ صَبَغَ | کتب خانہ ۔ مَكْتَبَة، خِزَانَةُ الْكُتُب

آٹھواں سبق

صفت موصوف

سچا مسلمان ۔ نیک آدمی ۔ بڑی مسجد ۔ چھوٹی کتاب ۔ امانت دار نوکر ۔

یہ سب جملے صفت[1] موصوف کہلاتے ہیں۔ ان کا اگر عربی میں ترجمہ کرنا ہو تو اُردو کی ترتیب اُلٹ دیجیے، یعنی پہلے والا لفظ بعد کو، اور بعد والا لفظ پہلے لکھیے، پھر دونوں کو پیش دیجیے، مثلاً سچّا مسلمان کا عربی میں ترجمہ کرنا ہو تو پہلے اُردو کی ترتیب اُلٹ کر لکھی جائے گی، یعنی پہلے مسلمان کی عربی مُسْلِم لکھی جائے گی، پھر سچّا کی صَادِق لکھی جائے گی۔ اس کے بعد دونوں پر پیش لگا دیے جائیں گے پورا جملہ یوں ہوگا : مُسْلِمٌ صَادِقٌ۔

اسی طرح "نیک آدمی" کی عربی بنانا ہو تو پہلے آدمی کی عربی رَجُل پھر نیک کی صَالِحٌ لکھیں گے، اس کے بعد دونوں پر دو دو پیش لگا دیں گے اور کہیں گے رَجُلٌ صَالِحٌ۔

اس موقع پر ایک بات اور یاد رکھنے کی ہے، کہ صفت موصوف دونوں کی حالت یکساں رہے گی، یعنی اگر ایک کو پیش ہو تو دوسرے کو بھی پیش ہوگا، اگر ایک کو زبر ہوگا تو دوسرے کو بھی زبر ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک کو زیر ہوگا تو دوسرے کو بھی زیر ہوگا۔ اوپر ہی کی مثال لیجیے: رَجُلٌ کے آخری حرف پر چوں کہ پیش تھا، اسی لیے اس کی صفت صَالِحٌ پر بھی پیش آیا۔ اگر کسی وجہ سے رَجُلًا ہوجائے تو دوسرا لفظ صَالِحًا ہوجائے گا، مثلاً نَصَرْتُ رَجُلًا صَالِحًا۔

اسی طرح اگر پہلے لفظ پر زیر آجائے یعنی رَجُلٍ ہوجائے تو دوسرا لفظ صَالِحٍ ہوجائے گا جیسے ذَهَبْتُ اِلٰى رَجُلٍ صَالِحٍ۔

اگر کسی وجہ سے پہلے لفظ پر الف لام آجائے تو دوسرے پر بھی الف لام آجائے گا، مثلاً اوپر کی مثال میں رَجُلٌ اگر اَلرَّجُلُ ہوجائے تو صَالِحٌ بھی اَلصَّالِحُ ہوجائے گا اور کہا جائے گا اَلرَّجُلُ الصَّالِحُ۔

اسی طرح اگر پہلا لفظ یعنی موصوف مؤنّث ہو تو دوسرا لفظ یعنی صفت بھی مؤنث ہوگی اور اُسے مؤنث بنانے کے لیے اس کے آخر میں ۃ بڑھا دیں گے۔ اوپر رَجُلٌ کے بجائے اِمْرَاَۃٌ ہوتا تو کہتے اِمْرَاَۃٌ صَالِحَۃٌ یا اَلْمَرْاَۃُ الصَّالِحَۃُ۔

اس سلسلے میں اب ایک بات اور خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ اگر موصوف کوئی خاص نام ہو تو اس پر الف لام نہیں آئے گا، کیوں کہ الف لام خصوصیت پیدا کرنے کے لیے لایا

---

[1] ۔ صفت تعریف، موصوف جس کی تعریف کی جائے، مثلاً "کالا کپڑا" میں کالا صفت ہے اور کپڑا موصوف۔

جاتا ہے اور یہاں خاص ہے ہی، اس لیے اُس "ا ل" نہیں آئے گا، البتہ اس کی صفت یعنی بعد والے لفظ پر "ا ل" ضرور ہوگا، مثلاً "فاتح خالد" کی عربی بنانی ہو تو خالد کو بغیر "ا ل" کے صرف خَالِدٌ لکھیں گے، البتہ فَاتِحٌ کو اَلْفَاتِحُ لکھیں گے۔ پورا جملہ یوں ہوگا خَالِدُ اَلْفَاتِحُ۔ اسی طرح "شاہ محمود" کی عربی ہوگی، مَحْمُوْدُ اَلْمَلِكُ۔ "سپہ سالار طارق" کی عربی ہوگی طَارِقُ اَلْقَائِدُ "شاعر غالب" کی عربی ہوگی۔ غَالِبُ الشَّاعِرُ" اسے یوں بھی لکھ سکتے ہیں غَالِبُ نِ الشَّاعِرُ۔ طَارِقُ نِ الْقَائِدُ

عربی میں ترجمہ کیجیے :

۱۔ نیک باپ	۲۔ سعید بیٹا	۳۔ مغفرت والا رب	۴۔ بڑا دروازہ
۵۔ چلّانے والا مرغ	۶۔ پُرانی چٹائی	۷۔ عمدہ مضمون	۸۔ اچھا رسالہ
۹۔ بڑی سڑک	۱۰۔ چھوٹا جہاز	۱۱۔ گہرا دریا	۱۲۔ زبردست پہاڑ
۱۳۔ لمبی ریل	۱۴۔ بڑا انجن، چھوٹا اسٹیشن	۱۵۔ بڑا ڈاک خانہ	

(۱) میں نے ایک فاجر آدمی کو مارا (۲) تم نے خوب صورت پنکھا لیا (۳) بیمار عورت نے کڑوی دوا پی (۴) بہادر طارق نے ایک بڑے بادشاہ کے لشکر کو شکست دی اور اس کے پایۂ تخت میں داخل ہوگیا (۵) کیا تم روزانہ اخبار خریدنے کے لیے شہر کے بازار جاتے ہو (۶) آج میں ایک ہوشیار حجام کی دکان پر ناخن اور بال کٹانے کے لیے جاؤں گا (۷) یہ نیک بوڑھا ہے۔ اور وہ شریر بچہ ہے۔ (۸) یہ خوب صورت عورت ہے اور وہ بدصورت لڑکی ہے (۹) تو دیاسلائی کی ڈبیا خریدنے کے لیے اپنے گھر سے قریبی دکان تک گیا۔ (۱۰) حکیم محمود نے بیمار عورت کی نبض دیکھی اور اس کے لیے عمدہ نسخہ لکھا۔

اُردو میں ترجمہ کیجیے :۔

(۱) اَلصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ (۲) عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۳) بَعُوْضَةٌ صَغِيْرَةٌ (۴) رَزَقَهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا (۵) بَلَاءٌ عَظِيْمٌ (۶) لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا (۷) غَمَامٌ مُظَلِّلٌ (۸) لَيْلَةٌ مُظْلِمَةٌ (۹) مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (۱۰) اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ (۱۱) فَتَحَ طَارِقُ نِ الْقَائِدُ مَدِيْنَةً عَظِيْمَةً وَ اَخَذَ حِصْنَهَا مِنْ يَدِ مَلِكٍ عَظِيْمٍ۔

(۱۲) دَخَلَ مُحَمَّدُ بْنُ الفَاتِحُ عَاصِمَةَ الرُّوْمِ۔

الفاظ کے معنی

مغفرت کرنے والا۔ غَفُوْر
مُرغ ۔ دِیْك جمع دُیُوْك۔
چِلّانے والا۔ صَائِحٌ
چٹائی ۔ حَصِیْرٌ جمع حُصُر
بُرائی ۔ خَلَق،
مضمون ۔ مَقَالَة جمع مَقَالَات
عمدہ ۔ جَیِّد، اچھا حَسَن
رسالہ ۔ مَجَلَّة، جمع مَجَلَّات
سڑک ۔ شَارِع جمع شَوَارِع
جہاز ۔ سَفِیْنَة جمع سُفُن
دریا ۔ بَحْر جمع بِحَار
گہرا ۔ عَمِیْق
پہاڑ ۔ جَبَل، جمع جِبَال۔
زبردست ۔ عَظِیْم
ریل ۔ قِطَار، جمع قُطُر
انجن ۔ قَاطِرَة جمع قَاطِرَات
اسٹیشن ۔ مَحَطَّة جمع مَحَطَّات
ناخن ۔ ظُفُر جمع اَظْفَار
بال ۔ شَعْر جمع اَشْعَار
بال کٹانا ۔ قَصَّ یَقُصُّ

ناخن تراشنا ۔ قَلَمَ
دُکان ۔ دُکَّان جمع دَکَاکِیْن
بوڑھا ۔ شَیْخ جمع شُیُوْخ
بدصورت ۔ دَمِیْمَة (مونث)
دیا سلائی ۔ کِبْرِیْت
ڈاک خانہ ۔ اَلْبَرِیْد، بُوسطَة
پنکھا ۔ مِرْوَحَة جمع مَرَاوِح
کڑوا ۔ مُرّ
لشکر ۔ جُنْد جمع جُنُوْد
شکست دینا ، هَزَم
پایۂ تخت ۔ عَاصِمَة
روزانہ ۔ یَوْمِیَّة
خریدنا ۔ اِشْتَرَاء
حجام ۔ حَلَّاق
ہوشیار ۔ بَارِع
ڈبیا ۔ عُلْبَة
نبض دیکھنا ۔ جَسَّ
نسخہ ۔ وَصْفَة
اَلِیْمٌ ۔ دردناک
بَلَاءٌ ۔ آزمائش

بَعُوْضَةٌ ۔ مچھر
ثَمَن ۔ قیمت جمع اَثْمَان،
غَمَام ۔ بادل جمع غَمَائِم
مُظَلِّلٌ ۔ سایہ کرنے والا
مُظْلِمَةٌ ۔ تاریک کرنے والی
هٰذَا ۔ یہ (مذکر)
هٰذِهٖ ۔ یہ (مونث)
هٰؤُلَاءِ ۔ یہ سب،
غُصْن ۔ شاخ جمع غُصُوْن
ثَابِتٌ ۔ مضبوط جمی ہوئی
بڑا ۔ کَبِیْر ۔ جمع کِبَار
اَصْل ۔ جڑ جمع ، اُصُوْل
حِصْن ۔ قلعہ جمع حُصُوْن
ذٰلِكَ ۔ وہ (مذکر)
تِلْكَ ۔ وہ (مونث)
اُولٰئِكَ ۔ وہ سب
ہر روز، روزانہ ۔ کُلَّ یَوْمٍ
چھوٹا ۔ صَغِیْر، جمع صِغَار،
بیمار ۔ مَرِیْض
فَرْع ۔ شاخ جمع فُرُوْع۔

نواں سبق

امر و نہی

ایسے فعل جن میں کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے وہ اَمْر کہلاتے ہیں، جیسے 'پڑھ'، 'لکھ' اور ایسے فعل جن سے کام کے روکنے کا حکم دیا جائے نہی کہلاتے ہیں 'نہ جا'، 'مت ڈر' دونوں کی گردانیں حسب ذیل ہیں :۔

اَمْر	نَہی
اِفْعَلْ ۔ تو ایک مرد کر	لَاتَفْعَلْ ۔ تو ایک مرد نہ کر
اِفْعَلَا ۔ تم دو مرد یا دو عورتیں کرو	لَا تَفْعَلَا ۔ تم دو مرد یا دو عورتیں نہ کرو
اِفْعَلُوْا ۔ تم سب مرد کرو	لَاتَفْعَلُوْا ۔ تم سب مرد نہ کرو
اِفْعَلِیْ ۔ تو ایک عورت کر	لَاتَفْعَلِیْ ۔ تو ایک عورت نہ کر
اِفْعَلْنَ ۔ تم سب عورتیں کرو	لَاتَفْعَلْنَ ۔ تم سب عورتیں نہ کرو

حسب ذیل صیغوں کے معنی بتائیے :۔

اِذْهَبْ لَاتَذْهَبْ لَاتَمْنَعُوْا لَاتَبْدَئِیْ
اِفْتَحِیْ لَاتَبْحَثْنَ لَاتَسْمَعُوْا اِضْحَكُوْا
اِعْمَلُوْا اِسْمَعَا اِعْلَمَا لَاتَلْعَبَا

عربی میں ترجمہ کیجیے :۔

(۱) بازار نہ جاؤ، بلکہ مسجد کی طرف جاؤ (۲) صندوق کو کھولو (۳) چائے میں شکر اور نمک ڈالو (۴) اپنے لیے کام کرو (۵) بہت نہ ہنسو (۶) تم سب عورتیں اپنی ماں کی نصیحت قبول کرو (۷) اپنے کام میں شیطان کے لیے حصّہ نہ بناؤ (۸) گیند کھیلو گڑیا کے ساتھ نہ کھیلو (۹) اللہ کے کلام کو سنو (۱۰) تو ایک عورت گوشت پکا اور آئینہ کنگھی کے ساتھ نہ کھیل (۱۱) سانپ اور بچھو سے بچو (۱۲) بیل کے قریب نہ جاؤ، اس بلّی سے کھیلو

اُردو میں ترجمہ کیجیے :

(۱) لَاتَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اِنَّهُمْ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔

(۲) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (۳) لَا تَهْزَءُوْا وَلَا تَضْحَكُوْا (۴) اِفْعَلُوا الْخَيْرَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (۵) اِقْرَئِيْ وَلَا تَلْعَبِيْ (۶) اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۷) اِقْبَلُوا الشَّفَاعَةَ وَلَا تَأْخُذُوا الْعَدْلَ (۸) اِهْبِطُوْا مِصْرًا (۹) اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ (۱۰) لَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ (۱۱) اِذْهَبُوْا مَعَ صَدِيْقِكُمْ اِلَى الْفُنْدُقِ وَاشْرَبُوا اللَّبَنَ مَعَهٗ (۱۲) اِفْتَحُوْا بَابَ الْبَيْتِ وَاذْهَبُوْا اِلٰى مُنْشِئِ الْجَرِيْدَةِ۔

الفاظ کے معنی

بَحْث ۔ تلاش کرنا
بَدْء ۔ شروع کرنا
شُكْر ۔ شکر
مِلْح ۔ نمک
قَبِلَ ۔ قبول کرنا
نَصِيْبٌ ۔ حصہ
فُنْدُق ۔ ہوٹل
مُنْشِئ ۔ ایڈیٹر
صُمٌّ بہرے، واحد اَصَمّ

بُكْمٌ ۔ گونگے واحد اَبْكَم
عُمْيٌ ۔ اندھے واحد اَعْمٰی
اِهْدِ ۔ ہدایت کر
هَزْءٌ ۔ مذاق کرنا
عَدْل ۔ فدیہ
هَبْط ۔ اترنا
بازار ۔ سُوْق
بلی ۔ قِطَّة جمع قِطَط
گڑیا ۔ دُمْيَة جمع دُمٰی

گیند ۔ کُرَة
آئینہ ۔ مِرْآة
کنگھی ۔ مِشْط جمع اَمْشَاط
سانپ ۔ حَيَّه جمع حَيَّات
بچھو ۔ عَقْرَب جمع عَقَارِب
بیل ۔ ثَوْر جمع ثِيْرَان ، اَثْوَار
بلکہ ۔ بَلْ
بچنا ۔ حَذَر

اوپر آپ نے دیکھا کہ امر اِفْعَلْ کے وزن پر آتا ہے، لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا، بلکہ کبھی اِفْعِلْ اور کبھی اُفْعُلْ کے وزن پر بھی آتا ہے، جیسے اِضْرِبْ و اُنْصُرْ۔ وجہ یہ ہے کہ امر مضارع کا پابند ہے، اور مضارع کے عین یعنی بیچ والے حرف پر زیر، زبر یا پیش یا تینوں اعراب ہو سکتے ہیں، لہٰذا امر کے بیچ والے حرف کو بھی اسی کے مطابق ہوتا ہے، مثلاً یَسْمَعُ کے بیچ والے حرف م پر زبر ہے، اس لیے امر و نہی کے بیچ والے حرف م پر بھی زبر ہوگا اور کہا جائے گا اِسْمَعْ ۔ یَنْصُرُ کے درمیانی حرف پر بھی پیش ہوگا اور کہیں گے اُنْصُرْ۔

اس موقع پر ایک بات اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ امر کے الف پر کبھی زیر اور کبھی پیش ہوتا ہے تو اس کی وجہ بھی مضارع ہی ہے، کیوں کہ امر کے الف کو مضارع کے درمیانی حرف کے مطابق

ضروری ہے، اگر اس پر پیش ہوتا ہے تو امر کے الف پر بھی پیش ہوتا ہے۔ مثلاً یَنْصُرُ سے اُنْصُرْ، لیکن اگر مضارع کے درمیانی حرف پر زبر یا زیر ہوگا تو اس کے امر کے الف پر صرف زیر ہوگا، مثلاً یَضْرِبُ سے اِضْرِبْ، یَسْمَعُ سے اِسْمَعْ، یَفْتَحُ سے اِفْتَحْ

دسواں سبق

واحد تثنیہ جمع

پہلے سبقوں میں آپ دیکھ چکے ہیں کہ فعل کبھی واحد ہوتا ہے کبھی تثنیہ (دو کے لیے) ہوتا ہے اور کبھی جمع ہوتا ہے۔ اسی طرح اسم بھی واحد، تثنیہ اور جمع ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ہو تو کہیں گے مُسْلِمٌ، دو ہوں گے تو کہیں گے مُسْلِمَانِ، تین یا تین سے زیادہ ہوں گے تو کہا جائے گا مُسْلِمُوْنَ ۔ اب اگر کسی وجہ سے زبر دینا ہو تو مُسْلِمٌ، مُسْلِمًا ہو جائے گا مُسْلِمَانِ، مُسْلِمَيْنِ ہو جائے گا اور مُسْلِمُوْنَ، مُسْلِمِيْنَ ہو جائے گا۔ زیر دینا ہو تو مُسْلِمٌ، مُسْلِمٍ ہو جائے گا۔ لیکن مُسْلِمَانِ اور مُسْلِمُوْنَ زبر کی حالت کی طرح زیر کی صورت میں بھی مُسْلِمَيْنِ اور مُسْلِمِيْنَ رہیں گے۔ آسانی کے لیے نیچے ان کا نقشہ بنائے دیتے ہیں۔

	واحد	تثنیہ	جمع
پیش کی صورت میں	مُسْلِمٌ	مُسْلِمَانِ	مُسْلِمُوْنَ
زبر کی صورت میں	مُسْلِمًا	مُسْلِمَيْنِ	مُسْلِمِيْنَ
زیر کی صورت میں	مُسْلِمٍ	مُسْلِمَيْنِ	مُسْلِمِيْنَ

مزید وضاحت کے لیے حسب ذیل جملوں پر نظر ڈالیے:

(۱) دو آدمی بازار گئے : ذَهَبَ رَجُلَانِ اِلَى السُّوْقِ۔
(۲) عالموں نے مسجد میں تقریر کی : خَطَبَ الْعَالِمُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ۔
(۳) ناصر نے دو مظلوموں کو مدد دی : نَصَرَ نَاصِرٌ الْمَظْلُوْمَيْنِ۔
(۴) نصیر نے ظالموں کو مارا : ضَرَبَ نَصِيْرٌ الظَّالِمِيْنَ۔
(۵) میں نے دو قلموں سے لکھا : كَتَبْتُ بِالْقَلَمَيْنِ۔

(۶) مسلمانوں میں سے ایک آدمی آیا: جَاءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔

اچھا اب چند جملے اس طرح لکھیے:-

(۱) میں نے واعظوں کو حکم دیا (۲) اُن (سب مردوں) نے مسلمانوں کے لیے کتاب لکھی۔ (۳) اُن (سب عورتوں) نے دو روٹیاں کھائیں (۴) تم نے دو درخت کاٹے۔ (۵) اُس (ایک عورت) نے دو لڑکوں کو مارا اور چھتریاں لیں (۶) اُن (سب مردوں) نے چوروں کو قتل کر دیا۔ (۷) تم (سب عورتیں) دو برس تک پڑھو گی (۸) تو (ایک عورت) عبادت گزاروں کے لیے کھانا پکائے گی۔ (۹) تونے ایک مچھلی کھائی لیکن میں نے دو مچھلیاں کھائیں (۱۰) اُس ایک عورت نے دو کاپیاں لکھیں اور تم نے دو کتابیں پڑھیں (۱۱) تم کی ماما نے دو روٹیاں پکائیں اور دو گھڑے بھرے۔ (۱۲) خالد کے ماموں نے چوروں کو قید خانے میں قید کر دیا۔

اُردو میں ترجمہ کیجیے:-

(۱) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ (۲) اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳) وَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (۴) قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ (۵) وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ (۶) اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۷) اَعَدَّ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔ (۸) اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ (۹) اِنَّهٗ یَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (۱۰) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

الفاظ کے معنی

برس۔ سَنَۃ۔ عام جمع اعوام سنون	چور۔ سارِق	قید خانہ۔ سِجْن۔ جمع سُجُون	تَوَّابِیْن۔ توبہ کرنے والے
مچھلی۔ سَمَک۔ جمع اَسْمَاک	سَاهُوْن۔ غافل	سَیِّد۔ سردار	غَفَرَ۔ بخشا
واحد۔ سَمَکَۃ	مُفْلِحُوْن۔ فلاح پانے والے	مُهِیْن۔ رسوا کرنے والا	اَلَّذِیْنَ۔ وہ لوگ
وَیْل۔ ہلاکت	اَعَدَّ۔ تیار کیا	تَجْرِیْ۔ بہتی ہیں	چھتری۔ ظُلَّۃ، جمع ظُلَل
	لٰکِن۔ لیکن	تَحْتَ۔ نیچے	

جھلکیاں

بزم ہمدرد نونہال کا پہلا اجلاس

رشیدہ بیگم

جناب حکیم محمد سعید — جناب پیر علی محمد راشدی

۵۔ اگست ۱۹۸۵ء کا دن ایک تاریخی اور یادگار دن تھا۔ اس دن کراچی میں ایک ایسی بزم کی بنیاد پڑی جو اپنی قسم کی پہلی بزم تھی اور جس کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی۔ اس دن بزم ہمدرد نونہال کا پہلا اجلاس کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں ہوا۔ یہ بزم قوم کے بچّوں کے لیے تھی، لیکن اس میں بزرگ بھی شریک تھے۔

پانچ بجے تک وقت کی پوری پابندی کے ساتھ بچّوں کی بڑی تعداد ہوٹل میں جمع ہو چکی تھی۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب جو اس بزم کے بانی اور میزبان ہیں پونے پانچ بجے ہی آچکے تھے اور مسکرا مسکرا کر بچّوں کا استقبال کر رہے تھے۔ پانچ بج کر ۲۵ منٹ پر اس اجلاس کے مہمانِ خاص جناب پیر علی محمد راشدی تشریف لائے۔ پیر تو وہ خاندانی ہیں، لیکن اب عمر کے لحاظ سے بھی پیر ہو چکے

ہیں۔ بڑھاپا کم زوری کا دوسرا نام ہے۔ اُن کو لفٹ کے ذریعے سے جلسہ گاہ پہنچایا گیا۔
چین تھے۔ جلسہ گاہ میں داخلے سے پہلے حکیم صاحب نے پھولوں کی لڑی کاٹ کر تصویری نمائش
کا افتتاح کیا۔ نمائش میں پیر علی محمد راشدی صاحب کی تصویریں سجائی گئی تھیں۔ بچے بے
اُن کی زندگی اور سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا تھا۔ پیر صاحب کی بیگم بھی ساتھ تھیں۔ ان تصویروں سے
جلسہ گاہ میں جب بچوں اور ان کے بزرگوں نے بیٹھنا شروع کیا تو کرسیاں کم پڑ گئیں۔

مسعود احمد برکاتی

جناب حکیم محمد سعید

حاضرین توقع سے زیادہ تھے۔ ہوٹل اور ہمدرد کے کارکن جلدی جلدی کرسیاں لا کر بچھانے لگے۔
دیکھتے ہی دیکھتے کرسیاں پھر بھر گئیں اور ہال بھی بھر گیا۔ بہ قول شخصے تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔
تلاوتِ قرآن اور اس کے ترجمے سے جلسے کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد حکیم صاحب نے مائک سنبھالا۔
حکیم صاحب نے کہا کہ اس جلسے میں بچّے بھی ہیں اور بڑے بھی، اس لیے میں کون سی زبان استعمال
کروں۔ بہر حال میں کوشش کروں گا کہ دونوں کی زبان میں بات کروں۔ اس کے بعد حکیم صاحب
نے شام ہمدرد کے متعلق فرمایا کہ یہ اس ملک کا منظم اور موقر پلیٹ فارم بن گیا ہے اور اس
کے ذریعے سے ملک کے بہترین دماغوں نے مختلف مسئلوں پر قوم کی رہنمائی کی ہے۔ بزم ہمدرد نونہال
بچوں کے لیے ان شاء اللہ ایسا ہی ایک پلیٹ فارم اور ادارہ بن جائے گی جو اپنی مثال آپ ہوگی۔
بزم کے مقاصد یہ ہیں کہ بچوں کو زندگی کی دوڑ میں پُرجوش حصہ لینے کے لیے تیار کرنا، ان کو

حاضرین بزم

پاکستان کا اچھا شہری بنانا، ان میں پاکستان کی محبت اور تعمیر کا جذبہ بیدار کرنا، علم کا شوق پیدا
کرنا، ان کی تربیت کا اور آپس میں میل محبت کا ماحول پیدا کرنا، بزرگوں کا اور آپس میں
ایک دوسرے کا احترام و لحاظ کرنا۔ اس بزم کو آج سے دس سال پہلے قائم ہو جانا چاہیے تھا،
لیکن طرح طرح کی مصروفیات اور ذمے داریوں نے ایسا نہ ہونے دیا، لیکن ہم بچوں کی خدمت
ہمدرد نونہال کے ذریعے سے کرتے رہے اور ہم نے اس رسالے کو بچوں کا سب سے اچھا رسالہ
بنانے پر اپنی پوری توجہ صرف کی اور الحمد للہ ہمدرد نونہال اب پاکستان کا اور اردو کا بچوں کے
لیے سب سے بامقصد اور کام یاب رسالہ ہے۔ اس کے پڑھنے والوں کی تعداد کم سے کم ۳-۴
لاکھ ہے۔ اس طرح ہمدرد نونہال ہر مہینے لاکھوں بچوں تک صحت مند تفریح اور مفید معلومات
پہنچاتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمدرد نونہال، قوم کے نونہالوں کی ذہنی تربیت میں مفید ثابت
ہوگا۔ اس بات کو دل چسپی سے سُنا جائے گا کہ آج کے بہت سے بڑے بڑے آدمی اپنے بچپن
میں ہمدرد نونہال پڑھتے رہے ہیں۔ ان کی تربیت کا فخر اس رسالے کو حاصل ہے۔
بچے جس شوق و ذوق اور وقت کی پابندی سے آج کی بزم میں شریک ہوتے ہیں، اس
کو دیکھ کر میرا دل خوش ہو گیا۔ یہ انتظام عارضی ہے، جب مدینۃ الحکمت میں "بچوں کا شہر" آباد
ہو جائے گا تو ان شاء اللہ بزم ہمدرد نونہال کے پھول وہاں کھلیں گے۔

اس کے بعد حکیم صاحب نے جناب پیر علی محمد راشدی کے متعلق کہا کہ انھوں نے بہت سے میدانوں میں نمایاں کام کیے ہیں۔ پاکستان قائم کرنے کی کوشش میں وہ شریک رہے ہیں۔ ایڈیٹر، صحافی، وزیر، سفیر اور بہت سی حیثیتوں سے انھوں نے ملک کی خدمت کی ہے۔ اب پیر صاحب اپنی کہانی خود سنائیں گے تو آپ کو اُن کی خدمات کا خود اندازہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد راشدی صاحب نے اپنی زندگی کے مزے دار واقعے سُنائے اور بتایا کہ انھوں نے بہت کم عمری میں سندھی، انگریزی اور اردو سیکھ لی تھی۔ ۱۵ سال کی عمر میں ایڈیٹر ہو گئے تھے۔ انھوں نے کہا کہ آدمی کو مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ انھوں نے بتایا کہ پاکستان بڑی نعمت ہے۔ پاکستان سے پہلے سندھ میں ہندو جو ظلم اور زیادتی کرتے تھے اس کے بارے میں انھوں نے چند قصّے سُنائے اور پاکستان قائم کرنے میں جو مشکلات پیش آئیں اُن کا ذکر کیا۔ راشدی صاحب نے بچّوں کو نصیحت کی کہ علم حاصل کرنے پر سب سے زیادہ توجہ دیں اور خوب علم حاصل کر کے پاکستان کی خدمت کریں۔

راشدی صاحب کی تقریر کے بعد مدیرِ اعلا ہمدرد نونہال جناب مسعود احمد برکاتی نے جناب حکیم محمد سعید صاحب اور جناب پیر علی محمد راشدی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ بچّے ہی ہمارے مستقبل کی امید ہیں۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ نونہالوں میں ہم سے زیادہ ذہانت اور صلاحیت ہے۔ اگر ہم ان کی صحیح تعلیم و تربیت کر دیں تو پھر ہمیں پاکستان کے مستقبل کی طرف سے کوئی تشویش نہیں ہو گی۔ برکاتی صاحب نے بچّوں سے کہا کہ آج آپ کو جو سہولتیں حاصل ہیں ہمیں اپنے بچپن میں میسر نہیں تھیں، اس لیے آپ کو اُن سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ سیکھنا چاہیے۔ بزمِ ہمدرد نونہال کا مقصد یہی ہے کہ بچّے اور بڑے ملیں اور کچھ ہم آپ سے سیکھیں اور کچھ آپ بزرگوں سے سیکھیں۔ زندگی کا راز سیکھنے میں پوشیدہ ہے۔ سیکھنے والا ہر ایک سے سیکھ سکتا ہے۔ ہم حکیم صاحب اور راشدی صاحب کے شکر گزار ہیں۔ جن بچّوں نے بزمِ نونہال کے کوپن (اپریل ۸۵ء) بھر کر نہیں بھیجے ہیں وہ اب بھیج دیں۔ کوپن کی نقل کر کے بھی بھیج سکتے ہیں۔

اس کے بعد اسٹیج سکریٹری جناب تصویر حسین حمیدی نے اعلان کیا کہ آج پیر علی محمد راشدی صاحب ماشاءاللہ اسّی سال کے ہو گئے اور حاضرین میں سے ایک بچّے عامر طاہر کی بھی آج گیارہویں سال گرہ ہے۔ لہٰذا پیر صاحب اور عامر طاہر کیک کاٹیں گے۔ جیسے ہی پیر صاحب نے کیک کاٹا ہپی برتھ ڈے ٹو یو اور سال گرہ مبارک کی آوازوں سے ہال گونج اُٹھا۔ اس کے بعد تمام حاضرین کی کیک اور چائے سے تواضع کی گئی اور یہ پُر رونق محفل اختتام کو پہنچی۔

مُسکراتے رہو

ایک صاحب کے دو بچّے اپنی سی پوری کوشش ...تے تھے کہ کوئی انھیں پڑھا نہ دے۔ حساب سے ...خاص طور پر بچتے تھے۔ آخر وہ صاحب عاجز آ گئے ...اخبار میں استاد کے لیے اشتہار نکلوا دیا۔ ایک ...آئے اور بڑی استادی سے انھوں نے بچّوں کی ...پسند کا پتا چلا لیا۔ بچّوں کو خرگوش بے حد پسند ...۔ چناں چہ وہ چھے خرگوش لے کر بچّوں کے پاس ...۔ خرگوش دیکھ کر بچّے بہت خوش ہوئے اور اُن ...کھیلنے لگے۔ استاد بولے، "بچّو! بھلا بتاؤ تو سہی ...کتنے ہیں؟" ایک بچّے نے گن کر جواب دیا، "چھے۔" ...ستاد نے تین خرگوش چھپا لیے اور پھر پوچھا، "اب کتنے ...رہ گئے؟" ایک بچّے نے پھر گنا اور بولا، "تین!" ...ایک چھوٹا بچّہ بڑے بچّے کو ایک طرف لے گیا ...اُس کے کان میں کہا، "خبردار! میرے دل میں شبہ ...ہے۔ ذرا ہوشیار رہنا۔ کہیں یہ آدمی باتوں باتوں میں ...حساب نہ پڑھا دے۔ مرسلہ: سید آصف مصطفےٰ، کراچی

★ گاہک (دُکان دار سے) تم نے یہ بھینگا لڑکا کیوں ملازم رکھا ہے؟

دُکان دار: تاکہ چوری کم ہو۔

گاہک: وہ کیسے؟

دُکان دار: کیوں کہ یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ لڑکا دیکھ کہاں رہا ہے۔ مرسلہ: موسیٰ محمود، لاہور

★ بڑی بہن: (چھوٹی بہن سے) بے بی، ذرا دیکھو آڈ چاول اُبل تو نہیں رہے؟

چھوٹی بہن: باجی اُبل تو نہیں رہے، اگر رہے ہیں۔

★ کلاس ٹیچر: تم میری کلاس میں نہیں سو سکتے۔

طالبِ علم: سو سکتا ہوں سر، اگر آپ زور سے نہ بولیں۔

★ ایک زرعی کالج کے طالبِ علم نے باغبان سے کہا، "تمھاری باغ بانی کے طریقے بہت پرانے ہیں۔ اگر تمھارے اس درخت سے پانچ سیر سیب بھی پیدا ہو

جائیں تو بڑی بات ہو گی۔"

باغ بان بولا، "حیرت تو مجھے بھی ہو گی، اس لیے کہ جس درخت کا آپ ذکر کر رہے ہیں وہ سیب کا نہیں آڑو کا ہے۔"

مرسلہ: نسیم اختر، کراچی

★ گاہک: (دُکان دار سے) دال ہے؟

دُکان دار: نہیں۔

گاہک: چینی ہے؟

دُکان دار: نہیں۔

گاہک: نمک ہے؟

دُکان دار: نہیں، یہ پرچون کی دُکان ہے دفترِ معلومات نہیں ہے۔

مرسلہ: محمد صدیق، سکھر

★ ایک بچّے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ چھٹی کے لیے کیا عذر پیش کرے۔ بہت غور و فکر کے بعد اس نے اپنے استاد کو یہ درخواست لکھ کر پیش کی:

"جناب! میرے دادا کی شادی ہے، اس لیے کل میں کلاس میں حاضر نہ ہو سکوں گا۔"

استاد نے کہا، "بیٹے، تمھارے دادا اس عمر میں شادی کیوں کر رہے ہیں؟"

شاگرد: "وہ تو ابھی نہیں کرتے، میں خود ہی زبردستی کرا رہا ہوں۔"

مرسلہ: شکیلہ اظہار، کراچی

★ ایک دیہاتی بڑی بی کو پہلی بار سفر درپیش ہوا۔ بس اسٹینڈ پر بس کھڑی تھی، مگر بیٹھنے کو جگہ نہ تھی۔ ڈرائیور اُتر کر ہوٹل میں چائے پینے گیا تو بڑی بی اُس کی خالی نشست پر بیٹھ گئیں۔ ڈرائیور لوٹا تو حیرت سے بولا، "اماں، میری جگہ چھوڑ دو۔" بڑی بی لجاجت سے بولیں، "بیٹا، تم تو جوان آدمی ہو، کھڑے کھڑے بھی چلے جاؤ گے، میں کیسے کھڑی رہوں گی؟"

مرسلہ: شمیلہ نسرین، اسلام آباد

★ پہلا دوست: چلو مزمل سے مل آئیں۔

دوسرا دوست: نہیں میں نہیں جاؤں گا۔

پہلا دوست: کیوں؟

دوسرا: وہ مجھے گھاس ہی نہیں ڈالتا ہے۔

پہلا: تو کیا ساری خود ہی کھا جاتا ہے؟

★ ہوا باز: اب میں پرندوں کی طرح اُڑ سکتا ہوں۔

بچہ: (معصومیت سے) کیا آپ ان کی طرح بجلی کے تاروں پر بھی بیٹھ سکتے ہیں؟

★ ایک نوجوان جوڑا اپنے ماہانہ بِلوں کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ خاوند نے بیوی سے کہا، "اس ماہ اخراجات بہت زیادہ ہو گئے ہیں۔ حیران ہوں کہ بجلی کا بل ادا کروں یا ڈاکٹر کا۔" بیوی نے مشورہ دیا، "بجلی کا بل ادا کر دو، ڈاکٹر ہمارا دورانِ خون تو بند کرنے سے رہا۔"

مرسلہ: فرخ ریحان احمد خانزادہ، دولت پور

★ "کیا آپ کی گھڑی صحیح وقت بتاتی ہے؟"

"نہیں جناب، خود دیکھنا پڑتا ہے۔"

★ ایک غائب دماغ شخص نے عبادت گاہ سے نکلتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا، "اب بتاؤ، غائب دماغ میں ہوں کہ تم؟ تم نے اپنی چھتری وہیں چھوڑ دی تھی میں نے نہ صرف اپنی چھتری یاد رکھی بلکہ تمھاری چھتری بھی لے آیا۔"

"لیکن آج تو ہم دونوں میں سے کوئی بھی چھتری نہیں لایا تھا۔"

مرسلہ: فوزیہ جیلانی قریشی، کراچی

★ ماں: بیٹے، اگر تم ہاتھ دھو لو تو ایک بسکٹ دوں گی۔ اگر منھ دھو لو تو دو بسکٹ دوں گی اور اگر پیر بھی دھو لو تو تین بسکٹ دوں گی۔

بچہ: امی، اگر میں نہا لوں تو آپ پورا ڈبّا دیں گی۔

مرسلہ: عبداللہ بن جوہر، گوادر

★ ایک آدمی نے چہرے اور سر پر پٹیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ اس کے دوست نے اُس سے پوچھا، "تم کس طرح زخمی ہوئے؟" اس نے کہا، "ایک آدمی کو میں نے کار سے ٹکر ماری تھی۔"

دوست نے پھر کہا، "تو اُسے زخمی ہونا چاہیے تھا، تم زخمی کیسے ہو گئے؟" اس نے کہا، "کل اس آدمی سے ملاقات ہو گئی تھی۔"

مرسلہ: خالد محمود قریشی، کراچی

★ ایک صاحب نے اپنی بیوی کی تصویر اپنے دوست کو دکھاتے ہوئے کہا، "دیکھو دوست، اللہ نے بیوی کے روپ میں میرے لیے جنّت سے حور بھیجی ہے۔" دوست نے تصویر ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا، "ہاں یہ تو ڈیل سے بھی ظاہر ہے کہ بھابی سیدھی منھ کے بل آ کر گری ہیں۔"

مرسلہ: قاضی محمد آصف، کراچی

★ "ابا، ابا، ماسٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ نیا اٹلس خرید لاؤ۔"

"ان سے کہنا کہ کچھ دن اور ٹھیر جائیں، دنیا کو تھوڑا سا اور بگڑ جانے دیں۔"

مرسلہ: ملک عطا حسین، کراچی

★ فرم کا مالک: آپ نے یقیناً اس عہدے کے لیے ساری شرائط پڑھی ہوں گی۔ ہمیں ایک ایسے افسر کی ضرورت ہے جو انتہائی صابر اور زبردست قوتِ برداشت کا مالک ہو۔

امیدوار: جی ہاں!

مالک: خوب، آپ کے پاس قوتِ برداشت، صبر، بردباری اور درگزر کرنے کی صلاحیتوں کا کوئی ثبوت ہے؟

امیدوار: جی ہاں، پہلا ثبوت تو یہ ہے کہ میری دو بیویاں ہیں، دوسرا یہ کہ دونوں کی مائیں ہفتے میں دو بار میرے گھر آتی ہیں، تیسرا یہ کہ میرے دس بچے ہیں، چوتھا یہ کہ پڑوسی گزشتہ پانچ سال سے پکا راگ سیکھنے کی کوشش کر رہا ہے اور پانچواں یہ کہ میں سات سال سے ایک دیوانی مقدمہ لڑ رہا ہوں......

مالک: بس، بس آپ آج ہی سے اپنے آپ کو ملازم سمجھیے۔"

مرسلہ: ساجد عرفان، کراچی

★ ایک عورت: ڈاکٹر صاحب، میرے بیٹے کا قد بہت لمبا ہے، کیا اس کا کچھ علاج ہو سکتا ہے؟

ڈاکٹر: جی ہاں، بچّے کا نام بدل کر شرافت رکھ دیں، چند دنوں میں قد گھٹ جائے گا۔

مرسلہ: نامعلوم

★ ماں: ارشد، تم نے اپنی چھوٹی بہن کو کیوں مارا؟

ارشد: ہم آدم اور حوّا کا کھیل کھیل رہے تھے کہ نھّی نے مجھے کھاتے پر اُکسانے کے بجائے خود ہی سارا سیب کھا لیا۔

مرسلہ: احمر کاشف، کراچی

★ "کیا ہوا خالد، تم رو کیوں رہے ہو؟"

"ماسٹر صاحب بیمار تھے نا..... وہ....."

"کیا وہ فوت ہو گئے؟"

"نہیں، اب تو درست ہو گئے ہیں۔"

مرسلہ: احمد اقبال، کراچی

★ ناصر: امّی، میرے دوست کی سال گرہ ہو رہی ہے، کون سا تحفہ دوں؟

امی: ریشمی رومال دے دینا۔

ناصر: مگر یہ تو چھوٹا تحفہ ہے۔

امی: (غصّے سے) تو پھر بوری دے دینا۔

★ استاد: (شاگرد سے) دنیا میں سب سے بدقسمت شخص کون ہے؟

شاگرد: جناب، میں۔

استاد: (حیرت سے) وہ کیسے؟

شاگرد: کئی ماہ سے ہمدرد نونہال میں لطیفے بھیج رہا ہوں، لیکن شائع ہی نہیں ہوتا۔

مرسلہ: نسیم اختر، کراچی

★ بیٹا: امّی جان، میری قیمت کتنی ہو گی؟

ماں: بیٹا، تمھاری قیمت تو ہزاروں لاکھوں سے بھی زیادہ ہو گی۔

بیٹا: تو پھر امّی، ان ہزاروں لاکھوں روپوں میں سے ایک چونّی مجھے دے دیں۔

★ ایک میراثی بہت غریب ہو گیا اور جب کھانے کو کچھ نہ رہا تو اپنی بیوی سے کہنے لگا، "بچّوں کو ننھیال بھیج دو اور تم خود اپنی والدہ کے گھر چلی جاؤ۔ میرا اللہ مالک ہے، میں سسرال چلا جاؤں گا۔"

مرسلہ: نازنین فاروق، شکارپور

★ رات کے گیارہ بج گئے اور باراتیوں کو کھانا نہیں ملا۔ بڑے انتظار کے بعد منتظمین ہاتھ دھونے کے لیے پانی لائے۔ ایک طرف میراثی بیٹھے گا گا کر تھک گئے تھے۔ پانی والوں کو دیکھ کر وہ بولے، "لائیے، اس طرف سے شروع کریں۔" میراثی کے اس طنز پر مہمانوں کو غصّہ آ گیا۔ تاؤ کھاتے ہوئے بولے، جوتے لگاؤ ان بدتمیزوں کے!

میراثی بولے، اچھا یہ بات ہے، تو پھر اُسی طرف سے شروع کر دیں۔

مرسلہ: شاہ جہاں علی شاہی، کراچی

★ ایک آدمی کا بیٹا دریا میں ڈوبا تو ایک شخص نے اسے نکال لیا۔ اس شخص کے باپ سے کہا، "خدا کا شکر ہے کہ میں وقت پر آ گیا اور آپ کے بیٹے کو دریا سے نکال لیا۔"

لڑکے کا باپ بولا، "چھوڑو بھئی اس لمبی چوڑی تفصیل کو، یہ بتاؤ کہ اس کی جیب میں جو چونّی تھی وہ کہاں گئی؟"

مرسلہ: محمد حبیب دھوی، راجن پور

★ ایک دوست: بتاؤ کیسا پرچہ کر کے آئے ہو؟

دوسرا دوست: خالی دے کر آیا ہوں۔ سناؤ تمھارا کیسا ہوا؟

پہلا دوست: میں بھی خالی دے کر آیا ہوں۔

دوسرا دوست: پھر تو غضب ہو گیا، وہ سمجھیں گے کہ ہم دونوں نے نقل کی ہے۔

مرسلہ: محمد غلام حسین میمن، حیدرآباد

★ رات کی تاریکی میں ایک راہ گیر نے دوسرے راہ گیر کا راستہ روک کر اور خنجر دکھا کر کہا، "جو کچھ تمھاری جیب میں ہے نکالو۔" دوسرے نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکالا اور بولا، "میرے پاس تو یہی کچھ ہے اب تم بتاؤ تمھارے پاس کیا کیا ہے؟"

مرسلہ: نورحسن عزیز، کراچی

★ بیٹا: ابّا جان، میں اتنا بڑا کب ہوں گا کہ امّی جان سے پوچھے بغیر باہر جا سکوں۔

باپ: اتنا بڑا تو میں بھی ابھی تک نہیں بنا ہوں کہ تمھاری امّی سے پوچھے بغیر باہر جا سکوں۔

مرسلہ: مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خان

★ ایک کنجوس اپنے بیٹے کی کامیابی پر خوش ہو کر کہنے لگا، "بیٹا، جو مانگنا ہے مانگو۔"

بیٹا: ابّا جان، ایک منٹ سوچنے کے لیے دیں۔

باپ: ٹھیک ہے۔

بیٹا کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا، "مجھے ایک کار لے دیں۔"

باپ: تم نے سوچنے کے لیے ایک منٹ مانگا تھا، وہ دے دیا، اب عیش کرو۔

مرسلہ: سیدہ ارم اشارت، کراچی

★ ایک عورت: (اپنی سہیلی سے) عائشہ: مجھے باتیں کرتے ہوئے ابھی پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ شگفتہ نے مجھے بے سمجھ باتونی کہہ دیا۔

سہیلی بولی، اچھا، اس نے اتنی دیر لگائی۔

مرسلہ: نامعلوم

★ مُلّا نصرالدین کا پڑوسی ایک دن مُلّا کے پاس آیا اور اس سے گدھا مانگا۔ مُلّا نے کہا، گدھا گھر میں نہیں ہے۔ اتنے میں اندر سے گدھے کے رینکنے کی آواز آئی۔

پڑوسی نے کہا، "آپ تو کہتے تھے کہ گدھا گھر میں نہیں ہے، یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟"

مُلّا نے کہا، "عجیب بے وقوف آدمی ہو۔ مجھ پر اعتبار نہیں کرتے ہو اور گدھے کے رینکنے پر اعتبار کر رہے ہو۔"

مرسلہ: سید علی اصغر شاہ، نواب شاہ

★ ایک پروفیسر صاحب اپنے ایک دوست کے گھر رات کے کھانے پر گئے۔ اپنے ساتھ لالٹین اس خیال سے لے گئے کہ شاید رات میں زیادہ دیر ہوجائے اور اندھیرا بڑھ جائے۔ کھانے سے فارغ ہوتے ہوتے کافی رات ہو گئی اور وہ اندھیری رات میں اپنے گھر واپس آ گئے۔

دوسرے دن اُن کے دوست نے اپنے ملازم کو ایک رقعہ دے کر ان کے پاس بھیجا "پروفیسر صاحب، آپ کے جانے کے بعد آپ کی یہ لالٹین ملی، جو بھجوا رہا ہوں۔ مہربانی کر کے میرے توتے کا پنجرہ واپس بھجوا دیں۔" مرسلہ: ندیم احمد خان زادہ، سکرنڈ

★ باپ نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا "بیٹا، محنت دنیا میں اپنا انعام ضرور دیتی ہے۔ اب تم یہی دیکھو کہ میں جس دُکان کا مالک ہوں اس پر دس رُپے ماہوار ملازم ہوا تھا، مگر اَن تھک محنت سے آج اس کا مالک ہوں۔"

بیٹے نے جواب دیا "درست ہے ابّو، مگر اب وہ دَور نہیں رہا۔ اب تو دُکان دار ایک ایک پیسے کا حساب رکھنے لگے ہیں۔" مرسلہ: محمد صابر حسین، حیدر آباد

★ ایک شخص ڈاک خانے کا لیٹر بکس چُرا کر بھاگا جا رہا تھا کہ ایک سپاہی مل گیا۔ سپاہی نے پوچھا، "کیوں بھئی، یہ لیٹر بکس کہاں لے جا رہے ہو؟"

چور بولا "جناب، کیا آپ نہیں جانتے حکومت نے آج سے محکمۂ ڈاک کا گشت کرنے والا لیٹر بکس شروع کیا ہے؟"

سپاہی جوتا اُتار کر چور کو مارتے ہوئے بولا، "کیا تمھیں معلوم نہیں کہ محکمۂ ڈاک نے مہر لگانے کا کام میرے سپرد کیا ہے۔" مرسلہ: نامعلوم

★ ننھا: دادی اماں، ذرا پمپ دیجیے گا فُٹ بال میں ہوا بھرنی ہے۔

دادی اماں: یہ لو، مگر ساری ہوا مت بھر لینا، تمھارے ابّو کو بھی سائکل میں ہوا بھرنی ہے۔

مرسلہ: عظمیٰ سعید، حیدر آباد

★ ایک شخص شربت والے کے پاس گیا اور کہا، "ایک گلاس شربت دینا میری لڑائی ہونے والی ہے۔"

شربت والے نے شربت دے دیا۔ اس شخص نے شربت پی کر کہا "ایک گلاس اور دینا میری لڑائی اب ہونے والی ہے۔"

اس طرح وہ دوسرا گلاس پی گیا اور پھر بولا، "تیسرا گلاس بھی دے دینا۔ اب تو لڑائی ہونے ہی والی ہے۔"

شربت والے نے تنگ آ کر کہا "آخر تمھاری لڑائی کس سے اور کہاں ہونے والی ہے؟"

وہ بولا "میرے پاس چوں کہ پیسے نہیں ہیں اس لیے تم سے لڑائی ہونے والی ہے۔"

مرسلہ، شوکت علی ظہور احمد، کراچی

*

نونہال ادیب

بعض نونہال دوسرے شاعروں کی نظم نقل کر کے بھیج دیتے ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں۔ جو نظم آپ کو پسند آئے اس کو نقل کر کے ہمیں بھیج دیجیے لیکن جس شاعر کی نظم ہے اس کا نام اور جس رسالے یا کتاب سے نقل کی ہے اس کا نام بھی لکھ دیجیے۔ ہم آپ کا نام بھی لفظ مرسلہ کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اس طرح آپ کی بدنامی کبھی نہیں ہو گی، لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ آپ خود لکھنے کی کوشش کریں۔

حمد

مرسلہ: تصدق حسین، کراچی

سبھی کچھ خدا کا بنایا ہوا ہے
یہ گلشن اسی کا لگایا ہوا ہے

یہ خوش رنگ پھل اور پھول پیارے پیارے
یہ دن اور سورج یہ چاند اور ستارے

یہ آگ اور مٹی ہوا اور پانی
سبھی کچھ خدا ہی کی ہے مہربانی

ہر اک شے پہ میرے خدا کی نظر ہے
وہ سب جانتا ہے اُسے سب خبر ہے

اُجالا ہو یا چھا رہا ہو اندھیرا
ہے اس کی نظر میں ہر اِک کام میرا

نعت

مرسلہ: حلیمہ رشید، جہانیاں

ہمارے دلوں کے سہارے محمدؐ
نہ کیوں جان و دل سے ہوں پیارے محمدؐ

خدا نے بُلایا انھیں آسماں پر
بڑی شان والے ہمارے محمدؐ

بنیں کام بگڑے ہوئے اس کے سارے
جو صدق و صفا سے پکارے محمدؐ

غریبوں یتیموں کے کام آنے والے
ہیں دکھیا دلوں کے سہارے محمدؐ

ہمارے دلوں کے سہارے محمدؐ
نہ کیوں جان و دل سے ہوں پیارے محمدؐ

قائدِ اعظم ۔ چند تاریخیں

خالد محمود قریشی، کراچی

★ قائدِ اعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو کراچی میں پیدا ہوئے۔

★ قائدِ اعظم کے والد کا نام جینا پونجا تھا۔

★ انھوں نے ابتدائی تعلیم "سندھ مدرسہ" اور "چرچ مشن اسکول" میں حاصل کی۔

★ انھوں نے قانون کی تعلیم انگلستان کے تعلیمی ادارے لنکنز ان میں حاصل کی۔

★ ۱۹۰۹ء میں وہ قانون ساز اسمبلی کے رُکن بنے۔

★ ۱۹۱۳ء میں وہ مسلم لیگ کے رکن بنے اور وہ مسلم لیگ کے اجلاس میں پہلی مرتبہ رکن کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

★ قائدِ اعظم پر قاتلانہ حملہ "رفیق صابر مزنگوی" نے کیا۔

★ ۱۹۲۹ء کو قائدِ اعظم نے سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا۔

★ ۷۔ اگست ۱۹۴۷ء کو قائدِ اعظم پہلے نامزد گورنر جنرل کی حیثیت سے کراچی تشریف لائے۔

★ قائدِ اعظم کے ذاتی معالج کرنل الٰہی بخش تھے۔

★ قائدِ اعظم کی وفات ۱۱۔ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔

★ قائدِ اعظم کا انتقال ہفتے کے دن ہوا۔

★ قائدِ اعظم نے ۷۱ سال ۸ ماہ اور ۱۸ دن کی عمر میں رحلت فرمائی۔

★ قائدِ اعظم کی نمازِ جنازہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے پڑھائی تھی۔

★ قائدِ اعظم کے مقبرے کے لیے کُل زمین کا رقبہ ۶۱۵۰۰۰ مربع گز ہے۔

لاہور

محمد مبشر، لاہور

دریائے راوی کے کنارے لاہور کا قدیم شہر ہے جسے راجا رام چندر جی کے بیٹے نے بسایا تھا۔ بعض تاریخوں میں لہور یا لہاور بھی لکھا ہے۔ مدتوں بعد انقلابِ زمانہ سے اس کی آبادی گھٹ کر قدرے قلیل رہ گئی۔ تب پنجاب کا دارالسلطنت سیال کوٹ قرار پایا۔ پھر جب محمود غزنوی نے ہندستان فتح کیا تو مُلک ایاز جو سلطان کا منظورِ نظر سردار اور فہم و فراست میں بے نظیر تھا لاہور کو آباد کرنے پر متوجہ ہوا۔ پختہ قلعہ بنوایا اور شہر کو از سرِ نو آباد کیا۔ محمود غزنوی کی اولاد میں سے خسرو شاہ نے اور اسی کے بیٹے خسرو ملک نے اس صوبے کو دوبارہ فتح کر کے لاہور کو دارالحکومت قرار دیا۔ ۲۸ سال تک اس کی اولاد نے بادشاہت کی۔ پھر کسی مسلمان بادشاہ نے لاہور میں بود و باش نہ رکھی، اس لیے رونق کم ہو گئی۔ ایک مدت کے بعد سلطان بہلول لودھی کے ایک امیر تاتار خان نے

اسے اپنا دارالسلطنت ٹھیرایا۔ اس کے بعد مرزا کامران ولد بابر نے یہاں بود و باش اختیار کی تو آبادی پھر بڑھ گئی۔

سب سے آخر میں اکبر نے ایک مضبوط قلعہ، شاہی قصر اور شہر پناہ بنا کر اس کی رونق کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ پھر جہانگیر نے ایک عالی شان عمارت تعمیر کی جو آج تک باقی ہے۔

غرض ان مغل سلاطین اور شہزادوں کے قیام کی بہ دولت نیز ابوالحسن آصف خان برادر نور جہاں جیسے اُمرا کی وسیع حویلیوں سے شہر کی آبادی میں اضافہ ہوا۔ اورنگ زیب عالم گیر کے دور میں دریائے راوی نے اپنا رُخ بدلا تو عالم گیر نے دو کوس لمبا بند بنوایا، تاکہ شہر کو نقصان نہ پہنچے۔ لاہور میں بہت سی تاریخی عمارات ہیں جن میں سے زیادہ کا تعلق مغل خاندان سے ہے۔ مثلاً شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد اور دوسرے مقبروں کے علاوہ شالامار باغ جسے شاہ جہاں نے باغِ کشمیر کے نمونے پر بنوایا تھا۔ ایک دل فریب تفریح گاہ ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور بزرگانِ دین کے مزار ہیں اور عہدِ حاضر کی جدید عمارات بھی۔

میری کتاب

مرسلہ: عارض مہر شیخ، حیدر آباد

میرا دل لبھاتی ہے میری کتاب
بہت مجھ کو بھاتی ہے میری کتاب
سُناتی ہے مجھ کو لطیفے کبھی
خوشی سے ہنساتی ہے میری کتاب
پرانے زمانے کے قصّے کبھی
مزے سے سُناتی ہے میری کتاب
کراتی ہے اونچے مقاموں کی سیر
ہوا میں اُڑاتی ہے میری کتاب
پہاڑوں کے جھیلوں کے دریاؤں کے
نظارے دکھاتی ہے میری کتاب
مجھے صاف رہنے کے اچھے اصول
سکھاتی پڑھاتی ہے میری کتاب
اگر دل کسی وقت ناشاد ہو
مجھے یاد آتی ہے میری کتاب

کتب خانے ترقی کی اساس ہیں

سید شہزاد عالم، کراچی

علم کے پھیلاؤ میں کتابوں کا کردار محتاجِ بیان نہیں ہے۔ کتابیں طالبِ علم کے ذہن میں علم کے چراغ جلاتی ہیں، جن کی روشنی میں وہ علم کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے اور اپنی منزل خود تلاش کرتا ہے۔ اچھی کتابوں کا وجود ایک نعمت سے کم نہیں، کیوں کہ ان سے نیکیوں کے چشمے پھوٹتے ہیں اور ذہنوں کی فکر کو جِلا ملتی ہے۔ کتابوں کا مطالعہ ذہن کی حدوں کو وسیع کرتا ہے اور سوچنے سمجھنے کی قوّت میں اضافہ کرتا ہے۔

حصول علم کے لیے مطالعہ ایک بنیادی ضرورت ہے، کیوں کہ اس سے کم وقت میں وہ باتیں سیکھی جا سکتی ہیں، جن کے لیے عملی طور پر ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمی دنیا میں کتب خانوں کا وجود صحرا میں پانی کی حیثیت رکھتا ہے۔

مطالعہ ایک ایسا دریچہ ہے جس کے ذریعہ سے ہم گزرے ہوئے زمانے میں جھانک سکتے ہیں۔ اُن لوگوں سے مل سکتے ہیں جو اب موجود نہیں ہیں۔ ان کے حالات جان سکتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کے فیصلوں کے غلط یا درست ہونے کا اندازہ اور فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ان کی روشنی میں ہم اپنے اقدامات کی درست سمت متعین کر سکتے ہیں اور اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں جن سے ملک و قوم کی بھلائی مقصود ہو۔ کتابیں ایسے ذہن پیدا کرتی ہیں جو اعلا فکری صلاحیتوں کے حامل ہوں، جن میں قیادت کا جذبہ موجزن ہو۔ جو اپنے پیش روؤں کی اعلا مثالوں کو اپنا آئیڈیل بناتے ہوئے اپنے ملک کی ترقی کا عزم کریں اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔ لہٰذا کتابوں کو ملک کی ترقی کی اساس قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہاں کتابوں سے مراد وہ کتابیں ہیں جنھیں واقعی کتابوں کا درجہ دیا جاسکے، جو نوجوانوں کی کردار سازی میں معاون ثابت ہوں، جو انھیں اخلاقی ڈھانچے میں ڈھال سکیں اور محبِ وطن پاکستانی بنا سکیں۔

ملکی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس ملک کے افراد اعلا صلاحیتوں کے حامل اور جدید ترقی سے واقف ہوں اور نت نئی تبدیلیوں سے اپنے آپ کو باخبر رکھیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لیے کتب خانوں میں ایسا مواد مہیا کیا جائے، جو انھیں جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکے اور وہ ترقی یافتہ اقوام کے ساتھ مل کر شانہ بہ شانہ چل سکیں۔ لیکن یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا ہے جب تک ہم اس کے لیے ایک خاص ماحول پیدا نہ کریں، لوگوں پر مطالعے کی افادیت اور اہمیت کو اُجاگر کیا جائے۔ اور انھیں احساس دلایا جائے کہ ملکی ترقی اور خوش حالی کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے علم اور معلومات کو جدید علوم و فنون سے ہم آہنگ رکھیں، ساتھ ساتھ اپنے کردار اور ملی تشخص کو بھی برقرار رکھیں۔ چناں چہ کتب خانوں کا زیادہ سے زیادہ تعداد میں وجود اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ ملک و قوم کو اچھے ذہن اور اچھے کردار کے حامل معمار مہیا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اعلا معیار کے کتب خانے قائم کیے جائیں جن میں قدیم اور جدید موضوعات پر عمدہ قسم کا مواد موجود ہو۔ جو ہماری مستقبل کی قیادت میں کردار و عمل کی پختگی قائم کرے۔

چودھری رحمت علی

شازیہ خلیق، کراچی

لفظ "پاکستان" کے خالق اور معمارِ ملّت "چودھری رحمت علی" ۱۸۹۳ء میں ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ جالندھر سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اسی کالج سے ۱۹۱۹ء میں بی۔اے کیا۔ ۱۹۳۰ء میں اعلا تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے، جہاں سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ جنوری ۱۹۳۳ء میں جب کہ آپ کیمبرج یونی ورسٹی میں طالبِ علم تھے، آپ نے ایک پمفلٹ بہ عنوان "اب یا کبھی نہیں" شائع کیا۔ جس میں پہلی بار لفظ "پاکستان" لکھا گیا۔ آپ نے اس لفظ کے اجزائے ترکیبی کی وضاحت بھی کی۔

پاکستان کی جو اسکیم بالآخر مسلم لیگ نے اپنائی چودھری صاحب اس سے مطمئن نہ تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کچھ عرصے کے لیے یہاں آئے، لیکن پھر انگلستان چلے گئے اور کیمبرج میں فروری ۱۹۵۱ء میں انتقال کیا۔

وطن کا پاسبان

مرسلہ: منظور علی، سکھر

ہر اک کے دل میں ہے لگن
کھلے ہیں گُل چمن چمن
یہ چھن نہ جائے بانکپن
ترے ہی دم سے ہے وطن
وطن کا پاسبان بن

نہ دیکھ تُو اِدھر اُدھر
بلندیوں پر رکھ نظر
ہرے بھرے رہیں شجر
سدا کھلا رہے چمن
وطن کا پاسبان بن

کمی نہ ہو اُمنگ میں
نکھر ہر اِک رنگ میں
تُو زندگی کی جنگ میں
نہ کر خیال جان و تن
وطن کا پاسبان بن

جہاں میں اس کی شان ہے
یہ ارضِ پاکستان ہے
ہر اِک کے دل میں آن ہے
ہر اِک خوشی سے ہے مگن
وطن کا پاسبان بن

حج کے فوائد

شازیہ صدیق، کراچی

۱۔ حج عالمِ اسلام کی یگانگت، اتحاد اور مساوات کا ایک بہترین مظاہرہ ہے۔

۲۔ مرکزِ توحید میں اکٹھا ہو کر حاجی ایک خدا کی پرستش، ایک نظامِ عمل کی پابندی اور ایک مقصد کے

یے جد وجہد میں شریک ہوتے ہیں اور ایک ہی امام کے اشاروں پر نقل وحرکت کر کے نظم وضبط کا ثبوت دیتے ہیں۔

۳۔ حج کی بہ دولت عالم اسلام میں نیک اخلاق کے جذبات پھلتے پھولتے ہیں۔

۴۔ حج بین الاقوامی سیاست و تجارت اور علم کی عالم گیر ترقیوں کا ضامن ہے۔

۵۔ حج کی بہ دولت مسلمانوں کو اپنی مرکزی عربی زبان سے واقفیت پیدا ہوتی ہے۔

حجرِ اسود

محسن رجب علی، نواب شاہ

اگر اللہ تعالیٰ کسی پتھر کو بھی اپنی طرف منسوب کرے تو اس کی منزلت اور عظمت اس قدر ہو جاتی ہے کہ اشرف المخلوقات کو اسے بوسہ دینا پڑتا ہے۔ بلکہ حبیب اللہ، سید الانبیاؐ نے بھی اسے بوسہ دیا ہے۔ سیاہ رنگ کا یہ پتھر کعبہ کی جنوب مشرقی دیوار میں نصب ہے۔ اس کے تین بڑے اور کئی مختلف شکلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں۔ یہ ٹکڑے اندازاً ڈھائی فیٹ قطر کے دائرے میں جڑے ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک یہ پتھر بہت مقدس ہے۔ جو مسلمان حج کرنے جاتے ہیں ان کے لیے لازم ہے کہ طواف کرتے ہوئے ہر بار حجرِ اسود کو بوسہ دیں۔ اگر ہجوم زیادہ ہو تو دور سے ہاتھ کے اشارے سے بھی بوسہ دیا جا سکتا ہے۔ اسلامی روایات کے مطابق جب حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند حضرت اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو حضرت جبرئیلؑ نے یہ پتھر لا کر دیا۔ اس وقت یہ پتھر روشن تھا جسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ہاتھوں سے دیوارِ کعبہ میں نصب کیا۔

ایک بار سیلاب نے کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچایا اور قریش نے دوبارہ اس کی تعمیر کی، لیکن جب حجرِ اسود رکھنے کا مسئلہ آیا تو قبائل میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ یہ سعادت اسے ہی نصیب ہو۔ رسول اللہؐ نے اس مہلک قضیہ کو طے کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حجرِ اسود کو ایک چادر میں رکھا اور تمام سرداران قبائل سے کہا کہ وہ چادر کے کونے کو پکڑ کر اٹھائیں چناں چہ سب نے مل کر چادر کو اٹھایا اور جب چادر اس مقام پر پہنچی جہاں اس کو رکھا جانا تھا تو آپؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس کو دیوارِ کعبہ میں نصب فرمایا اور اس طرح حضورؐ نے اس جھگڑے کو خوش اسلوبی سے نمٹایا۔

شہر کراچی

محمد آصف انصاری، ناظم آباد

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح ۱۸۷۶ء میں یہیں پیدا ہوئے تھے۔ اس زمانے میں یہ ایک چھوٹا سا شہر تھا لیکن ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے یہ پاکستان کا دارالحکومت بن گیا۔ اب یہ دارالحکومت نہیں رہا لیکن اب بھی یہ شہر دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ یہ تجارت، صنعت اور تعلیم کا ایک بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں لڑکے اور لڑکیوں کے لیے تین اسکول اور کالج ہیں۔

یہاں ایک بڑی بندرگاہ ہے جہاں مشرق اور مغرب کے تقریباً تمام ممالک کے مال بردار جہاز مال لاتے اور لے جاتے ہیں۔ یہاں بین الاقوامی ہوائی اڈہ بھی ہے۔ یہ ہوائی اڈہ دنیا کے بہترین ہوائی اڈوں میں سے ایک ہے۔

کراچی کی آبادی ساٹھ لاکھ سے زائد ہے۔ مختلف مذاہب کے لوگ یہاں رہتے ہیں۔ بیش تر آبادی مسلمانوں کی ہے۔ یہاں پر لوگوں کے رہنے سہنے کے طریقے مختلف ہیں۔ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔

کراچی کی سڑکیں بہت کشادہ اور خوب صورت ہیں۔ ایم۔ اے جناح روڈ اس کی ایک بہت اچھی مثال ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور سڑکیں بھی بہت مشہور ہیں۔ کراچی میں بہت سی عمارتیں بہت بلند و بالا اور عالی شان ہیں۔ مثلاً حبیب بینک پلازہ، نیشنل بینک آف پاکستان، کے۔ ڈی۔ اے کی بلڈنگ، اسٹیٹ بینک وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ کراچی سے کچھ فاصلے پر ہمدرد یونی ورسٹی کا سنگِ بنیاد ۲۷ رمضان ۱۴۰۵ھ کو صدرِ پاکستان نے رکھا ہے۔

کراچی کو "روشنیوں کا شہر" کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کراچی کو "عروس البلاد" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ شام ہوتے ہی ہر طرف ہزاروں بلب ٹیوب لائٹیں وغیرہ روشن ہو جاتی ہیں اور سارا شہر روشنیوں سے چمک اٹھتا ہے۔ خدا اس کو ہمیشہ روشن اور آباد رکھے۔

محنت

مرسلہ: نگہت اشفاق، کراچی

ننھے منے بچو آؤ
پڑھتے جاؤ بڑھتے جاؤ
محنت سے تم جی نہ چرانا
محنت ہی کو تم اپناؤ
کھیلو کودو وقت پہ لیکن
پڑھنے میں دل اپنا لگاؤ
علم ہی اول علم ہی آخر
خوب پڑھو اور خوب پڑھاؤ
عزت شفقت میل محبت
دیس کی خدمت کرتے جاؤ
عظمت حرمت محنت میں ہے
قائد کا پیغام سناؤ

قریہ قریہ بستی بستی
اپنے وطن کی شان بڑھاؤ
نگہت کی بس یہ ہی دعا ہے
پڑھ لکھ کر تم منزل پاؤ

ڈاکٹر عبدالسلام

نعیمہ رملہ، نواب شاہ

۱۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء کا دن پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم اور یادگار دن تھا جب سویڈن کے شہر اسٹاک ہوم سے اُس سال کے طبیعیات (فزکس) کے سب سے بڑے عالمی انعام "نوبیل پرائز" کا اعلان ہوا۔ یہ انعام دو امریکی سائنس دانوں اور ان کے ساتھ ایک پاکستانی سائنس دان کو ملا۔ نوبیل انعام حاصل کرنے والے یہ پہلے پاکستانی ڈاکٹر عبدالسلام تھے۔

یہ نوبیل انعام ایک سویڈش سائنس داں مسٹر الفرڈ نوبیل کی یاد میں دیا جاتا ہے، جو ایک بہت بڑے کیمیاداں اور انجینئر تھے۔ ان کی وصیت کے مطابق ایک فاؤنڈیشن بنائی گئی جو ہر سال فزکس، فزیالوجی، کیمسٹری، میڈیسن، ادب اور امن کے شعبوں میں نمایاں اور امتیازی کارنامہ سرانجام دینے والے کو انعامات دیتی ہے۔

یہ عظیم نوبیل انعام حاصل کرنے والے عبدالسلام ۲۹ جنوری ۱۹۲۶ء بروز جمعہ سنتوکھ داس میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے بے حد قابل اور ذہین تھے۔ ساڑھے چھے سال کی عمر میں اسکول داخل ہونے گئے تو ہیڈ ماسٹر نے ان کی قابلیت کو دیکھتے ہوئے انھیں سیدھا چوتھی جماعت میں داخل کر دیا۔ مطالعے کی عادت شروع ہی سے تھی۔ ۱۹۳۸ء میں مڈل پاس کر کے ضلع بھر میں اوّل آئے اور وظیفہ حاصل کیا۔ ۱۹۳۵ء میں عبدالسلام نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پنجاب یونی ورسٹی میں نہ صرف اوّل آئے بلکہ ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ اس وقت ان کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔

عبدالسلام اپنی چیزوں اور کتابوں کو ہمیشہ احتیاط اور ترتیب کے ساتھ رکھتے۔ اسکول ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ جاتے اور روز کا سبق روزانہ دہراتے۔ مضمون نویسی کا بہت شوق تھا، کئی مقابلوں میں حصہ لیا اور بے شمار انعامات جیتے۔ کتابوں کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کرتے تھے۔ عبدالسلام نہایت ہی محنتی اور ذمّے دار طالب علم تھے۔ ان کی والدہ کا کہنا ہے:

"سلام جب سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا تھا تو روز رات کو کہتا کہ امّی، مجھے پڑھنا ہے، آپ صبح سویرے چار بجے ضرور جگا دیں اور میں چار بجے ساڑھے چار بجے اُسے اُٹھانے کے لیے جاتی تو وہ پہلے ہی اپنی پڑھائی میں مصروف نظر آتا۔ کبھی ایسا نہ ہوا کہ وہ مجھے صبح سویرے سوتے ہوئے ملا ہو

...ے جگانا پڑا ہو۔ نہ معلوم وہ کب اور کتنے ...ے سے اُٹھ بیٹھتا تھا۔ اسے بچپن ہی سے ...ے محبت تھی اور ہمیشہ پڑھائی میں اوّل آتا۔"

۱۹۴۴ء میں عبدالسلام نے ایف۔اے میں ...ی صد نمبر لے کر صوبے بھر میں اوّل آنے کے ...ہ ساتھ نیا ریکارڈ بھی قائم کیا اور گولڈ میڈل ...ل کیا۔ ان کے بارے میں ان کی بہن کا کہنا ہے:

"بھائی جان بچپن ہی سے اپنی تعلیم میں ایسے ...ف رہتے کہ کبھی انھیں بے کار گپ شپ یا ...یل کود میں وقت ضائع کرتے نہیں دیکھا۔"

ایف۔اے کرنے کے بعد وہ گورنمنٹ کالج ...ہور میں داخل ہو گئے۔ وہاں بھی چودہ چودہ گھنٹے مسلسل پڑھائی کرتے رہے۔ ۱۹۴۲ء میں بی۔اے ...آنرز میں ہر مضمون میں اوّل آئے اور ساڑھے نوے ...فی صد نمبر لے کر ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔ یہاں اسکول ...سے ایم۔اے تک کُل سات میڈل حاصل کیے۔ ان کی ایک بہن محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ ان کی سادگی کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"بھائی جان کو کبھی اونچی آواز میں بات کرتے یا کسی سے گالی گلوچ کرتے نہیں دیکھا۔ سادگی بچپن ہی سے طبیعت میں تھی۔ بچپن میں گھر کے دُھلے ہوئے کپڑے پہنتے۔ خوراک کے معاملے میں والدین کو ہم سب کا بہت خیال رہتا تھا۔ ابا جان نے بازاری چیزوں سے ہمیں ایسا پرہیز بتایا ہوا تھا کہ کوئی بھی کبھی باہر سے لا کر کچھ نہ کھاتا تھا اور نمونہ ہمارے بھائی جان تھے۔"

ستمبر ۱۹۴۶ء میں عبدالسلام کو وظیفہ ملا اور وہ انگلستان کی کیمبرج یونی ورسٹی میں داخل ہوئے۔ اگلے ماہ سے انھوں نے ریاضی کا تین سالہ بی۔اے آنرز کا کورس شروع کیا، جس کے دوران وہ روزانہ ۱۲ سے ۱۶ گھنٹے پڑھتے تھے۔ یہ کورس انھوں نے صرف دو سالوں میں مکمل کر لیا اور ۱۹۴۸ء میں بی۔اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۴۹ء میں عبدالسلام واپس پاکستان آئے جہاں ان کی شادی ہو گئی۔ شادی کے چھے ہفتے بعد ہی وہ پی۔ایچ۔ڈی فزکس کے لیے کیمبرج یونی ورسٹی میں داخل ہو گئے۔ یہاں انھوں نے ایٹمی ذرات پر تحقیقات کا آغاز کیا۔ ان کے ذمّے ایک ایسا کام لگایا جس میں بڑے بڑے سائنس داں ناکام ہو چکے تھے۔ عبدالسلام نے تھوڑے سے وقت میں اس مسئلے کو حل کر دکھایا اور کیمبرج یونی ورسٹی سے اسمتھ انعام حاصل کیا۔ ان کا یہ تحقیقی مقالہ مشہور سائنس داں ڈائسن نے پڑھا تو خوش ہو کر عبدالسلام کو ایڈنبرا بلوا لیا اور بعد میں ڈائسن ہی کے کہنے پر انھیں پرنسٹن یونی ورسٹی (امریکا) بلوا لیا گیا جہاں انھیں دنیا کے چوٹی کے سائنس دانوں کے ساتھ کام کرنے اور اس صدی کے سب سے بڑے سائنس داں آئن اسٹائن

کو قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ دو سال مکمل ہونے پر انھیں یہ رعایت دی گئی کہ تیسرا سال پاکستان میں ریسرچ کر کے مکمل کریں۔

عبدالسلام اب کیمبرج واپس آئے اور اپنے نگران پروفیسر سے کہا کہ وہ انھیں ایک سند دے دیں کہ "میں نے دو سال پی۔ ایچ۔ ڈی کا کام تسلّی بخش کیا ہے۔" اس پر پروفیسر صاحب کہنے لگے، "میرے خیال میں آپ مجھے ایک سند لکھ دیں کہ آپ نے میرے ساتھ کام کیا ہے۔"

غرض ۱۹۵۱ء میں واپس پاکستان آئے اور ایک سال بعد تحقیقی مقالہ لکھ کر کیمبرج بھیجا اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جنوری ۱۹۵۴ء میں وہ دوبارہ کیمبرج چلے گئے اور وہاں لیکچرر مقرر ہو گئے۔ یہاں وہ بجلی اور مقناطیس کا مضمون پڑھاتے تھے۔ ان کے پڑھانے کا انداز انتہائی دل چسپ تھا۔

۱۹۵۷ء میں آپ کو امپیریل کالج لندن میں پروفیسر بنا دیا گیا۔ اس کے بعد بھی انھیں بہت سے میڈلز اور انعامات مختلف نظریات پیش کرنے پر ملتے رہے، لیکن سب سے بڑا انعام نوبیل پرائز انھیں ۱۹۷۹ء میں شاہ سویڈن کارل گستاف کے ہاتھوں ملا۔ آپ دس دن تک ملکہ اور بادشاہ کے مہمان رہے۔

پاکستان واپسی پر ڈاکٹر عبدالسلام کو اعلا ترین سول اعزاز نشانِ امتیاز دیا گیا۔ اسلام آباد اور ملتان یونی ورسٹی نے انھیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دیں۔

اسلام آباد یونی ورسٹی کے سربراہ نے کہا:

"سالہا سال کی تحقیق کے بعد ماہرینِ طبیعیات نے قدرت کی چار بنیادی قوتیں تلاش کر لیں۔ (۱) کششِ ثقل (۲) برقی مقناطیسی قوت (۳) کم زور جوہری قوت (۴) طاقت ور جوہری قوت۔

ماہرینِ طبیعیات یہ چاہتے ہیں کہ چار بہ ظاہر مختلف قوتوں کو ایک متحد قوت کا روپ دیا جائے۔ آئن سٹائن نے بھرپور کوشش کی کہ وہ کششِ ثقل کو بجلی کی قوت سے متحد کر سکے۔ عبدالسلام شیلڈن گلاشو اور سٹیون وینبرگ تمام لوگوں نے علاحدہ علاحدہ کام کر کے کم زور جوہری قوت اور برقی مقناطیسی قوت کو متحد کر دیا ہے...... یہ ایک انتہائی اہمیت کا حامل نظریہ ہے، جو انیسویں صدی میں فیراڈے اور میکسول کے بجلی اور مقناطیسیت کو ہم آہنگ کرنے کے تاریخی واقعے کے برابر ہے۔"

یقیناً اب وہ وقت بھی دُور نہیں جب طاقت ور جوہری قوت اور کششِ ثقل کی قوتیں بھی ختم ہو جائیں گی اور تب سائنس داں اس عظیم قوت کو ڈھونڈیں گے جس کے دَم سے یہ جہاں قائم ہے اور پھر..... وہ مجبور ہو جائیں گے یہ ماننے پر کہ وہ ایک ہی قوت ہے جس نے ان ساری قوتوں کو جنم دیا ہے اور وہ ہے اللہ۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو ۱۹۸۰ء تک دیے گئے ...قوامی اعزازات کی تعداد ۱۹ ہے اور ۱۹۸۱ء ...لنے والی ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریوں کی تعداد ...ہے۔

یہ عظیم سائنس داں آج بھی خاموشی سے ...ات میں مصروف ہے۔ اس نے اپنے انعام ...لنے والی تمام دولت سائنس اور اپنے وطن کے ...ردی۔ وہ دن دُور نہیں جب یہ عظیم شخص ...کی دنیا میں مزید انقلاب لائے گا۔ ان شاءاللہ۔

کوٹل اور تتلی

نورالصباح، کراچی

بہت دِنوں کی بات ہے کہ جب تتلی بول سکتی ...اور کوٹل کا رنگ سفید تھا۔ یہ کہانی بھی اُنھی ...وں کی ہے جب جنگل کا بادشاہ شیر کوٹل سے ...ے سُنتا تھا۔ انھیں دِنوں کسی جنگل سے ایک تتلی ...ی۔ اس کی آواز کوٹل سے بھی اچھی تھی۔ شیر کوٹل ...چھوڑ کر تتلی سے گانے سننے لگا۔ یہ دیکھ کر کوٹل ...بہت غصّہ آیا۔ اس نے تتلی سے کہا، "بی تتلی، ...کوئی گانا سناؤ۔" تو تتلی نے جیسے ہی گانے کے ...منھ کھولا تو کوٹل نے اس کے منھ میں کانٹا ...ل دیا۔ جب شیر نے تتلی سے کہا، گانا سناؤ۔ تو ...تلی نے بولنے کی بہت کوشش کی، لیکن بول نہ سکی ...اور رونے لگی۔ شیر بڑا حیران ہوا۔ ایک کبوتر نے شیر کو ساری بات بتا دی۔ یہ سُن کر شیر کو بڑا غصّہ آیا۔ جنگل کے جانوروں سے کہا، اس کوٹل کو مار دو۔ ایک توتے نے کہا، نہیں اسے کالا کر کے جنگل سے نکال دو۔ سب نے یہ بات مان لی اور کوٹل کو کالا کیا اور جنگل سے نکال دیا۔ جب سے کوٹل کالے رنگ کی ہے اور تتلی بول نہیں سکتی۔

پیاری امّی

مرسلہ: عابدہ جان محمد، کراچی

میری پیاری امّی میری جان امّی
میری ساری ہستی کا ساماں امّی
میں کیسے گزاروں تمام عمر اپنی
کراتی ہے تُو اس کی پہچان امّی
ترے پاؤں کے نیچے جنّت خدا کی
یہ پیارے نبیؐ کا ہے فرمان امّی

علّامہ شبلی

محمد طاہر، کراچی

علّامہ شبلی سے کون واقف نہیں۔ ۱۸۵۷ء میں عین غدر کے دن پیدا ہوئے۔ اپنے زمانے کے مشہور معروف محقق تھے۔ ایک مرتبہ یہ اپنے چھوٹے بھائی کو علی گڑھ کالج میں داخل کرانے گئے تو سر سیّد نے ان کی لیاقت کا اندازہ کر کے انھیں علی گڑھ کالج میں فارسی اور عربی کا استاد مقرر کر لیا۔

علی گڑھ میں شبلی کو علم اور مطالعے کے لیے مواقع ملے۔ سرسید کی عظیم الشان لائبریری سے استفادہ کرنے کا موقع میسر آیا۔ شبلی کو علم کے حصول کا اتنا شوق تھا کہ وہ گھنٹوں الماری کے پاس کھڑے رہتے اور کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ جب تھکن محسوس کرتے تو وہیں زمین پر بیٹھ جاتے۔ یہاں ان کو پروفیسر آرنلڈ جیسے دانش ور سے ملنے کے مواقع بھی ملتے رہے۔ واضح رہے کہ پروفیسر آرنلڈ علامہ اقبال کے استاد بھی تھے۔

علامہ شبلی نے اُسی زمانے میں مشرقی وسطٰی کے ملکوں کی سیر بھی کی اور ترکی کے خلیفہ سے اعزاز بھی حاصل کیا اور وہیں سے الفاروق جیسی عظیم الشان کتاب کے لیے مواد بھی لے کر آئے۔ علامہ نے مصر اور ترکی میں قدیم کتابیں دیکھیں اور اسی بنا پر یہاں آکر ہمہ تن تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے اور شہرۂ آفاق کتابیں المامون اور الفاروق لکھیں۔

علامہ بعض اختلافات کی بنا پر علی گڑھ کالج سے لکھنؤ چلے گئے، پھر وہاں ندوۃ العلما میں کام کیا۔ بعد میں انھوں نے دو عظیم الشان کام سر انجام دیے ایک تو سیرت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تصنیف اور دوسرے دار المصنفین کا اپنے وطن میں قائم کرنا۔ ان کے یہ دونوں کام انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

علامہ شبلی نے ۱۹۱۴ء میں انتقال فرمایا۔

علامہ شبلی کے دل میں اسلام کی بے انتہا محبت تھی۔ انھوں نے بعض نظمیں شہر آشوب کے نام سے لکھیں۔

علامہ شبلی کا شمار اُن دانش وروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو ادب پر بہت گہرے اثرات چھوڑے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں اسلامی تاریخ کو اس طرح نظم کیا ہے کہ قومی شاعروں کا تصور پوری طرح اُجاگر ہو گیا۔ ان کی نظم گوئی میں حقیقت نگاری حُسنِ ادا اور تعمیرِ ملّت کے افکار شامل ہیں۔ علامہ شبلی نہ صرف اپنے دور کے بلند پایہ محقّق تھے بلکہ کمالِ شاعری کے سبب اپنا ایک ممتاز مقام بھی رکھتے ہیں۔

علامہ شبلی کی تصانیف میں سیرت النبی، شعر العجم، المامون، الفاروق اور سیرت نعمان ایسی جامع کتب شامل ہیں جو ہمارے ادب کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

اہرام کب اور کیسے بنے

سید احمد مجتبیٰ زیدی، کراچی

مصری زبان میں اہرام مقبرے کو کہتے ہیں۔ یہ اہرام بہت قدیم ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے قبل مصری بادشاہوں کی یادگاریں قائم کرنے کے لیے یہ اہرام بنائے جاتے تھے، کیوں کہ مصری بادشاہوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد وہ دوبارہ زندہ ہوں گے۔ لہٰذا ان کے جسموں پر ایک خاص قسم کا مسالا لگا کر ان کی لاشوں کو محفوظ کر لیا جاتا تھا۔ پھر یہ حنوط شدہ لاشیں تمام ضروریاتِ زندگی کے ساتھ ان اہراموں میں رکھ دی جاتی تھیں۔ اس کے بعد ان اہراموں کو چاروں طرف سے بند کر دیا جاتا تھا تاکہ کسی چور کا گزر نہ ہو سکے۔

یہ اہرام ایک لاکھ آدمیوں کی مسلسل ۲۰ سال کی محنت کے بعد تیار کیے جاتے تھے۔ ان اہراموں میں چوکور پتھر استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ پتھر دریائے نیل سے حاصل کیے جاتے تھے۔ دریائے نیل میں جب موسم بہار میں طغیانی آتی تھی تو ڈھیروں کشتیوں کے ذریعے سے ان پتھروں کو ان مقامات پر پہنچایا جاتا تھا جہاں اہرام بنانا مقصود ہوتا تھا۔ لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ان پتھروں کو لُڑھکاتا ہوا سڑکوں پر لے آتا تھا۔ ایک اہرام میں تقریباً ۲,۳۰۰,... پتھر استعمال ہوئے ہیں۔ ہر پتھر سات فیٹ کا ہوتا تھا۔ اس کا وزن ۲ ٹن ہوتا تھا۔

یہ اہرام اندر سے بہت خوب صورت بنائے جاتے تھے۔ ان کی دیواروں پر مختلف نقش و نگار بادشاہوں کی تصویر اور ان کے کارنامے دکھائے جاتے تھے۔

مصر کے عجائب گھروں میں اہراموں سے نکالی جانے والی کئی ممیاں رکھی ہوئی ہیں، جس میں فرعون کی ممی بھی ہے۔ یہ فرعون حضرت موسیٰؑ کی پیدائش سے قبل مصر کا بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت موسیٰؑ کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے نیل میں غرق کر دیا تھا۔

ان ممیوں کے علاوہ بہت سی چیزیں بھی ہیں، جن میں سونے کے زیورات، کپڑے، برتن، کھانے پینے کی اشیا وغیرہ شامل ہیں۔

دوستی

قراۃ العین جاوید، کراچی

آمنہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ایک پہاڑی گاؤں میں رہتی تھی۔ اس کی عمر سات سال سے کچھ زیادہ تھی۔ اُن کے گاؤں کے پاس ایک جنگل تھا، جس میں بہت سے بندر رہتے تھے۔ یہ بندر کبھی کبھی گاؤں میں بھی آجاتے اور لوگوں کے گھروں میں گھس کر شرارتیں کرتے تھے۔ ایک دن آمنہ کھڑکی کے پاس بیٹھی سیب کھا رہی تھی کہ ایک موٹا تگڑا بندر اس کے قریب آکر للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ آمنہ نے آدھا سیب بندر کو دے دیا۔ بندر مزے دار سیب کھا کر خوشی سے ناچنے لگا۔ اس طرح ان دونوں کی دوستی ہو گئی۔ بس پھر کیا تھا بندر روز آمنہ سے طرح طرح کی چیزیں لے کر کھانے لگا۔

ایک دن کی بات ہے۔ آمنہ کے ابو کسی کام سے گھر سے باہر گئے تھے اور اس کی امی کو بخار تھا۔ اچانک ایک چور دیوار پھلانگ کر ان کے گھر میں گھس آیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چمک دار چاقو تھا۔ "خبردار! اگر کسی نے آواز نکالی تو میں اس کا

"پیٹ پھاڑ دوں گا۔"

چور نے دھمکی دی۔ پھر اس نے آمنہ اور اس کی ماں کے منھ میں کپڑے ٹھونس کر انھیں رسّی کے ساتھ باندھ دیا اور گھر کی چیزیں اُٹھا اُٹھا کر ایک چادر میں رکھنے لگا۔ ٹائم پیس، ٹیپ ریکارڈر اور جو چیزیں اس کو پسند آئیں۔ جب وہ گٹھڑی باندھ رہا تھا کہ اچانک کسی نے اس کے سر میں ڈنڈا مارا۔ کم بخت ایک ہی ڈنڈا کھا کر بے ہوش ہو گیا۔ آمنہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ چور کو ڈنڈا مارنے والا اس کا وہی دوست بندر تھا۔ بندر نے جلدی جلدی ان کی رسّی کھول کر اُسی رسّی سے چور کو باندھ دیا۔ آمنہ کی امّی نے شور مچا کر آس پاس کے گھروں سے لوگ اکٹھے کر لیے۔

چور کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ آمنہ، اس کی امی اور لوگوں نے بندر کی بہت تعریف کی اور اگلے دن جب آمنہ کے ابو واپس آئے اور انھیں بندر کی بہادری کا پتا چلا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے اور انھوں نے آمنہ کو مٹھائی کا ایک ڈبا لا کر دیا تاکہ وہ اپنے دوست موٹو بندر کی دعوت کر سکے۔

مور

مرسلہ: اشفاق احمد شیخ، روہڑی

میں نے ایک مور ہے پالا
اُوپر نیچے اُڑنے والا
کچھ دن پہلے بچّہ تھا یہ
سائے سے بھی ڈرتا تھا یہ
اب تو یہ پہچان ہے گھر کی
زینت ہے اور شان ہے گھر کی
کتنے پیارے رنگ ہیں اس کے
جینے کے کیا ڈھنگ ہیں اس کے
گھر کے اندر گھوم رہا ہے
رقص میں آ کر جھوم رہا ہے
صبح سویرے اُٹھتا ہے یہ
حمد کی خاطر جھکتا ہے یہ
سونگھ رہا ہے کونا کونا
رنگیں دل کش روپ سلونا
مور نے جب اشفاق کو پایا
ناز و ادا سے دوڑ کے آیا

روشن ضمیر

محمد افضل، لاہور

امجد کی ماں سخت بیمار تھی۔ اس دنیا میں ماں کے علاوہ اس کا کوئی نہیں تھا۔ تقریباً ایک سال قبل ہی اس کا باپ فوت ہوا تھا۔ تب سے اس کی ماں کام کاج کر کے اس کا اور اپنا پیٹ پالتی رہی تھی۔ امجد اپنی ماں کو شہر کے ہسپتال لے جانا چاہتا تھا، لیکن دیہاتیوں کے پاس بیل گاڑی سے تیز رفتار سواری نہیں تھی۔ گاؤں کے چودھری کے پاس کار موجود تھی، لیکن وہ بہت ظالم اور مغرور آدمی تھا۔ امجد کی منّت سماجت اور اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں نے اس پر کوئی اثر نہ کیا تھا اور اس نے گاڑی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب امجد اپنی ماں کو اپنے ہمسائے رمضان کی بیل گاڑی پر ہسپتال لے جا رہا تھا۔ رمضان خوب تیزی سے بیلوں کو بھگا رہا تھا، لیکن امجد کی ماں نے راستے میں ہی دم توڑ دیا۔ امجد خوب دھاڑیں مار مار کر رویا۔ وہ اس دنیا میں بالکل اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ چودھری سے انتقام لینا چاہتا تھا، لیکن وہ بے بس تھا۔

وہ گاؤں چھوڑ کر شہر آ گیا اور ایک موٹر میکنک کے پاس کام کرنے لگا۔ وقت کا پہیا تیزی سے گھومتا رہا اور وہ جوان ہو گیا۔ اب وہ موٹر میکنک سے ٹیکسی ڈرائیور بن چکا تھا۔ چودھری کا ظلم اُسے اب بھی یاد تھا اور پھر اچانک ایک رات جب وہ سواری کی تلاش میں گھوم رہا تھا اُسے ایک سنسان سڑک پر کوئی آدمی اوندھے منھ پڑا ہوا نظر آیا۔ اس نے جلدی سے ٹیکسی روکی اور اس کی طرف بڑھا۔ وہ بوڑھا آدمی شدید زخمی تھا۔ "اوہ، اسے فوراً ہسپتال پہنچانا چاہیے۔" امجد نے سوچا اور اسے پکڑ کر سیدھا کیا، لیکن اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی امجد بُری طرح چونکا۔ اگرچہ وہ کافی بوڑھا ہو چکا تھا، لیکن امجد نے اسے فوراً پہچان لیا تھا، یہ وہی ظالم چودھری تھا۔ اسے دیکھ کر امجد کے دل میں سویا ہوا انتقام دوبارہ جاگ اُٹھا، لیکن اس کا ضمیر اُسے درگزر کرنے پر اُکسا رہا تھا۔ دل کہتا تھا کہ اسے یہیں مرتا ہوا چھوڑ دے، لیکن ضمیر کہتا تھا کہ انسان وہی ہے جو ضرورت کے وقت دشمن کے بھی کام آئے۔ دل اور ضمیر کی یہ کشمکش کچھ دیر جاری رہی اور آخر امجد کا روشن ضمیر دل پر حاوی ہو گیا اور امجد نے جلدی سے اُسے اُٹھا کر ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر لٹا دیا۔ پھر وہ پوری رفتار سے گاڑی بھگاتا ہوا ہسپتال پہنچا۔ جب ڈاکٹر نے اسے اطلاع دی کہ اب مریض خطرے سے باہر ہے تو وہ چودھری سے ملے بغیر ہی واپس چل دیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ اگر وہ انتقام لیتا تو اُسے کبھی اتنا سرور نہیں مل سکتا تھا جتنا اُسے درگزر اور معاف کرنے سے حاصل ہوا ہے۔

انسانی ہمدردی

حنا ایوب، کراچی

عنبرین آج بہت خوش تھی اور خوش بھی کیوں نہ ہوتی آج اس کے ابو نے اُسے امتحان میں اوّل آنے پر پچاس رُپے کا انعام دیا تھا۔ وہ اپنی کلاس کی ذہین طلبہ میں شمار ہوتی تھی اور ہر سال پہلی پوزیشن لے کر پاس ہوتی تھی۔ اس سال جب اس نے چوتھی جماعت میں پہلی پوزیشن لی اور اس کے ابو نے پچاس رُپے اُسے انعام میں دیے تو وہ بہت خوش ہوتی اور سوچنے لگی کہ اسے کس طرح خرچ کیا جائے۔ پلک جھپکنے اور

بولنے والی گڑیا اُس کے پاس پہلے سے تھی۔ ٹافیوں کے پیکٹ اُس کے پاس ڈھیر سارے موجود تھے۔ اُسے پیسے خرچ کرنے کا کوئی اچھا طریقہ نظر نہ آرہا تھا۔ اُسی دن اس نے ٹیلے وژن پر ایک فلم دیکھی، جس میں افریقہ کے قحط زدہ لوگوں کے بارے میں بتایا جارہا تھا۔ ان کے پاس نہ کھانے کو کوئی چیز تھی اور نہ پہننے کو۔ عنبرین کو اب سکون مل گیا تھا۔ اسے پیسے خرچ کرنے کا صحیح مصرف مل گیا تھا۔ اُس نے صبح ہی اسکول جاکر اپنے پیسے اس فنڈ میں جمع کردیے جو افریقہ کے قحط زدہ عوام کے لیے کھولا گیا تھا۔ اب وہ خوش تھی اور اس کے ابّو، امّی بھی بہت خوش ہوئے۔

گوّیا مچھر

مرسلہ، کلثوم آرا، کراچی

سُنا ہے کہ چالاک مچھّر تھا کوئی
جو جاڑے میں تکلیف ہونے لگی
بہت بھوک نے جب ستایا اُسے
تو پھر مانگنا یاد آیا اُسے
گیا شہد کی مکّھیوں کے وہ پاس
کہ تھی اُن سے کچھ بھیک ملنے کی آس
قریب آکے چھتّے کے گانے لگا
پروں سے وہ باجا بجانے لگا
کہا میں زمانے میں استاد ہوں
میں مچھّر ہوں گانے میں استاد ہوں
اگر آپ دو وقت کھانے کو دیں
ذرا شہد ہی منھ لگانے کو دیں
تو چھتّے میں کچھ دن ٹھیر جاؤں گا
ٹھیر کر میں گاؤں گا، بہلاؤں گا
پھر ان ننھّے ننھّے سے بچّوں کو بھی
سکھادوں گا گانا بجانا سبھی
بڑے ہو کے یہ بھی کما کھائیں گے
ہمارے بھی یہ دن پلٹ جائیں گے
دیا شہد کی مکّھیوں نے جواب
ہیں استاد مشہور بے شک جناب
ہُنر آپ کا ہے درست اور ٹھیک
جب ہی مانگتے پھرتے ہیں آپ بھیک
ہنر آپ کو ان کو سکھلائیں گے
یہ کہیے کہ یہ بھی کما کھائیں گے؟
اسی طرح سے بھیک مانگیں گے کیا؟
یہ عزّت کی روٹی کمائیں گے کیا
نہیں چاہیے ایسا گانا ہمیں
ملے بھیک کا جس سے کھانا ہمیں
بس اب آپ فوراً چلے جائیے
کہیں اور یہ گیت جا گائیے

(فانی)

بزمِ نونہال

☼ ہمدرد نونہال ایک ایسے چاند کی مانند ہے جس کی روشنی سے سارا جہان منور ہے۔ ہر ماہ یہ چاند اس جہاں میں اُترتا ہے۔ اس کی دھیمی دھیمی روشنی سوئے ہوؤں کو جگاتی ہے یعنی خوابِ غفلت سے بیدار کر کے سیدھے راستے پر لاتی ہے۔ یہ چاند اپنے اندر ایک کائنات رکھتا ہے۔ اس چاند میں ۔۔ت کا پانی اور اخلاق کا اوکسی جن بھی موجود ہے، جس کو ۔۔نے والے اور جس میں سانس لینے والے آپس میں اکائی ہیں۔ اس میں نصیحتوں کے کھڈ بھی ہیں، لیکن یہ ایک نئے راستے پر گامزن کر دیتے ہیں۔ اس کی سرمئی مٹی میں سیکڑوں رنگ پوشیدہ ہیں، جو تلاش و جستجو کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ چاند ہر دفعہ چرخا کاتنے والی بڑھیا کے تحفے پیش کرتا ہے۔ اس کی سطح پر خوب صورت تصاویر بنی ہیں۔ یہ چاند بچّوں کو بہت پسند ہے اور اسے بچے بہت پسند ہیں، اس لیے یہ کبھی بادلوں کی اوٹ میں نہیں چھپتا اور خدا سے دعا ہے کہ کبھی نہ چھُپے۔

محمد جاوید شفیع، کراچی

☼ ایک سلسلے وار کہانی ڈاکٹر واجبی شائع کی تھی (سراج کی)۔ میں اس کو کتابی صورت میں منگوانا چاہتا ہوں اور میں جناب مسعود احمد برکاتی کی کتاب صحت کی الف ب منگوانا چاہتا ہوں اس کی قیمت بھی بتائیں۔

احسن، لاہور

"ڈاکٹر واجبی" کتابی شکل میں نہیں چھپی۔ صحت کی الف بے کے لیے چار رُپے کا منی آرڈر کر دیں۔ کتاب گھر پہنچ جائے گی۔

☼ ایسا شمارہ نکالنے پر ہم سب گھر والوں کی طرف سے اور ہماری سب کی طرف سے آپ کو عید مبارک مبارک باد قبول ہو۔

جمال الدین انجم انصاری، کراچی

☼ طب کی روشنی میں اور انسائکلو پیڈیا اس رسالے کا تاج ہیں اور کہانیاں اس رسالے کے بے تاج بادشاہ کی مانند ہیں۔

محمد شاہد رزاق، کراچی

☼ شتاق صاحب کے کارٹون اب اپنی مقبولیت پر واپس لوٹ رہے ہیں۔

سید عبدالعزیز عزمی، کراچی

☼ خاص کر جناب حکیم محمد سعید کلچا گو جگاؤ، خیال کے پھول، ایک بہادر ہوا باز کی کہانی، پُراسرار جھیل، تحفے، آخر وہ مالک بن گیا اور سب کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔

جاوید اقبال، کراچی

☼ آپ کا کہنا ہے کہ لکھتے رہیے کبھی نہ کبھی تو آپ کا نام چھپ جائے گا۔ ہم کو نام چھپوانے سے غرض نہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہماری تحریریں پیارے رسالے نونہال کی زینت بنیں۔

محمد عمر فاروقی، بہاول نگر

☼ کیا کچھ بھیجتے ہوئے صفحہ چھوڑ کر لکھنا ضروری ہے یا نہیں؟

سائرہ حیدر اعوان، ملتان

جی ہاں، صفحے کے صرف ایک طرف صاف خط میں لکھنا ضروری بھی ہے اور فائدہ مند بھی۔

☼ اس میں کوئی شک نہیں کہ چار سالوں میں ہمدرد نونہال نے میرے علم میں بہت اضافہ کیا۔

صفیہ اختر، کراچی

☼ ہمدرد فاؤنڈیشن کا شائع کردہ "نونہال" پیارا رسالہ ہم شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس میں تمام مضامین اور قصّے کہانیاں سبھی تحریریں بہت عمدہ ہوتی ہیں۔

زاہدہ پروین ظفر، نگہت یاسمین ظفر، ایم فاروق ظفر، لانڈھی

☼ میری چند تجویزیں ہیں۔ ہمدرد نونہال کے پہلے صفحے پر اس کا ایڈیشن لکھا جائے۔ ایک دوسری بات نا قابلِ اشاعت تحریروں کا صفحہ مقرر کیا جائے اور ہمدرد نونہال کو پندرہ روزہ کر دیں۔ کیا دو مسافر دو ملک کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔ نونہال نے نونہالوں کی اصلاح اور تربیت کے لیے جو کردار

ادا کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہے۔

اعجاز احمد راشد، بٹگرام، اسماعیل خان

✠ خصوصاً ایک بہادر ہوا باز کی کہانی بہت معلوماتی تھی۔ اس کے علاوہ پُراسرار جھیل، آخر وہ مالک بن گیا بہت پسند آئیں۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز تھا۔

محمد آفتاب رفیق، تحصیل سمندری

✠ کہانیوں میں آخر وہ مالک بن گیا، ایک ہوا باز کی کہانی اور پروفیسر راز (ممتاز صدیقی) پسند آئیں۔ تحفے پسند آئے۔

ہمایوں ایاز صدیقی، کراچی

✠ میں آپ کو دوسری بار خط لکھ رہا ہوں، لیکن میرا خط ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ اگر یہ خط بھی ردّی کی ٹوکری میں چلا گیا تو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا۔

عارف صدیقی راجپوت، کراچی

> نونہالو، عارف صدیقی کا خط پڑھ کر آپ اُن کو کیا مشورہ دیں گے۔

✠ ہم نونہال بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ تازہ شمارہ بڑا ہی لاجواب تھا۔ نجیب الرحمٰن، ندیم الرحمٰن، نعیم الرحمٰن، میرپور خاص

✠ میں نے آپ سے لفظ باسط کا مطلب پوچھا تھا لیکن آپ نے ناامید کر دیا۔ ثاقب مجید، فیصل آباد

> باسط، اللہ میاں کا نام ہے۔ معنی ہیں فراخی یا کشادگی دینے والا۔

✠ خوب صورت سرورق، دل کش کہانیوں کا تحفہ، خیال کے پھول اور جاگو جگاؤ نے بڑی خوشی دی۔

مفضل آدم علی ڈاڈا، حیدر آباد

✠ آپ کی "پہلی بات" سے اتفاق کرتے ہوئے ہم یہ ہرگز نہیں لکھیں گے کہ آپ نے ہمارا خط یا تحریریں شائع نہیں کیں یا نہیں کرتے۔ ظاہر ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ نونہال پڑھنے والے ساتھیوں کی تعداد ماشاء اللہ بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح ہمارے دوسرے نونہال ساتھیوں کو چاہیے کہ وہ بھی اس قسم کے شکوے شکایت کرنے کے بجائے اچھی سے اچھی تحریریں لکھنے کی کوشش کریں جس میں وہ ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوں گے۔ اب یہ لکھنا کہ آپ ہمارا خط شائع نہیں کرتے یا تحریریں شائع نہیں کرتے تو یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔ ظاہر ہے معیاری ہوئیں تو باری کے ساتھ شائع ہو جائیں گی اور اگر کسی وجہ سے شائع نہ ہو سکیں تو ہم ناراض ہونے کے بجائے اور بہتر لکھنے کی کوشش کریں گے اور ایک دن ضرور ہم بہتر لکھنے کے قابل ہو جائیں گے اور اس کے لیے ہمیں محنت کرنی ہو گی شکوے شکایت کے طویل خط نہیں لکھنے ہوں گے۔ نونہال کے دوسرے ساتھی بھی آپ کے ساتھ تعاون کریں گے۔ طاہرہ علی، کراچی

> شاباش طاہرہ، تمھاری سمجھ داری کی بات تمام سمجھ دار نونہالوں کو پسند آئے گی۔ ایک بات اور سمجھ داری کی کیا کرو۔ خط میں پتا ضرور لکھا کرو۔

✠ شاید کہ اس جیسا رسالہ ہمارے پاکستان میں نہ ہو گا۔ جاگو جگاؤ تو اس کا دل ہے۔ غلام مصطفٰے تبسم سمون، غلام مرتضٰی تبسم سمون، کرنائی سمائی

✠ خاص کر ایک بہادر ہوا باز کی کہانی بہت اچھی لگی۔ تمام تحفے اچھے تھے۔ کہانیوں میں آخر وہ مالک بن گیا بہت اچھی تھی۔ لطیفے تمام پڑھے ہوئے اور پرانے تھے۔ کیا رنگین تصویر چھپ سکتی ہے؟ عبدالقادر ضیا، گوجرانوالہ

> رنگین تصویر نہیں چھپ سکتی۔

✠ سرورق دیکھتے ہی قیمت وصول ہو گئی اور آٹھ کہانیوں کے تحفے نے تو اس کو چار چاند لگا دیے تھے۔ ایک بہادر ہوا باز کی کہانی بہت پسند آئی اور نظم میں سحر کا ترانہ بہت پسند آئی۔ عابدہ پروین، ہما صابر، لانڈھی

✠ میرا جنوری کا علمی تحفے کا کوپن گم ہو گیا ہے۔ کوئی حل بتائیے مہربانی ہو گی۔ شیخ محمد احسان، حیدر آباد

> کوئی اور مہینے کے دو کوپن جمع کر لیجیے۔

✠ نونہال بہت اچھا رسالہ ہے۔

شاہین سحر، کراچی

✠ کہانیوں میں خاص طور پر بادشاہ شہزادہ، مسٹر ڈرلوک ان کا تحفہ لاجواب تھے۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح نصیحت آموز تھا۔ خیال کے پھول، مسکراتے رہو اور ہنسی بہت کافی اچھے تھے۔ نظمیں بھی اچھی تھیں۔ محی الدین خان، کراچی

✠ اگست کے شمارے میں مضمون پیدل چلنا بھی ایک کھیل ہے اور کہانی مسٹر ڈرلوک بہت پسند آئی۔ اگست کے ۱۱۲ صفحوں کے نونہال میں آٹھ صفحے اشتہارات کے تھے۔ آپ اشتہارات کو نونہال میں کیوں شائع کرتے ہیں۔

فوزیہ سردار، کورنگی

✠ خاص طور پر حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ میں اپنی اور اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی تصویر جو "عبداللہ بادشاہ مرحوم" کی ہے بھیج رہا ہوں۔ ضرور شائع کیجیے گا ورنہ میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گا اور سب کتابیں پھاڑ دوں گا۔

ممتاز احمد، ٹنڈو آدم

✠ اتنا خوب صورت ٹائٹل، پھر اندر سے تو کہانیوں کا گل دستہ تھا۔ آپ نے خاص نمبر کی قیمت گھٹا دی۔ آپ کے اس جذبے کی تعریف کرتا ہوں۔ شیخ عرفان احمد، روہڑی سٹی

✠ کیا آپ نے کوئی ردّی کی ٹوکری رکھی ہے جس میں مجھ جیسی نونہال سے پیار کرنے والی کا خط ڈال دیتے ہیں۔

فریدہ نذیر، کوٹھی نوبہاراں

> بیٹی فریدہ، خط لکھنے کے لیے خط صاف یعنی خوش خط ہونا چاہیے۔

✠ سب کہانیاں اچھی ہوتی ہیں۔ اگر حکیم محمد سعید صاحب کو خط لکھنا ہو تو کیا پتا لکھنا ہو گا؟

راحت حسین، ٹھٹھہ، غازی خان

> صرف جناب حکیم محمد سعید، کراچی بھی لکھ دیں تو خط پہنچ جائے گا۔

✠ فرزانہ کوثر، سرگودھا کی مرسلہ نظم ایک جگنو اور بچہ مولانا اسماعیل میرٹھی کی نظم ہے۔ محمد شاہد رسول، ہما اشور و، شاہدہ تحسین، لانڈھی۔ آفتاب رضا، نئی کراچی۔

✠ محمد نعیم قاضی، ٹنڈو آدم کا مضمون "ابو نصر فارابی" ایک رسالے میں شائع ہو چکا ہے۔ محمد عرفان ظہور، ساہیوال، محمد عارف خان، ایبٹ آباد

✠ مضمون "کم سن شہید" جو رضوان آصف سیالکوٹ نے بھیجا ہے، صوبہ سرحد کی اردو کی کتاب سے نقل شدہ ہے۔

سلمان، کوہاٹ۔ جمیل احمد، ڈیرہ اسماعیل خان

✠ فرحت باقی، حیدر آباد کے نام سے جو لعت چھپی ہے وہ اردو کی آٹھویں کتاب سے نقل شدہ ہے۔ سلیم احمد خان، کورنگی۔ محمد نعیم میمن، حیدر آباد۔ نجم الاسلام، کورنگی۔ محمد راشد انصاری، لطیف آباد۔

✠ سبحان خان، کراچی کی "کیسی تنخواہ" نقل شدہ ہے۔

محمد رفیق زاہد، گوجرہ۔ فوزیہ حمید، خیر

✠ نونہال میں ایک غلطی جو میں نے دیکھی کہ آپ نے صفحہ نمبر ۲ میں جہاں آپ قرآنی آیات اور احادیثِ نبوی کے ترجمے کا لکھتے ہیں وہاں لفظ نبوی پر صلی اللہ علیہ وسلم کا [illegible] ڈالا جائے۔ ثروت قادر، گوندل، کراچی

> یہ غلطی نہیں ہے۔ نبیؐ پر لگانا چاہیے۔ نبوی پر [illegible] کی ضرورت نہیں۔

✠ خوب صورت کہانیاں، پیٹ پھٹ لطیفے، معلومات سے بھرپور مضامین، دل چسپ نظمیں اور خاص کر جاگو جگاؤ پڑھ کر ہماری خوشیوں میں دوگنا اضافہ ہو گیا۔ خدا کرے اس کو پڑھنے والوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جائے۔

عبدالرشید تبسم، حاصل پور

> تمھاری دعا قبول ہو گی۔ نونہال کو لاکھوں بچے پڑھتے ہیں۔

✠ میں کتاب تحفہ سیاح حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ بتائیے مجھے کتنے روپوں کا منی آرڈر کرنا ہو گا۔ مجھے اور میرے بہن بھائیوں کو نونہال بہت پسند ہے۔ فرزانہ جبار، کراچی

> تم نے پتا نہیں لکھا۔ بار بار نصیحت کر رہا ہوں کہ خط میں اپنا پتا ضرور لکھنا چاہیے۔ تم چھے روپے کا منی آرڈر کر سکتی ہو یا اقبال بک ڈپو، سرسٹ اسٹریٹ صدر سے خرید سکتی ہو۔

ان نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں اچھے اچھے خط لکھے،

لیکن جگہ کی کمی کے باعث ان کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ عنیزہ بن سکندر، ظفر علی پٹھان، محمد علیم، عمران محمد یعقوب، جمیل بلوچ، ثوبیہ اقبال، محمد سہیل جمیل احمد، محمد ندیم اصغر، منصور حسین، محمد فرقان، حمی، جمال الدین، انجم انصاری، اکبر علی وارثی، اظفر کلیم احمد، سید امتیاز حسین، عشرت جہاں، رابعہ کریم، نازش شفیق، ثروت رحان، رئیس احمد قدیر، امتیاز احمد، محمد محبوب الرحمٰن، سید مبشر احمد قادری، منیر احمد، عتیق الرحمٰن، ذوالفقار عاشق علی، سید نعمان حسن، محمد عمران، محمد شبر، شارقہ قمر، شازیہ خلیق، مشرف نور خان، نادر سلیم، سید محمد عاطف حلیم، صائم علی خان قادری، فرحین سلطان، نیلوفر انجم، ارم آفتاب، روبینہ فرید، عنایت اللہ، کاشف محمد یونس، خالد نذیر، اشتیاق احمد کھوکھر، جنید منظور، جاوید اختر، سعدیہ اعجاز، ریحانہ شمس، افشاں تبسم، مطیبا عثمانی، شبانہ پروین، سید مظہر العالم، ظہور اقبال، ایم ریحان، محمد فراز منصور، سید فیصل علی سبزواری، ممتاز احمد، محمد طارق، عبدالودود گوہر، ابرار احمد صدیقی، محمد علی، شازیہ صادق قریشی، آصف نسیم، شہزاد احمد، ظفر صدیقی، سعدیہ نورالصباح، محمد عرفان، صاحب صادق، جمیل الدین، محمد ایاز انصاری، مراد خان محمود، عبدالحفیظ، محمد اعجاز، ارم عنبرین، محمد صابر، نثار کھتری، نادیہ اختر، صدف ظہیر، سید ظہور حسین شاہ، محمد امجد خان، طاہر علی، زاہد احمد، شازیہ محفوظ، مدیحہ عثمان، ندیم محمد خان، وسیم یٰسین، رخسانہ جبیں، عمران احمد خاقانی، عبدالمغیث انصاری، سیما، ماریہ نورالدین، حسن رضا، سلمان حیدر، زاہدہ خاتون، فضیلت رخسانہ، طاہر علی، فدا حسین ملک، ثناء صدیقی، آفتاب احمد، ثمینہ اسماعیل، جاوید حسن خان۔

شاہین بانو، عمر الیاس، خالد محمود قریشی، عبدالرزاق ندیم، نجم العارفین، اسماء نورو صبیحہ، الماس، کوثر نصیب، ارم بابر، عمیرہ مسرور، فاروق، منیر بانو، عبدالرؤف، اشتیاق احمد کھوکھر، راجا سبحان اشرف، طلعت محمود، صوفیہ احسان، عامر مقبول خان، پرچم جان، وسیم الدین غزالی، مصباح صنم، خالد محمود قریشی، حبیب اللہ خان، محمد آصف زکریا، سید حامد حسین جعفری، سید فیصل احمد بخاری، ظفر اللہ خان، سید جنید احمد قادری، عبید اللہ کیہر، ریاض احمد پیرزادہ، طاہر عباس۔

نواب شاہ:۔ سید رعنا جبیں، شمع پروین، افتخار احمد راجپوت، حمید سمیع خانزادہ، بشریٰ ڈاہری، مسکین منیر حسین ہنگی، غلام مرتضیٰ صدیقی، لبنیٰ اسلم۔ ٹنڈو آدم:۔ امتیاز احمد۔ پشاور:۔ لطیف خان، نازش، لالہ رخ، محمد اعجاز بٹ۔ مقام نامعلوم:۔ سید احمد علی زیدی، منصور خالد، طلعت نجمی، زاہد یار خان، عامر رحمٰن، شوکت احمد جہانگیر، محمد مسعود یوسف، محمود ریاض شہریار، حمیرا راحت قریشی، بتول۔ پھیجرا:۔ واحد علی میمن۔ ملتان:۔ بلال آصف۔ حیدرآباد:۔ کاشف، ثوبیہ گلزار، عشرت رعنا، جنید اکرم بھٹی، کاشف راجپوت، سید وقار احمد پیرزادہ، خرم عادل، فرینہ باقی، لیاقت علی شیخ، زاہد علی، راجیندر کمار۔ شہداد کوٹ:۔ لبنیٰ گوہر صدیقی۔ دادو:۔ امداد علی۔ گھوٹکی:۔ طارق محمود، وسیم احمد، کلیم احمد کھوکھر، قمر، غلام شبیر۔ سکھر:۔ عبدالفتاح میمن، نیاز گلزار مغل، سعدیہ سعد، اظہر علی، قمر ناز۔ میرپور خاص:۔ شبانہ خان، زاہد وقاص، ندیم الرحمٰن میمن، قاضی محمد قاسم۔ فیصل آباد:۔ ثاقب مجید، فوزیہ رشید شیخ، قمر الزماں، نعیم خان لودھی۔ لاہور:۔ ظہیر عباس، فاطمہ گیلانی، منال اقبال۔ کوئٹہ:۔ ایم ریاض عالم۔ ٹھٹھہ:۔ شاد ایم منیر، فضل، اختر علی، سبحان علی کھتری، ثمن سعید، عبدالوہاب۔ روہڑی:۔ نور محمد، محمد یوسف، عبدالرحمان، محمد ابراہیم۔ کنری:۔ غزالہ بٹ۔

جھنگ صدر:۔ محمد حمید۔ ٹنڈو جام:۔ محمد ارشد آزاد۔ سرگودھا:۔ کامران اصغر۔ خان پور:۔ رئیس رحمت اللہ۔ بہاولپور:۔ عبدالغفور خان۔ ملتان:۔ ایاز احمد۔ پیلاں:۔ عقیل حسین۔ کوہاٹ شہر:۔ شیخ بختیار۔ پشاور:۔ عظمیٰ ناز۔ جام شورو کالونی:۔ حرا خان، حیان خان، حنا ضیا خان، سمیرا انجم خان۔ کوٹری:۔ ریاض الرحمٰن۔ پڈعیدن:۔ عبدالقادر بلوچ۔ ملتان:۔ محمد حسیب القادر یزدانی۔ ٹنڈو محمد خان:۔ اعجاز احمد سومرو۔ کوئٹہ:۔ ضیا امین۔ ٹنڈو الہ یار:۔ محمد ذاکر قریشی۔ بلکسر:۔ محمد اسلم بلوچ۔ اسلام آباد:۔ ریاض۔ شجاع آباد:۔ مسعود احمد۔ بدین:۔ راحت جبین۔ جھنگ:۔ سانگھڑ:۔ سید نوید علی رضوی۔ کشمور:۔ وفا اللہ بخش کلوڑ۔ سرائے سدھو:۔ محمد اجمل نعیم۔ دادو:۔ عبدالجبار۔ خان پور:۔ محمد قیصر فہیم۔ لاڑکانہ:۔ سید ندیم عباس۔ پشاور:۔ در شہوار۔ تلہ گنگ:۔ محمد عمران۔ بہاول نگر:۔ بدر احمد خان، مختار احمد انجم۔ بمبئی:۔ ایم اقبال شاہین بلوچ مکرانی۔

کراچی:۔ سید محمد احمر، شکیل احمد صدیقی، عائشہ، رضوانہ اقبال، فہیم احمد، زبیر احمد یونس، امینہ محمد یونس، محمد عارف یونس، محمد منیر یونس، رافعہ حسن، خرم حبیب، سید محبوب شاہ، حیدر رضا، سید علی اصغر نقوی، شکیلہ نجمی، اعجاز حسین راہی، عمر فاروق، شبانہ معین، احمر محمود، سید کاظم حسین، عامر خان، علی رضوان، عائشہ فرید، شہیلا یونس، شیر بہادر، محمد رضا، نسرین اسلم، اویس احمد ملک، شمع عیسیٰ خان، افتخار التفات غوری، عالیہ عبدالمنان، محمد رفیق، ہما گلنار، محمد مسلم قادری، محمد عارف رانا، ایم اظفر، ساجدہ ایلیا، کاظم، ثمین اطہر، آمنہ عظمت، روبینہ عظمت، آصف رشید شمسی، ثوبیہ اظہر خان، عائشہ محبوب، شکیلہ نادر، ایم سعید اختر، ایم سہیل اختر، شہلا تبسم، شازیہ سلطانہ حقی، رفعت انجم، تابش سلطانہ، شبانہ پروین، فوزیہ تحسین، محمد طارق، آفتاب عامر حسین، عائشہ وجاہت، نصرت خان غوری، نوید الرحمٰن، محمد افضل غفور، ساجد شمس، نامر ظہیر، تنویر چوہدری، غضنفر حسن، ارشد حسین، شہریار واحد، فیصل عمران ملک، صائمہ بدر، صائمہ صدیقی، سید آصف مصطفےٰ نقوی، سحر نقوی، ثمینہ افشاں، عامر اللہ، فوزیہ ناز، راشد کامران فاروقی، رعنا گل، عاصمہ جمیل، محمد نعیم ادریس، محمد نذیر، شاہد، الطاف احمد خان، قیصر ظہور، کوثر رحمٰن، سید کلیم الحق حقی، صبا حسن، محمود الرحمٰن، عبدالحمید بلوچ، روبینہ خان، سید نجم الحسن عابدی، شازیہ اسلام زبیری، سید کوثر منصور، صباحت فاطمہ، مظہر العالم، پرویز، نوید اعظیم رضا، سید نثار عباس عابدی، خالد رشید قریشی، نوشابہ جبیں، انیس بخشی، محمد عبدالرحمٰن صدیقی، محمد عارف صفی، آصف نسیم قریشی، محمد جاوید حسین۔

اسلام آباد:۔ کاشف علی قریشی، سنیلہ افضل، کلیم الرحمٰن، عبید عبداللہ مزاری بلوچ، عاصم احمد جان، عرشیہ جعفری، کاشف حسن۔ کھلابٹ ٹاؤن:۔ محمد امین سوز۔ جام پور:۔ شفقت رسول۔ مکران:۔ عبدالباقی بخوری۔ میرواہ:۔ سید بہار حسین زیدی۔ شہداد کوٹ:۔ پرکاش کمار پروانہ۔ ٹنڈو محمد خان:۔ محمد عمران امین۔ سانگھڑ:۔ غلام فاروق بخاری۔ لاڑکانہ:۔ موسیٰ، نسیم اختر۔ ٹنڈو جام:۔ خالد صغیر۔ ٹنڈو آدم:۔ عبدالرؤف۔ ڈیرہ اسماعیل خان:۔ اعجاز احمد راشد۔ فیصل آباد:۔ عرشیہ زیدی۔ گجرات:۔ زبیر احمد شاہ۔ سرائے سدھو:۔ محمد حسین شاد۔ کشمور:۔ غلام فرید کلوڑ۔ اٹک:۔ فوزیہ مغل۔ نوشہرہ فیروز:۔ حمیدہ سمیع، حمید سمیع خانزادہ، رضا خانزادہ، ارشاد احمد۔

تھرپارکر:۔ سید علی عمران۔ جام پور:۔ سجاد احمد بلوچ۔ میانوالی:۔ مقبول احمد۔ گکھڑ منڈی:۔ عطیہ انصاری۔ گوجرانوالہ:۔ محمد رؤف۔

لاہور:۔ افتخار احمد رانی، ڈاکٹر محمد عطا، نوائیل، رشید طیب، نعمان منظر، محمد ندیم اسلم، نازش رضوی۔ میانوالی:۔ محمد رمضان۔ ہری پور:۔ صداقت زماں۔ نواب شاہ:۔ سلمیٰ کنول، جاوید ممتاز خانزادہ۔ روہڑی:۔ مشتاق احمد، محمد وکیل، شہزادی آمنہ۔ کمالیہ:۔ محمد آصف نوید۔ سانگھڑ:۔ غلام رسول۔ حیدرآباد:۔ عبدالقادر میمن، سلیم دھانی، فوزیہ، محمد اسلام، صائمہ عبدالوہاب خان شیروانی، برہان الدین، آصف اقبال، شبانہ عظمیٰ، رضیہ سلطانہ شاہ، خان شیر پٹھان، ایم اکبر خانزادہ، مرزا سہیل بیگ، ذاکر حسین انصاری، امجاد حسین انصاری۔ جامپور:۔ محمد اسحٰق۔ مظفر گڑھ:۔ محمد جنید عباس فاروقی۔ کوئٹہ:۔ افشاں امین، صبا امین۔ شاہ پور چاکر:۔ رسول بخش شاہ بلوچ۔ کھلابٹ ٹاؤن:۔ الیاس احمد۔ صادق آباد:۔ عنبر حمید۔ جہانیاں:۔ احمد نواز۔ راولپنڈی:۔ احتشام الحق، منیم اقبال رانا، نگہت رسول، عدنان جہانگیر شیخ، محمد ندیم، صبا نا، شہلا، سجد علی، جاوید نذیر، کلیم حسین، بابر، روبینہ میر۔ اسلام آباد:۔ محمد عمران صدیقی۔ قاضی احمد:۔ راحیلہ انور۔ کنڈیارو:۔ عیسیٰ شاہ۔ تنویر زہرا۔ مندرہ:۔ محمد نوید اکرم۔ کمالیہ:۔ عاشق حسین شہزاد۔ فیصل آباد:۔ شبانہ مجید، فوزیہ سلطان۔ کنری پاک:۔ خلیل اختر۔ سکھر:۔ ناظمہ ادریس، فہمیدہ شیخ، عبداللہ کھوسو بلوچ، شاہینہ جبیں، حلیم، صابر حسین۔ ملتان:۔ مسعود سرور گوندل، محمد منیر، شفیق احمد شاکر۔ ایبٹ آباد:۔ وقار احمد۔ ہری پور:۔ فیض محمد۔ واہ کینٹ:۔ میمونہ کوثر۔ ڈیرہ اسماعیل خان:۔ اعجاز احمد۔ لاڑکانہ:۔ عزیز احمد کیہر، خلیق الرحمٰن صدیقی، جاوید خان میمن۔ حافظ محمد حنیف صدامی، عبدالمنان صدامی۔ حیدرآباد:۔ ایم عراقی۔ شکارپور:۔ شاہد محمود شیخ۔ رادھن:۔ وسیم ممتاز جونیجو۔ بھلوال:۔ ظفر اقبال۔ ڈیرہ غازی خان:۔ محمد عمر۔ ٹنڈو محمد خان:۔ عمر دراز خٹک، ساحر خٹک، سحر خٹک۔ بہاولپور:۔ عبدالغفور خان۔ مردان:۔ فتح اللہ شہاب۔ جمرود:۔ فاروق احمد۔ ساہیوال:۔ محمد امتیاز، عارف علی، نوید اختر سیال۔ لاڑکانہ:۔ اے بشیر احمد جونیجو، جابر علی جونیجو۔ نواب شاہ:۔ محمود علی شیخ۔ ڈیرہ غازی خان:۔ عرفانہ بشیر شیخ۔ لطیف آباد:۔ خالد رفیق خان۔ مظفر گڑھ:۔ ایس ایم جنید یوسف فاروقی۔ ٹنڈو الہ یار:۔ جاوید حکیم خان کھوکھر۔ نصیر آباد:۔ بھلوال:۔ جام شورو:۔ فرحت خان۔

معلوماتِ عامہ ۲۳۱ کے صحیح جوابات

۱۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو آپ کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپ کی پرورش آپ کے دادا حضرت عبدالمطّلب کے زیرِ سایہ ہوئی، دادا کے انتقال کے بعد آپ کے پیارے چچا حضرت ابو طالب نے آپ کی پرورش کی۔

۲۔ غزوۂ بدر سنہ دو ہجری میں ہوا تھا۔

۳۔ سُود سے پاک یعنی نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر کھاتے (اکاؤنٹ) کھولنے کی ابتدا پاکستانی بینکوں میں ۱۹۸۱ء میں کی گئی۔

۴۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے مُوجودہ سکریٹری جنرل پاکستان کے مشہور ماہرِ قانون جناب شریف الدین پیرزادہ ہیں۔

۵۔ پاکستان میں اسٹروٹرف (ASTROTURF) جولائی ۱۹۷۹ء میں درآمد کیا گیا اور اسی سال نومبر میں بچھایا گیا۔

۶۔ 'چراغِ بہار' مشہور شاعر صبا اکبر آبادی کا مجموعہ کلام ہے اور یہ اردو میں ہے۔

۷۔ پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی اور ۱۹۱۸ء میں ختم ہوئی۔

۸۔ ریاست ہائے متحدہ امریکا کے پہلے صدر کا نام جارج واشنگٹن تھا۔

۹۔ رقبے کے لحاظ سے براعظم افریقہ سے براعظم ایشیا بڑا ہے۔ ایشیا کا مجموعی رقبہ چار کروڑ تیس لاکھ مربع کیلومیٹر ہے، جب کہ افریقہ کا رقبہ دو کروڑ اٹھانوے لاکھ ساٹھ ہزار مربع کیلومیٹر ہے۔

۱۰۔ فونٹن پن جیسی کار آمد چیز کے مُوجد لوئی واٹرمین صاحب ہیں۔

۱۱۔ عام طور پر تو سال کے ۳۶۵ دن کہلاتے ہیں، لیکن صحیح حساب سے اس میں چوتھائی دن زیادہ ہوتا ہے یعنی تین سو سوا پینسٹھ دن۔ اسی لیے ہر چار سال بعد فروری کے مہینے میں ایک دن کا اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۲۔ دنیا کا سب سے بڑا بند (ڈیم) تربیلا بند ہے جو پاکستان میں ہے۔

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

عظمٰی اقبال
فوزیہ جبیں قادری
فاخرہ حق
صنوبر اقبال
طلعت صبا
شافعہ جبیں قادری
روبینہ ناز
انجم پروین
شاہد اقبال شاہد

سلیم انور عباسی
رخسانہ فضل الدین
سلمٰی پروین خانخیلی
شبانہ خانخیلی
فرزانہ خانخیلی
نورجہاں خانخیلی
نیلم صادق
نجمہ عبدالمجید
شہناز فاطمہ نقوی
عظمٰی محمد سعید

شبانہ عزیز
محمد عیسٰی منصوری
محمد ناظم منصوری
محمد اعظم منصوری
محمد عارف منصوری
محمد سلیم
محمد حسین
محمد یاسین
فخر الدین قمری
فرحان احمد، ساہیوال

سانگھڑ

غلام رسول منصوری
محمد عارف ناشاد
ریاض الدین منصوری
شاکر علی منصوری
فرید احمد قریشی
غلام رسول پارس
لطیف حیدر خانخیلی
محمد امین سیف الملوک

نواب شاہ

انیلا رجب علی
محسن رجب علی
شبیر حسن رجب علی

راولپنڈی

احمد کاشف سعید
احمد شیراز سعید

سنجھورو

سید نوید علی ہاشمی

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

رانا محمد تحسین، کراچی — شہزاد احمد، کراچی — محمد ہاشم منصوری، کراچی — ایم اشرف چوہان، کراچی — محمد سعید، کراچی

سید محمد عرفان، کراچی — چودھری محمد اشرف، کراچی — پرنس اشرف، کراچی — محمد اسحاق، کراچی — نذر محمد، کراچی

سید محمد حسن عباس رضوی، کراچی | سید محمد علی عباس رضوی، کراچی | محمد سلیم، کراچی | محمد عارف، کراچی | جاوید علی نقوی، کراچی

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

مصطفیٰ سرود عباسی
سیما ہاشم
چن زیب
ایم شاہد خان جدون
شکیل ندیم
اظہر محمود گوندل
محمد سلیم کنگ نار
سید محمد جاوید اقبال
نیلم صادق
محمد محبوب الرحمٰن

فاروق احمد

سوڈی گجر

ایم ایم ثاقب صدیقی
مسرت صدیق

حیدر آباد

سہیل اختر خان
بابر رحمٰن معرانی

تحصیل کھاریاں

وجاہت اسلم
رضا اسلم

احمد پور شرقیہ

محمد الیاس سلطان

ساہی وال

محمد عمران ظہور

شکار پور

فیاض احمد قریشی

ٹنڈو جام

ممتاز احمد ابڑو

سکرنڈ

ندیم احمد خان زادہ

سکرنڈ

وسیم اقبال خان زادہ

مقام نامعلوم

شہزاد احمد

جمرود خیبر ایجنسی

شکیل احمد

جہلم

قاضی منعم جمیل برلاس

حیدر آباد

سید محبوب حسین شاہ قاسمی

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

ایم جابر شاہ، کراچی | محمد معراج الدین، کراچی | عبدالرزاق ندیم، کراچی | مسعود سرور گوندل، ملتان | سید امان علی رضوی، کراچی

حفیظ الرحمٰن خانزادہ، حیدر آباد | شکیل احمد، کراچی | ایم طارق خان جدون، کراچی | ملک سرفراز احمد، ملتان | خالد محمود، سانگھڑ

سلیم احمد فتح، کراچی | رفعت جبیں، کراچی | غلام مرتضیٰ غوری، ملتان | علاؤالدین عرف منا، کراچی | پرویز عزیز اللہ شیخ، راولپنڈی

ایم زاہد گل جدون، کراچی | مشتاق رحمت اللہ، کراچی | ناہید احمد مغل، کراچی | ناصر احمد، کراچی | آفاق حسن، کراچی

سید ساجد علی، کراچی | سید محمد عرفان علی رضوی، کراچی | راشدہ اختر، کراچی | شاہد اختر، کراچی | مرتضیٰ حسین قمری، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

منصور عالم
اورنگ زیب علی پاشا
کہکشاں ترنم
افشاں تبسم
عابدہ صبا نور
شاہ جہاں علی شاہی
محمد علی

افشاں ناز	فرخندہ ظفر	محمد یوسف جمال	صغیر احمد صدیقی
عابد نثار	محمد نعیم الحسن	شبیر	شیخ منیر گل کھوڑا
ثاقب نثار	فضل حسن	سلمہ سلطانہ	ثمینہ انجم صدیقی
ساجدہ شمع نور	نور الحسن	فاروق ظفر	قدیر محمد صدیقی
فاطمہ عزیز	محمد اسد حسن	افتخار احمد	فرزانہ کوثر، ٹیکسلا
ارشد عالم	ثروت حسین	حمود الرحمن	ذوالفقار علی سفری باٹو، سانگھڑ
ثمین اطہر	محمد طارق آفتاب	سید محمد احمر	علاؤ الدین منصور، سانگھڑ
آفتاب عالم	محمود علی	شیر بہادر افغانی	محمد سلیم خیر الدین، اسلام آباد
شیخ اویس احمد قدوائی	شیر احمد افغانی	سید محمد رضا رضوی	شفاء الحسن انصاری، سکھر
سید محمد عاطف سلیم	منظور عالم	سید اختر رضا رضوی	مزمل احمد، سکھر
محمد خالد راتا راجپوت	نادرہ مجید	سید قمر رضا رضوی	فرحانہ جاوید، مقام نامعلوم
فاروق عالم	منزہ خان	راشد حسین	رخسانہ حنیف تبسم، سوڈی گوجر
شازیہ خلیق	منزہ خان	شکیل احمد	ارشاد ارشد، مقام نامعلوم
سید علی عباس زیدی	جاوید عالم	محمد امین سوز، کھلابٹ ٹاؤن	شہزادہ سفری باٹو، بستی آدھوجہ
محمد عقیل	محمد عبد المتین	ریحان عترت، مقام نامعلوم	لطیف ظفر علی، ملتان
ناہید اقبال	محمد عقیل خان	محمود عالم، مقام نامعلوم	ارشد خان، روہڑی
مہوش جاوید	زہرا محمد یونس	طاہر منصور، مقام نامعلوم	سرفراز احمد، بہاول پور

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

محمد صدیق صابری، سوڈی گوجر — پرنس یاسین شریف، کراچی — محمد ساجد، کراچی — امتیاز احمد، کراچی — شازیہ فخر الدین، کراچی

محمد اجمل خان، کراچی — عظمت حسین، کراچی — محمد سمیع محسن، کراچی — نعیم الرحمن، کراچی — محمد یامین، کراچی

سید شہزاد عالم، کراچی — شایان سلیم، کراچی — ناظم الحسن، کراچی — ظفر حسین صدیقی، کراچی — سید اعزاز شکیل کرمانی، کراچی

علیم سعید خان، کراچی — شیخ محمد سلیمان، کراچی — راشد حسین، کراچی — توقیر محمد، خیر پور میرس — تحسین سعید خان، کراچی

الطاف احمد خان، کراچی — محمد عارف اقبال انصاری، کراچی — سید مظفر رضا رضوی، کراچی — سید شبیر رضا رضوی، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

صوفیہ شفیق	ممتاز احمد	ندیم ہاشمی	محمد علی اصغر
	شازیہ حق	سید مبشر احمد قادری	خالد رشید قریشی

جعفر عباس جعفری
فراز اطہر
رضوانہ سعید
ریحانہ سعید
دردانہ سعید
محمد عباس جعفری
ضیغم عباس جعفری
ملکہ جعفری
سعدیہ
سالک مبین
سید ناصر احمد
عمران شکیل
محمد ابوبکر صدیقی
شرمین حمیرا صدیقی
عمران احمد نعمانی
سیّد نہال اظہر علی کرمانی
ارم عنبرین
سلطان کریم چترالی
جعفر بیگ شاکر چترالی
بابرہ علی
محمد سمیر بٹ
سید محمد عمران زبیری
شکیل ولی محمد
زہرہ جبیں

غلام محی الدین احمد
کوثر نظامی
حور العین صغیر صدیقی
ظہیر احمد
عتیق الرحمن
غلام سرفراز خان
محمد حمزہ
محمد فاروق عبدالغنی
عبدالرشید اسمٰعیل کھتری
عدنان اللہ قریشی
فریدہ عبدالغنی
زاہد حسین
زاہدہ سلطانہ
عبدالقادر قاسم
سیّد محمد احمد قادری
وسیم یقین
کشور خانم
سید نوید احمد قادری
شہناز صدیقی
عائشہ عنبرین
نازش سلیم صدیقی
عمران منشاء اللہ
سید محمد عمران موسیٰ
سید مدثر حیدر

راحیلہ شکیل

خیرپور میرس

سید عقیل حیدر زیدی
الطاف اللہ شیخ
سید کمال ناصر ترمذی
سید شہزاد رضا ترمذی
ظفر اللہ شیخ
منیر احمد شیخ کھوڑا

کھلابٹ ٹاؤن شپ

سید محبوب علی شاہ
لقمان تبسم

ٹنڈو الہیار

عبدالمنان قائم خانی
غازی محمد مبشر کھوکھر
نوید حکیم خان کھوکھر

حیدرآباد

ساجد سعید
سعدیہ زہرا
محشر علی قریشی
سید راحت علی کاظمی

روہڑی

جیوترام۔ جے۔ بجاج
اظہر حسین
ملک لال خان، راول پنڈی

عظمیٰ سلطانہ، راول پنڈی
کاشف حمید، پشاور
طارق برکی، پشاور
سید علی عمران کنگ، مقام نامعلوم
محمد علی، گھوٹکی
طارق محمود، گھوٹکی
فیصل حسن، مقام نامعلوم
محمد اسحاق انجم، ڈگری
محمد اجمل قریشی، ڈگری
جاوید ممتاز خانزادہ، نواب شاہ
عبدالرؤف، ٹنڈو آدم
سعید احمد، ٹنڈو آدم
نعمان فردوز، اسلام آباد
شبیر احمد داؤد پوتہ، تحصیل ٹھل
سعید الرحمٰن، ہری پور
کامران عطا، شکارپور
شہزاد سعید، فیصل آباد
سعید خالق، گڑھی اختیار خان
تسنیم ناز انصاری، سکھر
شکیل احمد محبوب، سری کوٹ
راحیلہ اقبال نیازی، میانوالی
سکندر حیات اعوان، سنجورو
قمر الزمان، طارق آباد
عبدالمنان بھٹی، لاہور

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی ۱۸ سے شائع کیا۔

ہمدرد نونہال

ستمبر ۱۹۸۵ء

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳